ماہنامہ

کرن

نومبر 2020

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرسالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 840/- روپے
ایشیاء، افریقہ، یورپ ——— 18,000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ——— 20,500 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com



واٹس ایپ
0317 2266944

کرن کتاب

مستقل سلسلے



نومبر 2020
جلد 42 شمارہ 8
قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ [illegible] کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ کی



ربیع الاول وہ مبارک مہینہ جس میں سرورِ کائنات، محسنِ انسانیت، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

مسلمانوں کے لیے ہی نہیں، پوری دنیا بلکہ پوری کائنات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد رحمت کا پیغام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے لیے رحمت بن کر آئے۔

آپ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو عفو درگزر، بردباری، تحمل، برداشت اور صبر و استقلال کی تعلیم دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو معاف فرما دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم ڈھاتے تھے۔ آپ ان کے تمام تر مظالم کے باوجود ان کے لیے ہدایت کی دعا فرماتے رہے۔

کسی بھی معاشرے میں ترقی اور امن و استحکام کے لیے تحمل اور برداشت لازمی جز ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر رواداری، اخلاق عفو درگزر اور تحمل ایسی صفات ہیں جن سے قومیں اور معاشرے عروج حاصل کرتے ہیں۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعوے تو کرتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی پیروی نہیں کرتے۔ آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کو تیار نہیں۔ اپنا راستہ، اپنے اعمال درست کرلیں۔ معاشرہ خود بخود تبدیل ہو جائے گا۔

اسلام سلامتی کا دین ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اعتدال پسندی کی تعلیم دی ہے۔ اسے ہم نے اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے۔

دامنِ سحاب

مہوش افتخار کا نام قارئین کے لیے نیا نہیں۔ انہوں نے جب بھی لکھا ہے، قارئین نے اسے سراہا ہے۔ پسند کیا ہے۔ اس ماہ سے ان کا ناول ''دامنِ سحاب'' شروع کیا جا رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان کی پچھلی تحریروں کی طرح قارئین اسے بھی پسند کریں گی۔ ناول کی پہلی قسط پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا۔

اس شمارے میں

☆ نیوز کاسٹر ''نازمین ملک'' سے شاہین رشید کی ملاقات۔

☆ اداکارہ ''انعم فیاض'' کہتی ہیں ''میری بھی سنیے۔'' ☆ اس ماہ ''گڑیا راجپوت'' کے ''مقابل ہے آئینہ۔''

☆ ''شادی مبارک'' شرجیل حسن ہمراہ نائلہ۔ فائزہ بھٹی کے قلم سے۔

☆ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول۔

☆ نگہت عبداللہ کے ناول ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' کی آخری قسط۔

☆ ''کنارِ خواب جو'' فرح بخاری کا مکمل ناول۔ ☆ منعم ملک کا مکمل ناول ''روپ کے شیدائی۔''

☆ ''کانچ کے سائباں'' مصباح علی سید کا ناولٹ۔ ☆ عطیہ خالد کا ناولٹ ''بچھڑنا بھی ضروری تھا۔''

☆ ''جھانسی کی رانی'' صدف آصف کا ناولٹ۔

☆ عندلیب زہرا، ام ہانی، ام اقصیٰ، عبادت شاہ اور طیبہ چوہدری کے افسانے اور مستقل سلسلے۔

کرن کتاب

بیوٹی ٹپس، معلوماتی مضامین اور مزیدار ریسیپیز کے ساتھ۔



خدائے دو جہاں

جن و ملائک و بشر کے رب

ماہ و مہر و نجوم و ثابت و سیار

ذرہ خاک میں پوشیدہ آتش کے شرار

ہائے لیے بار امانت ہائے کہ میں کمزور و لاچار

ہائے! کس درجہ ہوں مجبور، دل رنجور بیمار

جبل و صحرا و دشت و بحر ہوئے مائل بہ انکار

اک نقطۂ کج فہم تھا میں اٹھا لایا خرد کا جو بار

مالک ملک و مشرق و مغرب و یمین و شمال

تھک گیا ٹوٹ گیا لوٹ آیا ہوں اب مجھے

سنبھال

عبدہ



میرے وردِ لب ہو نبیؐ نبیؐ

جب روح میری محوِ پرواز ہو

ہو نگاہ کے سامنے روضۂ نبیؐ

بند جب میری آنکھ ہو

میرے وردِ لب ہو نبیؐ نبیؐ

ہو جائے نصیب دیدارِ مصطفیٰ

لحد میں جب پہلی رات ہو

میرے وردِ لب ہو نبیؐ نبیؐ

بتا تیرا نبی کون ہے؟ جب یہ سوال ہو

ہیں محمدؐ عربی یہ میرا جواب ہو

میرے وردِ لب ہو نبیؐ نبیؐ

کاش میرا رب کہے، فرشتوں اسے چھوڑ دو

یہ عاشقِ حبیبؐ ہے

اس کے وردِ لب ہے نبیؐ نبیؐ

ندرتاشیہ نعمان

نازمین الطاف سے ملاقات

شاہین رشید



اس بار آپ کی ملاقات کروائیں گے نازمین الطاف صاحبہ سے۔ یہ پی ٹی وی کی نیوز کاسٹر بھی ہیں FM-101 کی آر جے بھی ہیں اور ایف ایم 93 کی نیوز کاسٹر بھی ہیں۔ اور بہت جدوجہد کے بعد کامیابیاں حاصل کیں۔

❖ ''کیسے مزاج ہیں؟''

☆ ''اللہ کا شکر ہے۔''

❖ ''کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟''

☆ ''میرا نام نازمین الطاف ہے اور میں 2 اکتوبر کو کراچی میں پیدا ہوئی...... میری مادری زبان ''میمن'' ہے۔ میرے دو بھائی ہیں اور میں ہوں۔ یعنی اکلوتی بیٹی...... کراچی یونیورسٹی سے میں نے ماس کمیونکیشن میں بیچلر کیا۔ پھر فائن آرٹ میں ڈپلومہ کورس کیا۔ ہماری کاسٹ میمن ہے بانٹوا میمن میں جو ''بانٹوا'' ہوتے ہیں اس کمیونٹی سے میرا تعلق ہے۔ ابو کا چھوٹا سا بزنس ہے...... اور میرے علاوہ کوئی بھی میڈیا میں نہیں ہے...... کیونکہ میمن فیملیز میں یا تو لوگ بزنس میں ہوتے ہیں یا پھر جاب کرتے ہیں...... مگر مجھے چونکہ شوق بہت ہے میڈیا میں آنے کا تو اسی لیے میں اس فیلڈ میں آئی اور نیوز اینکر بننا اور ہوسٹ کرنا پسند کیا۔''

❖ ''بچپن کیسا گزرا؟''

☆ ''بچپن بہت اچھا گزرا، بہت چلبلی بھی تھی اور بہت تمیزدار بھی تھی۔ عموماً بچپن میں بچے بہت نٹ کھٹ اور بہت شرارتی ہوتے ہیں مگر...... میں ہمیشہ سے بہت ہی خاموش مزاج اور اپنے کام سے کام رکھنے والی اور کم گو بچی تھی...... پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ ٹیوشن جاتی تھی مگر پھر بھی کوشش کرتی تھی کہ اپنا اسکول کا کام خود کروں...... اور کبھی پڑھائی کے لیے امی کو سختی نہیں کرنی پڑی۔ کلاس میں پوزیشن لیتی تھی میں۔ میٹرک میں نے ایک کرسچن گرلز اسکول سے کیا۔ پھر کالج میں بھی میں کافی اچھی طالبہ تھی اور میڈیکل سائنس میں میں نے انٹر کیا اور ہمیشہ اچھے رزلٹ کے ساتھ پاس ہوئی اور پھر میں نے آپ کو بتایا ہی ہے کہ ماس کمیونکیشن میں بیچلر کیا اور یوں میرا تعلیمی سفر اختتام کو پہنچا۔''

""پھر میڈیا میں آئیں؟""

☆""نہیں...... تعلیمی اختتام کے بعد میں میڈیا کی طرف نہیں آئی بلکہ ٹیچنگ کی، پھر ""سنی مارکیٹنگ"" ایک کمپنی تھی وہاں جاب کی۔ پھر اچانک سے خیال آیا اور وہ بھی یوں کہ میں ایک دن یونہی بیٹھی ہوئی ایک کوکنگ چینل دیکھ رہی تھی تو میں نے سوچا کہ یہ تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ اس طرح تو میں بھی بات کر سکتی ہوں، تو پھر میں اس کوکنگ چینل پہ گئی اور آڈیشن دیا......""

""یقیناً کامیابی ہوئی ہوگی؟""

☆""نہیں نا ...... میرا جو میڈیا میں آنے کا عرصہ ہے وہ کافی طویل ہے ایسا نہیں ہوا کہ میں نے آڈیشن دیا اور کامیاب ہو گئی۔ مجھے بہت بار ریجیکشن کا سامنا کرنا پڑا...... تقریباً چھ سال میں نے مسلسل آڈیشن دیے اور جب دیے ریجیکٹ ہوئی۔""

""ہمت نہیں ٹوٹی؟""

☆""نہیں...... میں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ پہلے سے زیادہ ہمت آجاتی تھی۔ اب اس فیلڈ میں کامیاب ہونا اور نام ور ہونا میرے لیے چیلینجنگ ہو گیا تھا۔""

""کہاں کہاں گئیں...... اور کیا کہا جاتا تھا آپ کو؟""

☆""یہ پوچھیں کہ کہاں کہاں نہیں گئی ایک بڑے کوکنگ شو میں جا کر آڈیشن دیا۔ ہوسٹنگ کے لیے آڈیشن دیے۔ نیوز اینکر کے لیے آڈیشن دیے۔ پھر ایف ایم پہ جا کر آڈیشن دیے مگر کہیں مجھے کامیابی نہیں ملی۔ چھ سال اسی تگ و دو میں گزارے اور پھر آپ والی کہ کبھی کبھی دل برداشتہ بھی ہو جاتی تھی۔ مگر پھر خیال آتا تھا کہ نہیں کامیاب ہو کے دکھاؤں گی۔""

""آڈیشن میں فیل کرنے کے عذر کیا دیتے تھے؟""

☆""کہتے تھے کہ آپ کے اندر کانفیڈنس نہیں ہے۔ آپ کو صحیح طریقے سے بات کرنی نہیں



آتی، تلفظ ٹھیک نہیں ہے آپ کیمرا فیس نہیں کر پاتیں، آپ شائی ہیں۔ بڑی باتیں سننے کو ملتی تھیں۔ نیوز اینکری کے لیے تو خاص طور پر تلفظ کی بات کرتے تھے...... تو بہت بہت باتیں سنیں اور یہی کہا جاتا کہ آپ میڈیا میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔""

""چھ سال بہت بڑا عرصہ ہوتا ہے زندگی کا، آپ کی بہت ہمت ہے کہ آپ نے کوششیں جاری رکھیں؟""

☆""دانا لوگ کہتے ہیں کہ سو بار اگر آپ ناکام ہوتے ہیں تو ایک بار کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ تو اس بات کو میں نے گرہ میں باندھ لیا تھا کہ کبھی نہ کبھی تو کامیابی ملے گی ہی اور اللہ کا شکر ہے کہ اتنی جدوجہد کے بعد آخر کامیابی مل ہی گئی۔""

""گڈ...... پہلی کامیابی کس چینل میں ملی؟""

☆""اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پھر مجھے پی ٹی وی میں چانس ملا اور پی ٹی وی کے بارے میں آپ سب کو بتایا ہے کہ ہمارا سرکاری میڈیا ہے اور مجھے یہ کہتے ہوئے بھی بہت فخر ہوتا ہے کہ میں پی ٹی وی کا

ایک حصہ ہوں ایک ورکر ہوں۔ پی ٹی وی کی بہت ممنون ہوں اور یہ پاکستان ٹیلی وژن ہی ہے جس نے لوگوں کو بنایا اور لوگ کی ٹریننگ کی تربیت کی اور میں خوش ہوں کہ مجھے پہلا بریک تھرو پی ٹی وی سے ملا اور اللہ نے چاہا تو میں بہت آگے جاؤں گی نیوز کیریئر میں ...... پی ٹی وی میں میں نے دوبار آڈیشن دیے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں کامیاب ہوئی اور نیوز اینکر کے لیے میرا انتخاب ہوا اور یوں ہفتے میں دو دن نیوز پڑھنا میرے حصے میں آیا ...... اور آج تک پڑھ رہی ہوں ...... اس کے بعد مجھے بریک ملا ایف ایم 93 میں جو کہ ادارہ ہے ریڈیو پاکستان کا ...... اور مجھے خوشی ہے کہ میں اس ادارے کا بھی حصہ رہی ہوں۔ میں نے ایف ایم 93 میں ایک سال خبریں ...... اس کے بعد میں نے سوچا کہ مجھے کہیں اور جانا چاہیے چنانچہ ریڈیو پاکستان کا ہی ایک چینل ہے ایف ایم 101 جہاں میں نے بطور آر جے کام کیا اور بہت کچھ سیکھا۔“

❖ ”اب جبکہ آپ ریڈیو پاکستان جیسے مستند اداروں میں اپنے آپ کو منوا چکی ہیں تو ایف ایم کے دیگر چینلز پہ جانے کا خیال کیوں نہیں آیا؟“

☆ ”اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے پاکستان کے اداروں سے بہت پیار ہے۔ بہت اپنائیت کا احساس ہوتا ہے یہاں کام کر کے۔ پی ٹی وی ہو۔ ریڈیو پاکستان ہو یہاں کام کر کے نہ صرف مجھے اچھا لگتا ہے بلکہ بہت کچھ سیکھنے کو بھی ملتا ہے۔“

❖ ”پی ٹی وی تو پسند ہے ہی۔ مگر دوسرے چینلز بھی بہت اچھے ہیں سب میں قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔ یہ بھی اپنے ہی ادارے ہیں؟“

☆ ”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ ...... اور پاکستان کے سب ادارے ہیں مگر میں اس لیے یہاں کام کرنا پسند کرتی ہوں کہ یہ خالص گورنمنٹ کے ادارے ہیں ...... خیر یہاں کام کرتے کرتے مجھے ایک اور بریک تھرو ملا اور مصالحہ چینل والوں نے مجھے بلایا۔ اللہ کا بہت شکر ادا کیا اور ”مصالحہ چینل“ سے میں نے ہوسٹنگ اسٹارٹ کی۔ جس چینل نے مجھے ریجیکٹ کیا تھا اسی چینل پہ میں ہوسٹنگ کر رہی تھی اور الحمدللہ ابھی بھی کر رہی ہوں اور ان شاءاللہ۔ اگر اللہ نے میرا ساتھ دیا تو بہت آگے تک مجھے جانا ہے اور بہت کچھ کرنا ہے ...... اور اب میرا ارادہ ہے کہ کسی پرائیویٹ چینل کے لیے بھی بہت جلد کام کرنا ہے۔ بس اللہ کی مدد شامل حال رہے۔“

❖ ”میڈیا میں آنے کے لیے اتنی تگ و دو کی، اتنی ناکامیاں دیکھیں مگر پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔ کیا کشش ہے میڈیا میں؟“

☆ ”اس کا جواب کچھ یوں ہے کہ مجھے بہت شوق ہے ٹی وی اسکرین پہ آنے کا اور یہ شوق آج کا نہیں ہے بلکہ جب سے بڑی ہوئی ہوں۔ باشعور ہوئی ہوں تب سے یہ شوق پروان چڑھ رہا ہے کہ میں فیمس ہوں۔ اس فیلڈ میں گلیمر بہت ہے۔ گلیمرس ہونا اور شہرت پانا میرا خواب ہے۔“

❖ ”تو صرف اینکر ہی کیوں؟ آر جے ہی کیوں؟ اور جیسا کہ آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ خوش شکل ہیں تو پھر ماڈلنگ کی طرف کیوں نہیں آئیں۔ ڈراموں کی طرف کیوں نہیں آئیں؟“

☆ ”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مگر کیا کروں کہ نیوز اینکری ہو یا ریڈیو پہ بطور آر جے کام کرنا، بطور نیوز کاسٹر کام کرنا ہو یہ سب کام مجھے پڑھے لکھے کام لگتے ہیں کہ آپ اپنے ملک کو پریزنٹ کر رہے ہو، اپنے ملک کی خبریں دے رہے ہیں۔ اور اگر آپ ہوسٹنگ کر رہے ہیں تو ایک اچھے انداز میں اپنے آپ کو پریزنٹ کر رہے ہیں تو ماڈلنگ اور فیشن سے ریلیٹڈ مجھے کوئی کام پسند نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ان جگہوں پہ آپ کی قابلیت نظر نہیں آتی، آپ کی تعلیم نظر نہیں آتی ...... میری نظر میں ڈرامہ ہو یا

ماڈلنگ اس کا تعلق پڑھائی لکھائی سے نہیں ہے بلکہ آپ کے اندر کے ٹیلنٹ کا ہے جس کی وجہ سے آپ اس فیلڈ میں آتے ہیں۔ لیکن خبریں پڑھنا، ہوسٹنگ کرنا، ہوسٹنگ میں آپ کے پاس کانٹینٹ ہونا چاہیے۔ آپ کو بات کرنی آنی چاہیے۔ آپ کی بات سے لوگ متاثر ہوں، آپ کو اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانا آنا چاہیے۔ تو بس مجھے یہ ایک پڑھا لکھا کام لگتا ہے اس لیے میری خواہش تھی کہ میڈیا میں آؤں تو ہوسٹنگ کروں اور نیوز اینکری کروں۔ ماس کمیونکیشن کرنے کے بعد نیوز میں آنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ملک کے کیا حالات ہیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور سب کو خبروں کے ذریعے حالات سے آگاہ رکھنا اچھا لگتا ہے۔ بس اس لیے میرا انتخاب نیوز اور ہوسٹنگ تھا۔"



❁ "مگر بڑا ٹائم لگ گیا آپ کو اس فیلڈ میں آنے کے لیے؟"

☆ "جی بالکل...... اگر مجھے چھ کیا دس سال بھی کوشش کرنی پڑتی تو میں اس فیلڈ کے لیے کرتی۔ کیونکہ مجھے یہ فیلڈ بہت زیادہ پسند ہے بلکہ جنون کہیں تو غلط نہ ہوگا اور اگر اللہ نے میرا ساتھ دیا تو میں بہت آگے تک جاؤں گی۔"

❁ "وائس اوور کیے آپ نے کمرشلز کے اور دیگر پروگراموں کے؟"

☆ "جی، میں کمرشلز کے لیے وائس اوور بھی کرتی ہوں اور دیگر چیزوں کے لیے بھی...... ایف ایم 93 میں میں نے ایک سال تک خبریں پڑھیں اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ ایف ایم 101 کی آر جے بھی رہی۔"

❁ "آج کل سنائی نہیں دے رہیں آپ ریڈیو پہ؟"

☆ "اس لیے کہ کچھ شفٹنگ کے مسائل تھے اور اب انشاءاللہ آپ بہت جلد مجھے بطور آر جے سنیں گی۔"

❁ "اور فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

☆ "فارغ ٹائم ذرا کم ہی ملتا ہے اور مل جائے تو کوئی مووی دیکھ لیتی ہوں، پھر فیس بک ہے۔ انسٹاگرام ہے کچھ ٹائم سوشل میڈیا کو دیتی ہوں۔ ٹویٹر دیکھتی کہ کس نے کیا لکھا ہے اور پھر میں جب سے نیوز میں آئی ہوں مجھے اخبار پڑھنے کا بہت شوق ہوگیا ہے اردو پڑھنے کا شوق ہوگیا ہے۔ تو کتابیں بھی پڑھتی ہوں۔ نیوز زیادہ سے زیادہ دیکھتی ہوں ان کے انداز کو دیکھتی ہوں۔ حالات حاضرہ سے باخبر رہتی ہوں...... اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لیے واک Walk کرتی ہوں روزانہ آدھے سے ایک گھنٹہ۔ لوگ موبائل پہ گیمز کھیل کے اپنا وقت گزارتے ہیں۔ جبکہ مجھے موبائل پہ گیمز کھیلنا بالکل بھی پسند نہیں ہیں میں اپنے فارغ وقت میں ایسے کام کرتی ہوں جس سے مجھے نالج ہو۔"

❁ "اپنی کمائی کا زیادہ حصہ کہاں خرچ کرتی ہیں؟"

☆ ''میں اپنی سیلری کا زیادہ تر حصہ اپنے اوپر اور پھر اپنے گھر والوں پہ خرچ کرتی ہوں۔ اپنے امی ابو کے لیے، بھائیوں کے لیے گفٹ لے لیتی ہوں۔ اور اکثر اوقات ہم سب مل کر ڈنر پہ بھی چلے جاتے ہیں اور بچت بھی کر لیتی ہوں۔''

❁ ''گھریلو امور سے کتنا لگاؤ ہے؟''

☆ ''بہت زیادہ لگاؤ ہے اور میں بہت زیادہ سگھڑ ہوں۔ بہت زیادہ صفائی پسند ہوں۔ ہر چیز قرینے سلیقے سے نہ لگی ہو تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔ میری کوئی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے تو مجھے بہت کوفت ہوتی ہے۔ میرا ہر وقت صاف ستھرا رہتا ہے۔ کھانے پکانے کا شوق ہے اور ہر طرح کے کھانے پکا لیتی ہوں خواہ وہ دیسی ہوں یا کانٹی نینٹل......''

❁ ''آپ ضدی ہیں یا جنونی؟''

☆ ''ضدی بھی ہوں اور جنونی بھی۔ جب دل میں کچھ ٹھان لیتی ہوں تو پھر کر کے رہتی ہوں، بہت محنت کرتی ہوں اور حاصل کر کے رہتی ہوں۔ جیسے میڈیا میں آنا میرا جنون بھی تھا اور میری ضد بھی تھی۔''

❁ ''شاپنگ میں پہلی ترجیح......؟''

☆ ''مجھے گھر کو صاف ستھرا رکھنا اور ڈیکوریٹ کرنا بہت پسند ہے تو کوئی اچھی چیز گھر کی سجاوٹ کے لیے نظر آ جاتی ہے تو ضرور خرید لیتی ہوں۔''

❁ ''آپ خود رف لف رہتی ہیں یا......؟''

☆ ''مجھے اپنے آپ کو بہت اچھے طریقے سے پریزنٹ کرنے کا بہت شوق ہے۔ میں کہیں بھی جاؤں ایسے ہی رف لف نہیں چلی جاتی بلکہ بہت صاف ستھری بہت ڈیسنٹ لباس میں جاتی ہوں کیونکہ میں اپنے آپ کو ہی نہیں اپنے گھر والوں کو بھی پریزنٹ کر رہی ہوتی ہوں کیونکہ آپ کے لباس سے آپ کی تعلیم اور آپ کی تربیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے جہاں بھی کام کیا بہت عزت کمائی اپنے بی ہیویر کی وجہ سے، اپنے گیٹ اپ کی وجہ سے اپنی مسکراہٹ کی وجہ سے اور اچھے سلوک کی وجہ سے بہت عزت و احترام کمایا ہے۔''

❁ ''مزاجاً کیسی ہیں آپ؟''

☆ ''مزاج کی میں ٹھنڈی ہی ہوں......ایسے ہی غصہ نہیں آ جاتا، کسی غلط بات پر ہی آتا ہے اور ویسے میں عموماً مذاق میں یا کسی بھی اچھے طریقے سے سب کچھ ہینڈل کر لیتی ہوں۔ دوسروں کی باتوں کو دل و دماغ پہ حاوی نہیں کرتی۔''

❁ ''بدلہ لیتی ہوں؟''

☆ ''آپ کی زندگی میں کچھ لوگ واقعی ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے بدلہ لینے کو دل چاہتا ہے۔ مگر جب میں خود کچھ نہیں کر پاتی تو پھر سارے معاملات اللہ پر چھوڑ دیتی ہوں۔''

❁ ''گھر والے آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا کون سا کھانا شوق سے کھاتے ہیں؟''

☆ ''میرے گھر والوں کو میرے ہاتھ کا پکا ہوا ہر کھانا پسند ہے اور میرے بھائیوں کو میرے ہاتھ کا پکا ہوا پلاؤ، پیزا، بریانی پاستا اور سموسے بہت پسند ہیں۔ عموماً لڑکیاں کہتی ہیں کہ ہم تو کچن میں نہیں جاتے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ جو لڑکیاں ایسا کہتی ہیں وہ غلط کہتی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب صورت عورت بنایا ہے تو آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے گھر کو بھی اپنی طرح خوب صورت بنائیں اور گھر کے کام اور کوکنگ تو عوت کا سنگار ہے اور پھر عورت کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت اسٹرونگ بنایا ہے اپنے گھر کے معاملے میں کہ وہ جب جاب سے واپس آتی ہے تو گھر آ کر کھانا بھی پکاتی ہے۔ میاں کا خیال رکھتی ہے۔ بچوں کا بھی خیال رکھتی ہے۔ میں تو عورت کو آل راؤنڈر ہی کہوں گی۔''

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے نازمین الطاف صاحبہ سے اجازت چاہی۔

☆☆

میری بھی سنئے

انعم فیاض

شاہین رشید



1 ''میرا نام؟''

''انعم فیاض۔''

2 ''میری پہچان؟''

''میرے والد ہی میری پہچان ہیں۔ کیونکہ وہ والد ہیں مگر ''اسد'' میرے لائف پارٹنر ہیں۔ میری نسل انہی کے نام سے چلے گی اللہ اسد کو سلامت رکھے (آمین)''

3 ''اسد اور والد صاحب پیار میں کس نام سے بلاتے ہیں؟''

''میرا نام ایسا ہے کہ بگڑ نہیں سکتا۔ اس لیے جو بھی مجھے پیار سے بلاتا ہے وہ ''انو'' ہی کہتا ہے۔''

4 ''میری پیدائش کا سال اور شہر؟''

''17 جولائی 1992ء اور کراچی میں پیدا ہوئی۔''

5 ''بہن بھائی؟''

''میرے تین بھائی ہیں اور ہم دو بہنیں ہیں اور میں اپنے والدین کی پہلی اولاد ہوں۔''

6 ''تعلیم؟''

''گریجویشن کیا ہے۔''

7 ''شادی کو کتنا عرصہ ہوا؟''

''2016ء میں ہوئی تھی اور نکاح ہوا، رخصتی بعد میں ہوئی تھی۔ تقریباً دو سال کے بعد۔''

8 ''شادی یا نکاح کی کوئی خاص بات؟''

''ہمارا نکاح مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔ الحمدللہ بہت مبارک جگہ تھی۔''

9 ''میں خوش ہوں؟''

''بہت خوش ہوں۔ اللہ نے بہت اچھا لائف پارٹنر دیا ہے۔ الحمدللہ۔''

10 ''اسد کا پروفیشن؟''

''وہ ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتے ہیں۔ انہوں نے ایم بی اے کیا ہے۔''

11 ''جسے چاہا وہ ملا؟''

''بالکل ملا جیسے چاہا وہ ہی ملا۔''

12 ''محبت کیا ہے؟''

''ایک خوب صورت جذبہ بہت خوب صورت جذبہ ہے۔''

13 ''میرا آن ایئر ڈرامہ؟''

''آج کل تو کوئی نہیں ہے۔ بس پرانے ہی

چل رہے ہوں گے۔ کچھ انڈر پروڈکشن ہیں۔ اس لیے انتظار فرمایئے۔"

14 "میرے آن ایئر ڈراموں کی تعداد؟"

"کافی ہیں ماشاء اللہ سے۔ جو یاد ہیں وہ بتا دیتی ہوں۔ "دل تیرے نام، پرورش، تشنگی دل کی، عادت، محبت مشکل ہے، عشق عبادت، میری ماں، بند کھڑکیاں، احمد حبیب کی بیٹیاں، میرا خدا جانے، کبھی سوچا نہ تھا، فالتو لڑکی" اور بھی ہیں پر یاد نہیں ہیں اور ایک مووی بھی کی "صبح بے داغ ہے" کے نام سے۔"

15 "ڈرامہ میں آمد وجہ کون بنا؟"

"کوئی بھی نہیں۔ اپنے ٹیلنٹ سے آئی۔ ایک پروگرام ہوتا تھا "ہیرو بننے کی ترنگ" اس میں حصہ لیا دوسری پوزیشن آئی۔ ان دنوں یہ پروگرام ٹی وی پہ آن ایئر بھی آتا تھا بس میری دوسری پوزیشن کام آئی اور مجھے ڈرامے میں کام کرنے کی آفر آ گئی۔"

16 "اور پھر؟"



"اور پھر پہلا ڈرامہ سوپ تھا "احمد حبیب کی بیٹیاں" بہت پسند کیا گیا اور یوں میرے لیے راستے بھی کھلتے چلے گئے۔"

17 "کس کام میں بہت محنت ہے؟"

"ہر کام میں، خواہ اداکاری ہو یا ماڈلنگ۔ مگر میں اپنے ہر کام کو انجوائے کرتی ہوں۔"

18 "شادی کے بعد کیا تبدیلی آئی؟"

"شادی خود ایک چیلنج ہے۔ پوری روٹین لائف ہی بدل جاتی ہے۔ بہت سی ذمہ داریاں ایک دم سے کاندھوں پر آ جاتی ہیں۔"

19 "زندگی بری لگنے لگی جب؟"

"ماما کے انتقال کے بعد زندگی بہت بری لگنے لگی۔ اور اب بھی ماما بہت یاد آتی ہیں۔"

20 "میرا پسندیدہ کردار؟"

"میں نے ایک ڈرامہ سیریل کیا تھا "انتظار" اس میں میں نے ایک نفسیاتی لڑکی کا کردار کیا تھا۔ بے حد اچھا اور چیلنجنگ رول تھا، جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔"

21 "کوئی نصیحت جو کرنا چاہتی ہوں؟"

"جیو اور جینے دو، کیونکہ زندگی بہت مختصر ہے اور بہت بے وفا بھی۔"

22 "غصہ آتا ہے؟"

"جب کوئی جھوٹ بولتا ہے۔ پتا نہیں کیوں جب پتا چل جائے کہ سامنے والا جھوٹ بول رہا ہے تو بے حد غصہ آتا ہے۔ مگر خاموش رہتی ہوں۔"

23 "اکثر یاد آتا ہے۔ گزرا وقت یا صرف بچپن؟"

"دونوں...... مگر بچپن بہت یاد آتا ہے بہت نڈر بچی تھی میں۔"

24 "موبائل فون کتنا ضروری ہے؟"

"جو بھی چیز زندگی میں آ جاتی ہے وہ ضروری ہو جاتی ہے۔ جب تک موبائل ہماری زندگی میں نہیں آیا تھا، ہمیں اس کی اہمیت کا احساس نہیں تھا اور بہت

اچھا گزارا ہو رہا تھا۔ مگر اب گزارا نہیں ہے۔"

25 "غصہ تیز ہے؟"
"میرے پاپا کا...... ان کے مزاج میں نرمی نہیں ہے۔ شاید سب کے والد ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔"

26 "گھر میں کس سے زیادہ پیار ملا؟"
"ماما سے، ان سے میری دوستوں والی محبت تھی میں ہر بات ان سے شیئر کرتی تھی۔ وہ بہت اچھی تھیں۔ کاش وہ آج ہمارے درمیان ہوتیں۔"

27 "شوبز کے علاوہ میری پسندیدہ فیلڈ؟"
"مجھے "بزنس وومن" بننے کا بے حد شوق ہے۔ بزنس کرنا پسند ہے۔ ٹیچنگ سے مجھے بہت لگاؤ ہے...... کبھی موقع ملا تو ضرور قسمت آزماؤں گی۔"

28 "بیماری کو سیریس لیتی ہوں؟"
"اکثر اوقات...... کیونکہ مجھے بیمار ہونے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میری والدہ کو کینسر تھا اس لیے کینسر کے نام سے تو میری جان نکلتی ہے۔"

29 "ایک سبق جو زندگی سے سیکھا؟"
"کہ زندگی بہت بے اعتبار ہے۔ کبھی بھی کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔"

30 "سوشل میڈیا سے لگاؤ؟"
"کوئی خاص نہیں...... بس وقت پاس کرنے کے لیے دیکھ لیتی ہوں۔"

31 "شوبز میں کس کی سپورٹ زیادہ ملی؟"
"میری ماما مجھے اس فیلڈ میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں اور وہ ہی میری حوصلہ افزائی بھی کرتی تھیں۔"

32 "اعتراض کس نے کیا؟"
"پاپا نے، شروع شروع میں وہ میرے ساتھ جاتے تھے مگر جب میرے علاوہ اپنی بھی عزت دیکھی پاپا نے تو پھر انہیں تسلی ہوئی اور خوشی خوشی مزید کام کرنے کی اجازت دے دی۔"

33 "روزمرہ کی مصروفیات؟"



"مصروفیات بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی کچھ تو کبھی کچھ۔"

34 "فیوچر پلاننگ؟"
"جب شادی نہیں ہوئی تھی تو سوچا کرتی تھی کہ اداکاری کرنی ہے یا پھر مستقبل میں پروڈیوسر بننا ہے۔ مگر اب ترجیحات بدل گئی ہیں۔ اب اپنے گھر کو اپنے میاں کو ٹائم دینا ہے بس۔"

35 "میں مزاجاً کیسی ہوں؟"
"اگر اپنی تعریف نہ ہو جائے تو بہت ہی ملنسار اور ہنس مکھ ہوں۔ غصہ جلدی نہیں آتا بلکہ بعض اوقات تو آتا ہی نہیں ہے۔"

36 "چپ رہنا اچھا لگتا ہے یا بولنا؟"
"بھئی میں تو بہت باتونی ہوں۔ مجھ سے خاموش تو رہا ہی نہیں جاتا...... محفل ہو یا گھر کا ماحول۔"

37 "دل خوش ہو جاتا ہے؟"
"جب لوگ مجھے پہچان کر میری اداکاری کی تعریف کرتے ہیں اور گھر والے میری اداکاری کو



سراہتے ہیں۔ میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔"

38 "فلموں سے دوری کی وجہ؟"
"گھریلو مصروفیات اور اچھے رولز کا انتظار"

39 "میری خواہش ہے کہ؟"
"کہ میں کسی مارننگ شو کی یا کسی بھی شو کی میزبانی کے فرائض انجام دوں۔ میرا خیال ہے کہ میں بہت کامیاب رہوں گی۔"

40 "دکھی ہو جاتی ہوں؟"
"جب ماما یاد آتی ہیں۔ انہیں بھولنا بہت مشکل کام ہے۔ ان کے ساتھ گزرا وقت بہت یاد آتا ہے۔"

41 "جب میں میٹرک میں تھی تو؟"
"تو کہا گیا کہ تم جب اچھے نمبروں سے میٹرک کرلو گی تو تمہیں گفٹ میں موبائل ملے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ میٹرک کے بعد مجھے موبائل ملا......"

42 "ایک کام جو مجھ سے ہوتا نہیں؟"
"وقت کی پابندی۔ بہت کوشش کرتی ہوں کہ سارے کام وقت پر کرلوں مگر گڑبڑ ہو ہی جاتی ہے۔"

43 "پسندیدہ فنکار؟"
"تمام سینئر فنکار......اور مجھے سب سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ ویسے نعمان اعجاز اور جاوید شیخ میرے پسندیدہ فنکار ہیں۔"

44 "مجھے دیکھتے ہی لوگ کہتے ہیں؟"
"ارے آپ تو اتنی چھوٹی ہیں اسکرین پہ تو آپ بہت بڑی نظر آتی ہیں۔"

45 "مجھے سکون ملتا ہے؟"
"گھر کے اس کونے میں جہاں میں نماز کی ادائیگی کرتی ہوں۔ میں نے اپنے ہی کمرے میں نماز کی ایک جگہ بنائی ہوئی ہے۔"

46 "چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہوں؟"
"عموماً چھٹی اس دن ہوتی ہے جس دن شوٹ نہ ہو مگر میری چھٹی اتوار کے دن ہوتی ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ میں اتوار کے دن کام نہیں کروں گی۔"

47 "فیشن میں پسند ہے؟"
"چوڑیاں پہننا، میک اپ کرنا، اچھے کپڑے پہننا۔"

48 "سجتی سنورتی ہوں جب؟"
"جب اسد کے گھر آنے کا ٹائم ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ خوب اچھی سی تیار ہو جاؤں اور جب کسی تقریب میں جانا ہو تب۔"

49 "غصے میں میرا ری ایکشن؟"
"خاموش ہو جاتی ہوں اور بہت کم بات کرتی ہوں۔ غصے میں چیخنا چلانا اور بدتمیزی کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔"

50 "اپنے بارے میں کہنا چاہوں گی کہ؟"
"کہ میں ایک اچھی لڑکی ہوں۔ سب کو خوش کرنے میں لگی رہتی ہوں۔ ایک اچھی باتھ روم سنگر بھی ہوں۔ مطالعہ کا شوق ہے اور بس ......اور ہاں خوش مزاج بھی ہوں۔"

☆☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل .... ماریہ رضوی
میک اپ .... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی .... موسیٰ رضا

گڑیا راجپوت

ادارہ

س ''آپ کا پورا نام، گھر والے پیار سے کیا بولتے ہیں؟''

ج ''میرا اصل نام جویریہ سرور ہے۔ جب میں چھوٹی تھی تو نانی اماں سے میرا نام نہیں بولا جاتا تھا۔ تو وہ مجھے گڑیا کہنے لگیں۔ تو گڑیا ہی پکا ہو گیا۔ اسٹارٹ میں کوئی رئیل نیم سے مجھے پکارتا تھا تو مجھے پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ مجھے بلایا جا رہا ہے۔ راجپوت (رانا) میں نے کاسٹ کی وجہ سے ساتھ لگا لیا۔ ثوبیہ (دوست) مجھے بیر بولتی ہے۔ بی ایڈ میں ایک لڑکی کو میں کسی حزب جیسی لگی۔ بس کالج میں میں پھر حزب مشہور ہو گئی۔ اب وہ حزب ہے اصل میں کون یہ میں نہیں جانتی۔''

س ''کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟''

ج ''سج دھج کے آئینے کے سامنے جاؤ تو آئینہ بہت کچھ کہتا ہے۔ تسیں بہت پیارے او..... نظر ای نہ لگ جاوے۔ ورنہ تو آئینہ یہی کہے گا، آئینہ ان کو دکھایا..... تو برا مان گئے۔ خیر اب ایسی بات بھی نہیں میں آئینے کو اکثر بتاتی رہتی ہوں کہ مناسب صورت ہے میری اور مجھے اپنی ناک تو بہت پسند ہے۔''

س ''اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو.....؟''

ج ''تو۔ تو مجھے خود سوچنا پڑے گا (بلکہ دیکھنا پڑے گا) میری پرس میں ماسوائے عجوہ کھجور کی گٹھلی کے کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ میں چیزیں ان کے مقام پر رکھنے کی عادی ہوں۔ گھر واپس آتے ہی پرس خالی کر کے واڈ روب میں کپڑوں کے ساتھ لٹکا دیتی ہوں۔ ہاں اگر بھائی پھیرو جانا ہو تو آپ کو میرے پاس سے لکھے ہوئے خط، گلو اسٹک، پنسل، ڈائجسٹ، میری لکھی کہانیاں اور ان کی فوٹو کاپیاں ہی ملیں گی۔''

س ''بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟''

ج ''اللہ کرے کبھی ایسی نوبت نہ آئے کہ میں کسی بھوت سے ملوں۔ بائے داوے میں بہت زیادہ ڈرپوک بھی نہیں۔ میں خوف کو اپنے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیتی۔ ہاں منافقت میں ڈوبے انسانی چہروں کے بدل جانے سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

س ''کھانے میں کیا پسند ہے؟''

ج ''بھوک کی بہت کچی ہوں محاورتا بھوک لگی ہو تو زہر بھی کھا جاؤں۔ میں ورنہ سونے کے نوالے کی طرف بھی نہ دیکھوں۔ اروی کے علاوہ کم مرچ مسالے والا جو بھی ہو اتنی رغبت سے کھاتی ہوں کہ میری کزنز مجھے دیکھ حیران رہ جاتی ہیں۔ (کوئی مجھے بتائے گا کہ سادہ خوراک کھانے والا پینڈو لگتا ہے.....؟ پلیز)''

س ''پسندیدہ شاعر......؟''

ج ''علامہ اقبال ...... یہ میرا سب سے فیورٹ ہے اس کی شاعری پڑھ کر مجھے عجیب گدگدی سی ہوتی مطلب سنسناہٹ۔ کافی زیر اثر ہوں میں علامہ اقبال کے ان کے علاوہ Jhon Keats آئی تھنک یہ جرمن پوئٹ ہے یا شاید انگلش۔ 28 سال عمر پائی لیکن پڑھنے والوں کے لیے کمال کی شاعری چھوڑ کر گیا ہے۔''

س ''کس طرح کے لوگ پسند ہیں؟''

ج ''اپنے جیسے منافقت وریاکاری سے پاک، دل کے صاف۔''

س ''اگر ایک دن کی حکومت مل جائے

تو......؟“

ج ”تو اپنی جان کی پروا کیے بغیر بھارت کو نیست و نابود کر کے رکھ دوں گی۔ اتنے ہی خطرناک قسم کے عزائم ہیں میرے مودی کے خلاف، فرقہ واریت کو ختم کروں گی۔ جھوٹے فقیر بابے جیل میں کروادوں گی۔ عورت کے لیے پردہ لازم کردوں گی۔ سب سے اہم بات جس طرح پاسپورٹ پر لکھا ہوتا ہے اسرائیل نہیں جاسکتے تو وہاں انڈیا کا اضافہ ہو جائے گا۔“

س ”اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت......؟“

ج ”کوئی ایسا لمحہ ہے ہی نہیں کہ اللہ کو یاد نہ کیا جا سکے۔ ہاں انسان کے لیے کہا جاسکتا ہے۔

تیرے سجدوں میں وہ ذوق رہا نہ باقی
شکوہ خدا سے کہ اس کو میں یاد نہیں

س ”آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟“

ج ”بس نارمل ہی ہوں۔ کبھی بہت زیادہ خرچ کر لیتی ہوں کبھی نہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے امپوریم مال سے گلاسز لینے گئے میں نے تین ہزار کی رینج میں گلاسز دیکھے۔ وہاں ایک چائینز لڑکی کھڑی تھی۔ بولی یہ نہیں اچھے، مجھے سات ہزار کا فریم دلوا دیا۔ چار پانچ دن بعد بستر پر رکھ کر خود ڈریسنگ کے سامنے کنگھی کرنے لگی۔ دھیان ہی نہیں رہا۔ پاؤں کے نیچے آیا اور چلو جی سات ہزار باسکٹ میں۔“

س ”ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟“

ج ”نو، ہنڈرڈ پرسنٹ نو...... پامسٹری، ٹیلی پیتھی، پریکٹیکل ہپناٹزم Language of the hand برج ستارے مجھے ان باتوں سے سخت چڑ ہے۔“

س ”اگر آپ کسی سنسان راستے سے گزر رہی ہوں اور کتا پیچھے لگ جائے تو؟“

ج ”کتے کی ایسی کی تیسی، بس پاگل نہ ہو۔“

س ”ایسا کوئی ڈرامہ، فلم یا کتاب جو پسند ہو؟“

ج ”ڈرامہ ”زہے نصیب“ فلم The elilotss کتاب قرآن پاک۔“

س ”کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟“

ج ”اپنی ماں کے علاوہ کسی کی نہیں۔ میری پیاری امی اللہ ہمیشہ ان کا سایہ میرے سر پر رکھے آمین۔ میرے بھائیوں نے تو مجھے ہر اس رستے پر چڑھایا جو ناکامیوں سے بھرا ہوا تھا۔“

س ”عجیب خواہش؟“

ج ”کہ ڈاکٹر بنوں۔“

س ”قیمتی ملکیت......؟“

ج ”نماز......اور امی۔“

س ”کوئی کامیابی جس پر خوش ہوں؟“

ج ”مارچ، 2017ء میں میری کہانی شائع ہوئی تھی۔ ”محبت ہو گئی ہے تم سے“ خواتین میں میں خوشی سے پاگل ہی ہو گئی اور اب رائٹر بننے کے چکر میں خود کو ہلکان کر رکھا ہے۔“

س ”دشوار لمحات؟“

ج ”میں یہ سوال چھوڑ رہی ہوں کیونکہ زندگی نے بہت ٹف ٹائم دیا ہے۔“

س ”آپ کی نظر میں محبت؟“

ج ”اللہ کے علاوہ باقی سب دھوکا۔“

س ”اپنی تعریف سن کر خوشی ہوتی ہے؟“

ج ”نہیں، لوگوں نے مایوس ہی اتنا کر دیا کہ اب میرا تعریف کروانے کا دل نہیں کرتا۔“

س ”یادگار لمحات؟“

ج ”ابھی نہیں ہیں۔“

س ”زندگی کا سبق؟“

ج ”بہت کڑے سبق دیے ہیں۔ سارا قیمتی وقت بے بسی کی نظر ہو گیا۔ بھائیوں کی تنگی نظری نے ترقی کی طرف قدم بڑھانے ہی نہیں دیے۔ میرے خواب نوچ لیے۔ میری خواہشیں مار دیں۔ بات کرنے پر منہ پھٹ اور خاموشی پر مغرور کا لیبل چسپاں کر دیا۔“

س ”آخری بات؟“

ج ”کسی سے حسد مت کرو کہ اگلے بندے کا دل حسد سے ہی بھر جائے۔ کیونکہ کسی کا حسد سے بھرا دل تمہارے اچھے وقت میں بددعا کی طرح تمہارا پیچھا کرتا ہے۔ اور بددعا کامیابی کو بھی ناکامی میں بدل دیتی ہے۔“

☆☆

شادی مبارک ہو

شرجیل حسن ہمراہ نائلہ

فائزہ بھٹی

جنوری کے آغاز سے اڑتی اڑتی خبریں ملنے لگی تھیں۔ اگلے ڈیڑھ دو ماہ میں شرجیل حسن عرف شیری کی شادی ہے۔

ہیں...... ہیں ایسے کیسے شیری کی شادی ہو اور ہمیں خبر نہ ہو۔

پھر جنوری کی اک دھند آلود بھیگی شام کو ہماری چاچی جسے ہم لوگ آنٹی کہتے ہیں۔ ان کا فون آیا ابو کو۔

''ہم لوگ سنڈے کو شرجیل کی شادی کے دن رکھنے آ رہے ہیں۔ آپ نے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ تیار رہیے گا۔'' تصدیق ہوگئی۔ اب ہم لوگوں کو ایک اور ٹینشن پتا نہیں شیری کی شادی کامونکی میں ہو گی یا ادھر ہمارے پتوکی میں۔ اصل میں چاچو کی ڈیتھ کے بعد وہ چھوٹے بچوں کی پڑھائی کی وجہ سے کامونکی شفٹ ہوگئے تھے۔ ہر غمی خوشی اور چھٹیوں میں پتوکی آتے رہتے۔ سنڈے آیا سارے ایک دم سے پرجوش...... صفائیاں ہو رہی تھیں۔ کیونکہ پلان تھا کہ ہمارے گھر آئیں گے اور پھر ابو کو لے کر پھوپھو کے گھر جائیں گے۔ شیری کی شادی پھوپھو کی بیٹی سے ہو رہی تھی۔ ابھی میں پوچا لگا رہی تھی کہ پھوپھو کا پیغام مل گیا۔ کہ گھر میں کام ہے ادھر آؤ...... کپڑے بدلے اور امی کو لے کر پھوپھو کے گھر روانہ ہوگئی۔ وہاں پہلے سے ہی چھوٹی پھوپھو چاچی اور مریم موجود تھیں۔

نائلہ چمکتے دمکتے چہرے کے ساتھ شرمائی لجائی سی بیٹھی تھی۔ مہمانوں کے آنے تک ہم لوگ کھانا تیار کر چکی تھیں۔ نائلہ سے چھوٹی ماریہ بھاگ بھاگ کر ہر کام کر رہی تھی اور کروا رہی تھی۔

ظہر کے وقت مہمان آ گئے۔ آنٹی ان کی بہن دو بہنوئی، دو بھائی، ابو اور چھوٹے چاچو۔ ماریہ کے سسرال والے بھی آ گئے وہ ہم لڑکیوں کے درمیان کمرے میں بیٹھ گئیں۔ ہم ساری کزنز جب جمع ہوتی ہیں تو نتیجہ فقط قہقہے نکلتا ہے۔ ہمارے ہر قہقہے پر ماریہ کی ساس ہمیں تنقیدی نظروں سے گھورتی پائی گئیں۔ ہم نے بھی ہر گھوری سنبھال کر رکھی اور ان کے جانے کے بعد ماریہ کو گھور گھور کر بدلہ لیا سود سمیت۔

سات مارچ کی تاریخ فائنل ہوگئی۔ سب نے نائلہ کو پیسے دیے۔ اس کی مٹھی ایک دم سے گرم ہوگئی پھر ہمارے بار بار مانگنے پر اس نے ایک نوٹ تک نہ دیا۔ کنجوس سارے مہمان چلے گئے تو میں نے بھی گھر کی راہ لی جاتے جاتے آنٹی خوش خبری سنا گئی تھیں کہ شادی پتوکی میں ہوگی۔

آنٹی لوگ پندرہ فروری کو پتوکی آ گئے۔ میں ماموں کی بیٹی کی عیادت کے لیے چھت پر چڑھی کہ درمیانی چار فٹ کی دیوار پھلانگ کر چلی جاؤں گی۔ سامنے نہر پر سامان سے بھرا ٹرک آتا دکھائی دیا۔ اوپر شیری سے چھوٹے دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہیں سے واپس آ کر امی کو بتایا آنٹی لوگ آ گئے ہیں۔ دوسرے دن سب سے چھوٹا نبیل حسن آیا تو اس سے پوچھا۔

''نبیل حسن ڈیک ہے نا سامان میں؟''

''ہاں بجو ہے ٹینشن نہ لیں۔'' ساری کزنز، باجیاں، میں واحد بجو ہوں اس کی، اس نے چھت پر ڈیک لگا دیا مگر آواز ہمارے گھر تک نہیں آئی۔ نبیل حسن کا تو میں نے سر کھا لیا۔ وہ بے چارہ تنگ آ گیا۔

''بجو آواز نہیں آئی تو کیا کروں۔ ڈیک اٹھا

لاؤں؟"

"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" پھر میں نے اپنی 32 انچ ایل ای ڈی پر شادی والے گانے لگا کر کمی پوری کر دی۔

"یکم مارچ کو نائلہ کی اور اس کے بھائی کی تیل کی رسم تھی۔ کوٹ کی ساری لڑکیاں عورتیں بچے تیار ہو کر پھوپھو کے گھر پہنچ گئے رونق بڑھانے۔ گوجرے والی پھوپھو بھی آ گئیں ہر طرف شور شرابا ہونے لگا۔ عورتیں صحن میں بیٹھ گئیں۔ لڑکیاں کمرے میں نائلہ کے پاس۔ باتوں باتوں میں ایک کزن ماریہ سے بولی۔

"ماریہ میں نے تمہاری ساس نہیں دیکھی۔ دکھانا مجھے۔"

"ارے تم نے ماریہ کی ساس نہیں دیکھی۔" میری زبان میں کھجلی ہوئی۔

"تو جاؤ باہر سارے میں نظر ڈالو۔ جو خاتون بنا کچھ بولے ہر طرف گھورتی پائی گئیں سمجھ لینا ماریہ کی ساس ہے۔"

"پھر وہ باہر گئی۔ سارے میں نظر ڈالی۔ ایک خاتون، پر نظر ٹھہر گئی۔ ماریہ نے تصدیق بھی کر دی۔ بس پھر کیا تھا۔ کمرہ ہم کزنز کی ہنسی کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔"

کھانا کھانے کے بعد واپس ہونے لگی تو پھوپھو نے روک لیا۔ ہلا گلا کر کے جاؤ۔ میرے بیٹے کی بھی شادی ہے۔ پھر ایسا ہلا گلا کیا کہ ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے۔

دو کو شیری کے ننھیال والے کچھ لوگ آ گئے، تین کو اس کے تیل کی رسم تھی۔ آنٹی نے میلاد رکھ لیا۔ عصر کے بعد میلاد اختتام پذیر ہوا تو کھانا کھول دیا گیا۔

"میٹھا جلدی لے کر آؤ ادھر پانی ختم ہو گیا ہے۔ ارے نمکین چاول تو کسی نے دیے ہی نہیں۔" ہر طرف سے ایسی عجلت بھری آوازوں نے ہم سب کو کھپا دیا۔ ایڑی والی جوتی کے ساتھ چل چل کر پاؤں شل ہونے لگے۔ تیل کی رسم میں صرف خاندان نہیں پوری برادری اکٹھی ہوتی ہے۔

"رات کو ڈھولکی تھی۔ اسٹیل کی پرات کے نیچے کپڑا اٹھونس کر ہاتھوں سے پرات کو خوب پیٹا گیا۔ کپڑا کھسکنے پر عجیب بے ڈھنگی سی آواز آنے لگتی۔ مگر ہم لوگوں کے سر بڑے پکے ہیں۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو خاطر میں لائے بغیر خوب گلے پھاڑے گئے۔ کچھ گانوں کے لات پیر تو ایک طرف سر تک قلم کر دیے۔ حاضرین محفل واہ واہ کرنے کے ساتھ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شیری کے ننھیال والیاں تو پیٹ پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ (شیری ویسے تو مجھ سے دو سال بڑا ہے۔ مگر جو مجھ سے پانچ سال تک، بڑے ہیں۔ میں ان کے نام ہی لیتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں مگر مجھے ناموں سے پکارنا اچھا لگتا ہے) گانوں کے بعد بھنگڑے کا آغاز ہوا ددھیال والوں نے تو خوب ارمان نکالے۔ ننھیال والوں کی باری آئی تو پتا چلا...... ڈیک لگے گا تو کچھ ہوگا۔ ڈیک لگا۔ ابرار الحق صاحب گانے لگے۔"

ٹکٹ کٹالو لائن بنالو
کنے کنے جانا بلو دے گھر
اساں تے جانا بلو دے گھر

پھر کیا تھا۔ ایک مامی دو کزنز ابھی ٹکٹ کٹا کر بلو کے گھر جانے کو گاڑی میں سوار ہوئی تھیں کہ باہر سے بڑے ماموں نے آ کر زنجیر کھینچ دی۔ ٹکٹیں وہیں رہ گئیں۔ بلو کے گھر جانے کی حسرت لیے محفل کو برخاست کرنا پڑا۔

چار کو پھوپھو اپنے دولہا بیٹے کے ساتھ ڈھولک کا کہنے آ گئیں۔ آنٹی کے گھر ڈھولک کا پروگرام ٹھپ ہوا۔ قافلہ پھوپھو کے گھر روانہ ہوا۔

مارچ میں ابھی کافی سردی تھی۔ سب سے پہلے چائے پی کر سردی کی وجہ سے گلے میں سوتے ہوئے سروں کو جگایا۔ فرمائشی پروگرام کا آغاز ہو گیا۔ عورتوں نے سب سے زیادہ جس گانے پر سر دھنا وہ یہ تھا۔

نی پنڈ وچ متراں دے

طوطے چھلیاں توپینڈے نے اوڈانے
پنڈوچ ہونڈیاں نیں سیاں ان پڑھ نی
کٹ کھاندی رہیں گی نہ پٹھی پوڑھی چڑھ نی
نی منجی نہ جھلونگی بن کے بال نکے نکے
پینڈے نیں سوانے
نی پنڈوچ متراں دے
طوطے چھلیاں توپینڈے نے اوڈانے
آپ بھی آیئے گا ہمارے ہاں شادی پر پھر سناؤں گی۔

پانچ کو نائلہ اور بھائی کی مہندی تھی۔ تیاریاں عروج پر تھیں۔ پھوپھو کے گھر جانے سے پہلے آنٹی کے گھر گئی تو آنٹی کی چھوٹی بہن آنٹی بینا کو غصہ آ گیا۔ ارے بہن آئی ہے۔ دہلیز میں تیل ڈالو۔ ان کا بھی ٹائم لگا ادھر آنے کا۔

''ارے آپ نے تیل ڈالنا تھا۔ پہلے بتاتیں۔ چلیں اب بھی لے آئیں۔ میں دہلیز پر کھڑی ہوتی ہوں۔'' میں واپس دروازے کی طرف مڑی۔ امی ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ آنٹی بینا کو اور غصہ آیا۔ شرم تو نہیں آتی بہن ہو کر اب شکل دکھا رہی ہو۔ ایک وہ عالیہ شازیہ ہیں۔ وہ بھی نہیں آئیں۔ بہنیں ایسی ہوتی ہیں۔ ایک ہم ہیں اتنی دور سے آ کر بیٹھی ہوئی ہیں۔''

آنٹی بینا دو بیٹیوں ایک بیٹے کے ہمراہ جہلم سے آئی تھیں۔ آنٹی شفقت بھی دو بیٹیوں ایک بیٹے کے ہمراہ پنڈی سے آئی تھیں۔ آنٹی عفت اور ماموں لوگ اپنے بچوں کے ہمراہ کامونکی سے آئے تھے۔ پھر میں نے ان کا غصہ ٹھنڈا کر کے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے جہلم سے مجھے عمیرہ احمد کی امر بیل بھیجی تھی۔

نائلہ لوگوں کی مہندی کے لیے جو غرارے شرارے تیار رکھے تھے وہ رکھے رہ گئے۔ یکدم بارش آ گئی اور مسلسل ہوتی رہی کھیتوں کے درمیان سے پیدل جانا ناممکن ہو گیا۔ پھوپھو لوگ بارش کے ساتھ ہمیں کوستے رہ گئے۔

چھ کو شہری کی مہندی تھی۔ میں صبح جلد ہی ان کے گھر پہنچ گئی۔ دہلیز پر کھڑے ہو کر میں نے آنٹی بینا کو آواز دی۔ جلدی سے تیل لے آئیں پھر کہیں گی میں نے تیل ڈالنا تھا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے آنے کا اشارہ کیا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر لڑکیوں کو بری ٹانکنے کے لیے بلایا گیا۔ کمرہ بھر گیا۔ ہی ہی...... ہاہا...... ہوہو...... ہونے لگی۔ شور ڈال کر کمرے میں ڈیک منگوایا۔ ڈیک آن کرنے پر گانا بجا۔

دل کرے چوں چیں چوں چیں، چیں

ایک بار تو دل کھول کر ہنسے پھر ہم نے بری ٹانکتے ہوئے گانے کے ہیرو بابا جی اکٹھے کو مات دیتے ہوئے ایسے منہ بگاڑ بگاڑ کر گایا کہ گانے والے کی روح آئندہ سات نسلوں تک تڑپتی پھڑکتی رہے گی۔ بارش ایک بار پھر شروع ہو گئی۔ لڑکیاں جانہ سکیں مگر بڑے سارے پھوپھو کے بیٹے کی بارات کو رخصت کرنے چلے گئے۔

بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر جب لائٹ بند ہوئی تو موبائل کی روشنی میں اپنے ایک ہاتھ کی پشت پر مہندی سے مشہور زمانہ ٹکیا بنائی۔ ایک وہ ٹکیا ہی مجھ سے اچھی بن جاتی ہے، ورنہ ڈیزائن کوئی بھی اتنا خاص نہیں بنتا۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ پورے ہاتھ پر پھول بنا دو تو وہ بڑے اچھے بنالی ہوں۔ بھئی آخر پھولوں کے شہر سے تعلق ہے میرا۔ آنٹی بینا، یسریٰ، میرا اور نور کو مہندی لگا رہی تھیں۔ میں نے دیکھا تو بولے بنا نہ رہ سکی۔

''آنٹی آپ تو میری طرح بہت اچھی مہندی لگا رہی ہیں۔'' یسریٰ تو اچھل پڑی۔

''کیا مطلب آپ کی طرح اچھی مہندی۔ کیا اچھی نہیں لگ رہی۔''

آنٹی بینا بولیں۔ ''یہ برانڈڈ مہندی ہے ہم پنڈی اسلام آباد کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں برانڈ کا اچھی طرح پتا ہے کہ کیسی مہندی آ رہی ہے۔ مارکیٹ میں۔''

ان کی بات پر مریم بے ساختہ بولی۔
"لگتا ہے برانڈز کا اسٹینڈر بھی کافی لو ہو گیا ہے۔" بس پھر ہم نے اپنے قہقہے کا گلا کس مشکل سے گھونٹا یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔
مہندی کے فنکشن کے لیے زیادہ کزنوں نے لہنگے پہنے۔ میں نے بھی پہنا۔ یلو کلر کا لہنگا تھا۔ پرپل کلر کی شرٹ گوٹی کے کام سے بھری ہوئی تھی۔ یلو کلر کی جالی دار پٹی تھی گلے میں ڈالنے کے لیے یہ مسئلہ تھا۔ ہم کزنز جتنا مرضی شوخی شرارتیں کرلیں۔ دوپٹا کوئی بھی نہیں اتارتی۔ ہمیشہ سر پر رہتا ہے۔ پھر سعدیہ کا دوپٹا میچ کر گیا۔ پنوں سے سیٹ کرلیا۔ گوٹے کے بنے جھمکے پہنے بندیا لگائی۔ بہت سوں نے تعریف کی۔
"بارش پھر ہو رہی تھی بڑی مشکل سے ایڑی والی جوتی سے پھسلتے ہوئے آنٹی کے گھر پہنچے۔ میں صرف تیار ہونے گھر آئی تھی۔ کمروں میں جگہ کم پڑنے کی وجہ سے باہر صحن میں شیری کو بٹھایا گیا۔ اوپر شیٹ ڈالی گئی تھی پھر بھی ٹپ ٹپ پانی برس رہا تھا۔ اچھی خاصی سردی ہو گئی تھی۔ باجی شازیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس نے اپنا موبائل دیا کہ ویڈیو بناؤں...... کچھ دیر بنائی پھر جب سردی سے دانت بجنے لگے تو کمرے میں آ گئی۔ ساری عورتوں نے شرجیل کو مہندی تیل لگایا۔ ہم لڑکیوں نے مٹھائی کھلائی۔ یسریٰ، مبرا نے خشک میوہ جات سے لدا ہوا "گانا" باندھا۔ عالیہ آ نہ سکی۔ اچانک اس کے آفس کی جانب سے پیپر آ گیا۔ وہ لاہور میں بیٹھی اپنے آفس والوں کو گالیوں سے نوازتی رہی ادھر سب یاد کرتے رہے۔"
فنکشن کے بعد سارے اپنے گھروں کو بارش کی وجہ سے جانے لگے تو شہر سے آئی آنٹی کی کزنز نے روک لیا کہ ہم نے گاؤں والوں کی ڈھولک دیکھنی ہے۔ ایک بار پھر رات کو بیٹا گیا۔ گانے گائے گئے۔ محفل لوٹ پوٹ ہو گئی۔ آنٹی شفقت ہر تھوڑی دیر بعد دہائی دیتی۔
"بس کرو اللہ کا نام لو۔ بارش پہلے ہی نہیں رک رہی۔" نور اور یسریٰ جھنجلا گئیں۔
"کیا ہے اماں پہلے تیار نہیں ہونے دے رہی تھیں۔ اب گانے نہیں دے رہیں کہ بارش ہو رہی ہے۔" مگر پھوپھو نسرین نے آنٹی شفقت کی بات کا کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا...... پھر جو انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ہم باوجود کوشش کے اس کی صنف جاننے سے قاصر رہے کہ وہ نعت تھی حمد تھی قوالی تھی یا گانا۔
خیر رات ڈیڑھ بجے محفل اختتام پذیر ہوئی۔ مگر بارش ہنوز جاری و ساری تھی۔
دوسرے دن بارات تھی۔ صبح پائے اور نان کا ناشتا کروایا گیا۔ شرجیل کے بڑے ماموں نے اسپیشل گوجرانوالہ سے کک منگوایا۔ پائے بنانے کے لیے۔ سنا ہے وہ کک اتنا موٹا تھا۔ اتنا موٹا تھا...... اتنا موٹا تھا کہ بس۔
دوپہر تک بارش ختم ہو گئی تو سارے بارات کے لیے تیار ہونے لگے۔ میں نے بھی کاموں سے کچھ دیر کے لیے چھٹی لی اور تیار ہونے گھر آ گئی۔ بلیک کلر کا اوپن گاؤن پہنا۔ جس پر ملٹی کلر کے دھاگوں سے کڑھائی کی گئی تھی۔ دوپٹے کے چاروں جانب بھی ویسی ہی کڑھائی کی پٹی تھی۔ شرجیل نے سفید سوٹ اوپر بلیک واسکٹ پہنی اور سلامیوں کے نام پر خوب پیسے بٹورے۔ کوئی بہن نہ ہونے کے جرم میں اسے تایازاد، چاچا زاد، خالہ زاد ساری بہنوں کو "واگ پھرائی" دینی پڑی سرمہ صدف نے اور انیلا نے ڈالا۔ یعنی تایا اور چاچا کی بہوؤں نے۔
ددھیال والے سارے پھوپھو کے گھر مدعو تھے۔ ادھر سے فارغ ہو کر سارے ادھر جانے لگے اس دن بھائیوں نے ادھر پہنچانے کی ذمہ داری نبھائی...... ہمارے جانے سے پھوپھو کے گھر میں رونق ہو گئی۔ پھوپھو کی بہو بھی پیاری لگ رہی تھی۔
کھانے کے بعد واپسی کی تیاری ہونے لگی۔ ہمارے ہاں کھانا بہت سادہ ہوتا ہے۔ "نان، قورمہ، زردہ، سلاد، کوک" بریانی اضافی ڈش ہوتی ہے کوئی بناتا ہے کوئی نہیں۔ بارات سے پہلے ہی ہم واپس آ

☆☆

گئے۔ ادھر استقبال بھی تو کرنا تھا۔ مغرب کے وقت بارات آئی۔ امی نے اور آنٹی نے کوک کو سات پھیرے دے کر ان کے سروں پر سے پیا۔
کمرے کے دروازے پر شرجیل کے ننھیال والوں اور بھائیوں نے روک لیا اور نعرے مستانے لگانے لگے۔ پانچ، پانچ، پانچ...... مطلب پانچ ہزار دو اور جاؤ۔ شرجیل بے چارہ تو بوکھلا گیا۔ صبح سے بس پیسے ہی تو دے رہا تھا۔ بولا۔
"یار تھوڑے سے کم کرلو۔"
جواباً ان کا نعرہ اور بلند ہوا...... چھ، چھ، چھ...... زوردار قہقہہ پڑا۔
"بھٹیاں دی خیر ہووے۔" پیچھے کھڑے اس کے کزن نے ہانک لگائی۔ شرجیل نے مڑ کر دیکھا غداری جگری یار کی جانب سے ہوئی تھی۔ پھر اسے پیسے دیتے ہی بنی۔
میں ایک بار پھر کچن میں آ گئی۔ پھوپھو اور چاچی لوگ بھی کام کر رہی تھیں۔ مگر ان کا زیادہ کام باہر تھا، میرا کچن میں۔ یوں سمجھ لیں تین دن چاچو کے گھر ہی رہی اور کام کرتی رہی۔ مجھے کام کرتے دیکھ کر ایک مہمان خاتون بہت حیران ہوتی رہیں اور پھر انہوں نے اس حیرانی کا اظہار بھی کر دیا۔
"میں بہت حیران ہوتی ہوں دیکھ کر اتنا پڑھنے کے باوجود سادگی ہے۔ غرور نام کو نہیں۔ ہر وقت ہر کسی کے کام کرنے کو تیار...... میں نے بہت دیکھا ہے پڑھی لکھی لڑکیاں ایسا نہیں کرتیں۔ جیسے تم صبح سے شام کچن میں گزار رہی ہو۔" میں نے ان کی پوری بات مسکراتے ہوئے سنی پھر بولی۔
"آنٹی ہمارے والدین نے بہت مشکل سے ہمیں تعلیم دلوائی ہے۔ یہ تعلیم انہوں نے اس لیے نہیں دلوائی کہ میں اپنے ماحول سے دوسروں سے کٹ کر الگ دنیا بسالوں اور اس تعلیم کا کیا فائدہ جو میرے والدین۔ میرے بڑوں کو سکون نہ دے۔" میرے جواب پر اس خاتون نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر جو خواہش ظاہر کی۔ میں بے ساختہ ہنسی...... اتنی مزے کی خواہش انہوں نے بیان کی تھی کہ کیا بتاؤں۔ ■ خواہش اکثر یاد آ کر مجھے لطف دے جاتی ہے۔
رات گیارہ بجے میں فارغ ہو کر گھر آئی۔
اگلی صبح منزہ ناشتا لے کر آئی۔ ناشتے میں بہت سے لوازمات تھے۔ خوش گوار ہنستے ماحول میں ناشتا کیا گیا۔ باہر ساروں کے لیے چنے انڈے اور نان کا ناشتا تھا۔
نائلہ کو یسری مبرا نے ولیمہ کے لیے تیار کیا۔ وہ پہلے روز سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے لیے گھر آئی تیار ہونے کے لیے میں نے پنک کلر کی فراک پہنی۔ اکثر کزنز نے بلیک کلر کے ڈریس پہنے...... ایک دوسرے کو گھوم کر دکھائے بھی۔ جب سب نے ایک دوسرے کی تعریف کرلی تو مریم کہتی ہے۔
"آپی اپنے ڈائجسٹ میں لکھنا ہم چاند کے ٹوٹے لگ رہے تھے۔" سب نے تائید میں سر ہلائے۔ نائلہ کو لینے اس کی بہنیں اس کی ددھیالی کزنیں آ گئیں۔ میں نے جھٹ سے نائلہ کے ساتھ بیٹھ کر سلامیاں لکھنے والی کاپی سنبھال لی۔ (بھئی کچھ دیر سکون سے بیٹھنے کا مجھے بھی حق تھا نا)
ساتھ والے گھر میں ولیمے کا کھانا کھلایا گیا۔ کھانا کھا کر سارے گھروں کو جانے لگے تو ہم نے رش کم دیکھ کر نائلہ کے پاس قبضہ جما لیا۔ یکے بعد دیگرے اتنے قہقہے پڑ رہے تھے کہ باہر برآمدے میں بیٹھی مہمان خواتین بھی اٹھ کر کمرے میں آ گئیں کہ جہاں تو بہت رونق لگا رکھی ہے تم لوگوں نے۔
مغرب کے وقت سب گھروں کو چلے گئے۔
جنہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ انہیں کھانا کھلایا گیا...... کئی ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے پہلے بھی کھایا تھا۔ انہوں نے بھی پھر سے کھایا۔ میں نے تو بس دو بار چائے پی کھانے کی تو ہمت نہیں تھی...... اور رات گئے پھر امی کے ساتھ واپس گھر آئی۔
آپ لوگوں کو یہ احوال کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔
☆☆

نگہت عبداللہ

ہوائیں رخ بدل گئیں

حیدر علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے، چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا بھاوج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔

حیدر علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی ملی تھیں۔ وہ جتنے نرم خو تھے حمیدہ بیگم اسی قدر تیز وطرار اور کسی حد تک بدزبان بھی۔ احمد علی کی بیوی فاخرہ ان ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی تھیں۔

حیدر علی کی تین بیٹیاں سبینہ، خزینہ اور شہرینہ تھیں جبکہ احمد علی کے دو بچے حمزہ اور بیلا تھے۔

سبینہ کی شادی ہو چکی ہے۔ خزینہ اپنے باس تیمور غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ خزینہ کا خالہ زاد شرجیل اس کو چاہتا ہے۔ حمزہ اور شہرینہ کا رشتہ، حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ان کے دلوں میں بھی مضبوط ہو چکا ہے۔

حیدر صاحب کا آفس میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو جاتا ہے۔ حمزہ کو جاب مل جاتی ہے لیکن اس کے باس حسان صاحب کی بیٹی ربیکا اس کو پسند کرنے لگتی ہے جو وقتاً فوقتاً حمزہ کو اپنی باتوں سے پریشان کرتی ہے۔

تیمور غزنی اور سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہے' سارہ مس کیرج ہونے کی وجہ سے وہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ سارہ، تیمور سے اپنی دوست زوبی کا بے بی لینے کا کہتی ہے لیکن تیمور اس بات پر دل سے رضا مند نہیں ہے۔



سونیا کے مشورے پر تیمور دوسری شادی کے لیے سوچنے لگتا ہے اور خزینہ اسے بالکل موزوں نظر آتی ہے لیکن وہ خزینہ سے جھوٹی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اسے سارہ کے بارے میں نہیں بتاتا اور کہتا ہے کہ فی الحال گھر والے راضی نہیں ہیں اس لیے وہ خزینہ سے چھپ کر شادی کرے گا اور بعد میں انہیں منالے گا۔ خزینہ تیمور کی محبت میں رضامند ہو جاتی ہے اور حمیدہ بیگم کو بھی اس شادی پر راضی کر لیتی ہے۔ تیمور خزینہ کو ایک الگ فلیٹ میں بیاہ کر لے جاتا ہے۔
ربیکا بیلا کو اغوا کر کے حمزہ کو بلیک میل کرتی ہے اور مجبوراً حمزہ کو ربیکا سے شادی کرنی پڑتی ہے۔ شہرینہ حالات سے



سمجھوتا کر کے اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے۔
خزینہ تیمور کے ساتھ خوش گوار زندگی گزار رہی ہے۔ اس کا پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تیمور بچے کو سارہ کی پاس لے جاتا ہے اور خزینہ سے کہہ دیتا ہے کہ بچہ مرا ہوا پیدا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ خزینہ کو کچھ عرصے بعد دوسرے بیٹے سے نواز دیتا ہے تو تیمور کے دل پر سے خزینہ سے اولاد چھین لینے کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔
جہانداد کی ماں نفسیاتی مریضہ ہیں۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق جہانداد ماں کو خوش رکھنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔
جہانداد کے اسکول میں شہرینہ ٹیچر ہے۔ شہرینہ کو دیکھ کر جہانداد کے دل میں انجانی خواہشات جنم لینے لگی ہیں۔ جہانداد کی ماں بیمار ہوتی ہیں تو اسکول کی ٹیچرز عیادت کے لیے ان کے گھر جاتی ہیں وہاں شہرینہ کو دیکھ کر جہانداد کی ماں اندازہ لگا کر کہتی ہیں اس لڑکی کے دل میں بڑا درد ہے اور پھر شہرینہ کے آنسو سارے بند توڑ کے بہنے لگتے ہیں۔

بتیسویں اور آخری قسط

"حمزہ تم......" شہرینہ کہنا چاہتی تھی فضول باتیں مت کرو کہ وہ بول پڑا۔
"میں سچ کہہ رہا ہوں اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں۔"
"لیکن کیوں؟" جارحانہ احتجاج تھا۔
"کیونکہ زبردستی کا بندھن تھا اور ایسے بندھن ٹوٹ ہی جاتے ہیں۔" حمزہ مطمئن تھا۔
"تم جھوٹے ہو میں امی جان سے پوچھتی ہوں۔" وہ جانے لگی کہ حمزہ نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔
"پاگل ہو گئی ہو۔ اماں کو ابھی نہیں پتا اور ابھی انہیں بتانا بھی نہیں ہے۔ خبردار جو تم نے منہ سے ایسی کوئی بات نکالی تو......!" اس کی آخری بات پر وہ جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر بولی۔
"کیوں نہ نکالوں؟"
"ایک منٹ......" حمزہ نے کرسی کھینچ کر زبردستی اسے بٹھا دیا پھر اس کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا۔ "دیکھو ابھی اماں کو اس لیے نہیں بتایا تاکہ بیلا کی شادی آرام سے ہو جائے۔ ورنہ تم خود سوچو اس وقت خوشی کے موقع پر یہ باتیں ہو رہی ہوتیں ہائے ہائے حمزہ کی طلاق ہو گئی۔ ایسا ہی ہوتا ناں......؟"
شہرینہ [illegible] جواب [illegible] بھی نہیں ہلا۔ وہ شاید شاکڈ تھی۔
"کیا ہوا تمہیں افسوس ہو رہا ہے؟" حمزہ نے اس کا ہاتھ ہلا کر پوچھا تو وہ چیخ گئی۔
"افسوس کی بات نہیں ہے کیا... اور جب امی جان کو معلوم ہو گا تو انہیں کتنا دکھ ہو گا۔ تم نے اچھا نہیں کیا حمزہ، تم نے اچھا نہیں کیا۔ کتنے جتن کر کے اس نے تمہیں پایا تھا اور تم نے......" اس کی آواز روندھ گئی تھی ایک دم اٹھ کر اندر بھاگ گئی۔
حمزہ دل گرفتگی سے مسکرایا تھا۔

☆☆☆

وہ جب سے آئی تھی اسے دو گھڑی آرام سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا اور سچ تو یہ ہے وہ ہر کام خوشی اور شوق سے کر رہی تھی۔ اس لیے تھکن کا احساس بھی نہیں ہوا۔ جبھی تو صحن کا پھیلاوا سمیٹنے حمزہ کی مدد کو بھی آ گئی تھی۔ اس کے بعد اس نے سوچا تھا فوراً سو جائے گی تاکہ صبح جلدی اٹھ سکے۔ لیکن حمزہ سے طلاق کا سن کر اس کی نیند ہی اڑ گئی تھی۔ یہ سچ ہے۔ کہ حمزہ اس کی محبت تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ اسے ربیکا پسند نہیں تھی۔ بلکہ وہ اس سے نفرت کرتی تھی کیونکہ اس نے اس کی محبت پر ڈاکا ڈالا تھا اس کے باوجود اسے دکھ ہو رہا تھا اور بار بار وہ ایک ہی بات سوچتی۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" حمزہ نے بہت برا کیا۔
پھر اپنے آپ جانے کیا کیا سوچتے ہوئے وہ حمزہ سے بدگمان ہو رہی تھی۔ کیونکہ اسے یاد تھا فاخرہ کتنی بار حمیدہ بیگم کے سامنے روئی تھیں کہ حمزہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہا اس لیے بھی اسے یقین تھا کہ حمزہ نے ہی اس کے ساتھ زیادتی کی ہوگی اور آخر طلاق دے کر ہی اسے چین آیا۔
ابھی کتنے اطمینان سے تھا۔ اسے ایک دم حمزہ کا اطمینان یاد آیا۔ تو وہ مزید بددل ہوگئی۔
"سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو، میں اب بھی اس سے بات نہیں کروں گی۔"
"وہ ایسی ہی سوچوں میں الجھتے ہوئے جانے کب نیند کی وادیوں میں اتری تھی غالباً رات کا آخری پہر تھا جب ہی صبح اس کی آنکھ ہی نہیں کھلی۔ جبکہ اس نے جلدی اٹھنے کا اس لیے سوچا تھا کہ فاخرہ کو ناشتے کھانے کا انتظام نہ کرنا پڑے کیونکہ بیلا تو مایوں بیٹھ چکی تھی۔ بہرحال جب اس کی آنکھ کھلی برابر والے بیڈ پر فاخرہ اور حمیدہ بیگم بیٹھے ناشتا کر رہی تھیں۔ اسے بہت شرم آئی۔ اس لیے فوراً اٹھنے کے بجائے دوبارہ آنکھیں بند کر کے سوتی بن گئی اور کروٹ بدلی تھی کہ حمیدہ بیگم پکار کر بولیں۔
"شہرینہ۔ اٹھ جاؤ، کب تک سوتی رہوگی۔"
"سونے دیں بھابھی۔ کل سارا دن کاموں میں لگی رہی، تھک گئی ہوگی۔"
"ابھی سے تھک جائے گی تو آگے کیا کرے گی۔"
"اچھا، آپ ناشتا کریں۔" فاخرہ نے ان کا دھیان اس کی طرف سے ہٹایا تو وہ پھر اسی بات پر آگئیں جو وہ پہلے کر رہی تھیں۔
"ہاں تو فاخرہ۔ میں یہ پوچھ رہی تھی کہ پھر کیا سوچا تم نے؟"
شہرینہ کے کان کھڑے ہوگئے۔
"اب سوچنے کو کچھ نہیں رہا بھابھی۔ میں نے حمزہ سے کہہ دیا ہے کہ جب ربیکا بار بار طلاق مانگ رہی ہے، ساتھ کورٹ کچہری کی دھمکیاں بھی دیتی ہے تو بس ختم کریں اس بات کو...... دے دیں طلاق۔" فاخرہ نے کہا تو حمیدہ بیگم پوچھنے لگیں۔
"یہ بیچ میں کورٹ کچہری کہاں سے آگئی؟"
"طلاق کے لیے اس نے حمزہ سے یہی کہا ہے، تم طلاق نہیں دو گے تو کورٹ سے لے لوں گی۔"
"توبہ ہے آج کل کی لڑکیوں سے۔ ویسے مجھے وہ شروع ہی سے گھر بسانے والی نہیں لگی تھی۔"
"بس بھابھی۔ مت ماری گئی تھی حمزہ کی۔"
دونوں خواتین اب اسی طرح کی باتیں کرنے لگی تھیں اور شہرینہ جو رات بھر حمزہ کو برا بھلا کہتی رہی تھی اسے اب اس پر رحم آنے لگا تھا۔ اس کے باوجود اس نے یہ بھی سوچ لیا کہ وہ حمزہ سے دور ہی رہے گی اور یہ اس نے ویسے ہی نہیں سوچا تھا بلکہ اس کے اندر خدشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں حمزہ اور ربیکا کے ساتھ اس کا نام نہ آجائے۔ کہنے والے یہ کہنے سے باز نہیں آئیں گے کہ شہرینہ کی وجہ سے طلاق ہوئی ہے۔
"اف......" اسے اس خیال سے ہی جھرجھری آگئی تو پھر اسے یہ خیال بھی نہیں رہا کہ وہ شرمندگی کے باعث منہ چھپائے پڑی تھی۔ ایک دم چادر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ماں کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ برآمدے تک آئی دھوپ بتا رہی تھی سورج سوا نیزے پر آچکا ہے۔ وہ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر کچن میں گئی اور ابھی چولہے پر چائے کا پانی رکھا تھا کہ حمزہ دروازے میں آکر پوچھنے لگا۔
"ناشتا ملے گا......" وہ اچانک آواز پر اچھل پڑی پھر پلٹ کر اسے گھورنے لگی۔ تو وہ فوراً بولا۔

”میں ناشتے کا پوچھ رہا ہوں۔“
”کیوں۔تم نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا؟“
”اٹھا ہی ابھی ہوں۔“ وہ بے نیازی سے کہتا اسٹول کھینچ کر بیٹھنے لگا کہ وہ تیز لہجے میں کہنے لگی۔
”یہاں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے، اندر جاؤ اور میں کوئی فریش ناشتا نہیں بنا رہی، رات کی روٹی اور سالن رکھا ہے، وہی گرم کر دیتی ہوں۔“
”واہ! پھر تو مزا آ جائے گا اور میں یہیں بیٹھ کر کھاؤں گا۔ ساتھ تمہاری جلی کٹی بھی سنتا رہوں گا۔ ویسے تم تپی ہوئی کیوں ہو؟“ وہ اطمینان سے بیٹھ کر آخر میں خاصے محظوظ انداز میں پوچھ رہا تھا۔
شہرینہ بمشکل خود پر ضبط کر کے جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ فریج سے سالن کا ڈونگا نکال کر چولہے پر رکھا۔ چائے دم کی پھر ٹرے میں روٹی، سالن اور چائے کا مگ رکھ کر ٹرے اس کی طرف کھسکا دی اور بھوک تو خود اسے بھی لگ رہی تھی لیکن اس کے ساتھ نہیں کھانا چاہتی تھی۔ اپنا چائے کا مگ لے کر تیزی سے کچن سے نکل گئی۔
”ہیں......“ حمزہ نے نا سمجھنے کے انداز میں اس کے پیچھے دیکھا پھر کندھے اچکا کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا اور تیمور غزنی اس دن بھی خزینہ کے پاس ضرور جاتا تھا۔ کیونکہ اب عالم یہ تھا کہ وہ اگر ایک دن بھی خزینہ اور ہنی کو نہ دیکھتا تو بے چین ہو جاتا تھا۔ ابھی بھی وہ اسی کیفیت میں بیڈ پر نیم دراز تھا اور بہت بور ہو رہا تھا۔ کیونکہ خزینہ بیلا کی شادی کی وجہ سے روزانہ ہی فاخرہ کے ہاں جا رہی تھی۔ ابھی بھی وہ وہیں تھی اور یہ تو نہیں تھا کہ تیمور غزنی کو وہاں جانا پسند نہیں تھا۔ بس عورتوں کے درمیان وہ خود میں عجیب سا محسوس کرتا تھا۔ اس لیے اس نے خزینہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ بس بارات اور ولیمے کا فنکشن ہی اٹینڈ کرے گا۔
بہر حال اس وقت بوریت دور کرنے کے لیے وہ کوئی مصروفیت سوچنا چاہتا تھا لیکن سارہ اور جازی کی آوازیں اسے یکسو نہیں ہونے دے رہی تھیں اور کیونکہ اس کا دھیان ان دونوں کی طرف نہیں تھا اس لیے سماعتوں میں صرف آوازوں کا شور تھا، باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ جب سارہ نے اسے مخاطب کیا تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
”دیکھیں۔ دیکھ رہے ہو اسے؟“
اس کی نظریں سارہ سے ہٹ کر جازی پر ٹھہر گئیں۔
”کتنی ضد کرنے لگا ہے۔ میری کوئی بات سنتا ہی نہیں۔“
”کیا بات ہے بیٹا۔ آؤ ادھر...... میرے پاس آؤ، کیا چاہیے؟“ تیمور غزنی نے پیار سے جازی کو اپنے قریب کر کے پوچھا تو سارہ بول پڑی۔
”آئس کریم چاہیے اسے۔ جو اسے بالکل نہیں ملے گی۔ ڈاکٹر نے بھی منع کیا ہے کیونکہ اس کا گلا بہت خراب ہے۔ رات بھر کھانستا رہا ہے۔“
”اوں۔“ تیمور غزنی معصوم شکل بنا کر جازی کو دیکھنے لگا کہ وہ ابھی اس کی یہ فرمائش پوری نہیں کر سکتا۔
”دادا پاس جانا ہے۔“ جازی نے کہا تو سارہ پھر بول پڑی۔
”کوئی ضرورت نہیں، یہیں بیٹھے رہو۔“
”جانے دو۔ کیوں منع کر رہی ہو......؟“ تیمور غزنی نے ٹوکا تو وہ بھڑک اٹھی۔
”اس لیے کہ دادا فوراً اس کی فرمائش پوری کر دیں گے۔ ان ہی کے لاڈ پیار نے اسے اتنا ضدی بنا دیا ہے۔

میری تو کوئی بات سنتا ہی نہیں۔"
"بچہ ہے، تم کیوں خواہ مخواہ اس کے ساتھ ضد لگاتی ہو۔ ابھی اگر اس نے آئس کریم نہیں کھانی تو کسی اور چیز میں بہلالو اسے۔"
"ہاں، یہ تو جیسے بہل جائے گا۔ تمہیں پتا نہیں ہے تیمی۔ یہ جس بات پر اڑ جائے پھر اس سے ہٹتا ہی نہیں۔ عاجز کر دیا ہے اس نے مجھے اور اب میں نے اس کا حل سوچ لیا ہے۔" سارہ غصے میں بول رہی تھی۔ تیمور غزنی کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس کی آخری بات پر بلاارادہ پوچھ گیا۔
"حل سوچ لیا ہے مطلب؟"
"میں اسے بورڈنگ میں ڈال دوں گی۔" سارہ کی بات نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔
"کیا...... بورڈنگ میں!...... یہ تم نے کیسے سوچ لیا۔ بھول گئیں کیا کہ اس بچے کے لیے تم نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔ پاگل ہو رہا تھا میں اور اب جبکہ نہ صرف میں بلکہ ماما اور بابا بھی اس کے عادی ہو گئے ہیں تو تم اسے بورڈنگ میں ڈالنے کی بات کر رہی ہو۔ ہرگز نہیں۔"
"تم اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو تیمی۔ میں نے اس کی بہتری سوچی ہے۔"
سارہ تیکھے انداز میں بولی۔
"یہاں اس کے کچھ زیادہ نخرے اٹھائے جاتے ہیں جو اسے بگاڑ کے رکھ دیں گے! اور تم کون سا سارا وقت اس کے ساتھ لگے رہتے ہو، بھگتنا تو مجھے پڑتا ہے اور میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔"
"نہیں برداشت کر سکتیں تو اسے ماما کے حوالے کر دو۔ ماما اور بابا اس کی بہتر پرورش کر سکتے ہیں۔ بلکہ کریں گے۔ تم بے شک اس سے بری الذمہ ہو جاؤ۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ لیکن آئندہ کبھی اسے کہیں بھیجنے کی بات مت کرنا۔ انڈر اسٹینڈ......" تیمور غزنی کے حتمی انداز اور آخر میں وارننگ پر وہ تلملا گئی۔
"تیمی تم......"
"ہاں میں...... میں تمہیں وارن کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ تم اس بچے سے اکتا گئی ہو۔ اس لیے کہ تم نے اسے اپنی کوکھ سے جنم نہیں دیا اور شاید تم ممتا کے جذبے سے بھی محروم ہو ورنہ کبھی اسے خود سے دور کرنے کا نہ سوچتیں۔"
سارہ کی حیرت میں غصہ اور توہین کا احساس بھی شامل ہو گیا تھا کہ تیمور غزنی جو اس پر جان چھڑکتا تھا وہ اس لے پالک بچے کو اس پر فوقیت دے رہا تھا اور تیمور غزنی نے قصداً اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے جازی کو اٹھا کر اپنی گود میں بٹھایا تب سارہ بل کھا کر پلٹی اپنا پرس اور گاڑی کی چابی اٹھا کر کہنے لگی۔
"ٹھیک ہے۔ یہ کہیں نہیں جائے گا۔ میں جا رہی ہوں۔"
"ک...... کیا مطلب؟" تیمور غزنی نے بوکھلا کر اسے دیکھا لیکن مطلب سمجھانے کے لیے کو رکی نہیں، تیزی سے باہر نکل گئی۔
"او گاڈ......!" تیمور غزنی پریشان ضرور ہوا لیکن اس کے پیچھے بھاگا نہیں تھا۔

☆☆☆

حسان صاحب اتنے دنوں بعد آج پہلی بار خود سے ربیکا سے متعلق بات کر رہے تھے۔ ورنہ وہ اسے یوں نظر انداز کیے ہوئے تھے جیسے وہ اس گھر میں موجود ہی نہ ہو۔ ثمرہ بھی اگر ربیکا کے بارے میں کچھ کہتیں تو وہ یوں بنے رہتے جیسے سن ہی نہیں رہے یا ثمرہ کسی اور سے مخاطب ہوں اور آج جانے کیسے یا جانے کسی خیال کے تحت وہ خود ہی ثمرہ سے پوچھ رہے تھے۔

"ربیکا نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟" ثمرہ نے پہلے چونک کر انہیں دیکھا پھر سنبھل کر کہنے لگیں۔
"پتا نہیں۔ ابھی تو وہ بہت ڈسٹرب ہے۔ زیادہ بات بھی نہیں کرتی۔"
"پھر بھی تم اس سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ آئی مین آئندہ کے بارے میں اس نے کیا سوچا ہے۔"
"وہ کیا سوچے گی حسان، اب تو جو سوچیں گے ہم ہی سوچیں گے۔" ثمرہ نے کہا۔ تو حسان صاحب کے لہجے میں طنز سمٹ آیا تھا۔
"اچھا تو پھر یہ بتا دو تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو؟"
"ظاہر ہے میں تو یہی سوچوں گی کہ اس کی شادی کر دینی چاہیے۔" ثمرہ کا روایتی ماؤں والا جواب سن کر حسان صاحب چلا اٹھے۔
"واٹ......شادی! تم ایسی احمقانہ سوچ رکھتی ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔"
"تو آپ کیا چاہتے ہیں اسے ساری زندگی اسی طرح بٹھائے رکھیں گے۔" ثمرہ تنک کر بولیں۔
"نہیں لیکن یہ ربیکا پر منحصر ہے۔ جب تک اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہو جاتا میں اس کی شادی کا سوچوں گا بھی نہیں۔ چاہے وہ ساری زندگی اسی زعم میں گزار دے کہ اس نے جو کیا ٹھیک کیا اور تم بھی اپنے دل سے اس کی شادی کا خیال نکال دو شادی کوئی کھیل نہیں ہے۔ بلاؤ اسے میں بات کرتا ہوں اس سے۔" حسان صاحب کا غصہ دیکھتے ہوئے ثمرہ پریشان ہو گئیں۔
"آپ......آپ کیا بات کریں گے؟"
"تم ربیکا کو بلاؤ" حسان صاحب کی ڈانٹ پر ثمرہ نے ملازمہ کو اسے بلانے بھیج دیا پھر کہنے لگیں۔
"آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں آرام سے بات کریں۔"
حسان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا نہ ہی ان کی پیشانی کی لکیروں میں کمی آئی تھی۔ کچھ دیر بعد ربیکا آئی تب حسان صاحب اسے دیکھ کر بولے۔
"بیٹھ جاؤ......"
ربیکا بیٹھ کر ثمرہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"تمہاری ممی تمہاری شادی کرنے کا سوچ رہی ہیں کیا تم بھی یہی چاہتی ہو؟" حسان صاحب سیدھی صاف بات کرنے کے عادی تھے۔
"نہیں......" ربیکا اچھل کر سختی سے بولی۔
"پھر کیا ارادے ہیں تمہارے۔ اپنی آئندہ زندگی کے لیے کچھ پلان تو کیا ہو گا تم نے؟" حسان صاحب نروٹھے انداز میں بات کر رہے تھے۔
"جی، میں کچھ عرصہ کے لیے امریکا جانا چاہتی ہوں۔" ربیکا کہہ کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔
ثمرہ کا منہ کھلا تھا غالباً ٹوکنا چاہتی تھیں لیکن حسان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا اور خود ہنکارا بھر کر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔
ثمرہ ایک ٹک ربیکا کو دیکھے جا رہی تھیں تاکہ اشارے سے ہی اس سے کچھ کہہ سکیں لیکن ربیکا اپنی بات کہنے کے بعد جیسے کچھ سننا نہیں چاہتی تھی جبھی اپنے ناخنوں سے نظریں ہٹا ہی نہیں رہی تھی۔
"ہوں......" کتنی دیر بعد حسان صاحب گہری سانس کھینچ کر ربیکا سے مخاطب ہوئے تھے۔ "تو تم امریکا جانا چاہتی ہو۔ صرف آؤٹنگ کے لیے یا کوئی اور پلان بھی ہے تمہارے ذہن میں؟"
"جی ایک دو پلان ہیں۔ آرکیٹیکچر کورس اور دوسرے پروڈکشن سیکھنا چاہتی ہوں۔"

''اچھی بات ہے ضرور جاؤ.....'' حسان صاحب نے اتنے آرام سے اس کی بات مان لی کہ ثمرہ غیر یقینی سے انہیں دیکھے گئیں۔
ربیکا نے ایک نظر باری باری دونوں کو دیکھا پھر ''تھینک یو ڈیڈی'' کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔ تب ثمرہ اچھل کر حسان صاحب کی طرف گھومیں۔
''حسان یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ بجائے اسے سمجھانے کے.....''
''اسے ہم نہیں سمجھا سکتے۔'' وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑے۔ وقت اور حالات سمجھائیں گے اسے۔ بہر حال تم اسے روکنے کی کوشش مت کرنا۔ جانے دو اسے پریکٹکل لائف میں آئے گی تو اور کچھ سیکھے نہ سیکھے اچھے برے کی تمیز ضرور سیکھ جائے گی۔''
ثمرہ کے لیے اب کچھ کہنا فضول تھا اس لیے وہاں سے اٹھ گئیں۔

☆☆☆

بیلا کی شادی میں خوب رونق رہی تھی اور شہر بینہ نے گو کہ ہر کام میں بھر پور حصہ لیا تھا لیکن حمزہ کی وجہ سے اسے کافی ریزرو بھی رہنا پڑا۔ جبکہ حمزہ اس سے نارمل اور کسی ضرورت کے تحت ہی بات کر رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ ایک سے دوسری بات کا جواب دیے بغیر ہی اس کے پاس سے ہٹ جاتی تھی۔ کیونکہ بات وہی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کسی کے دل میں یہ خیال بھی آئے کہ حمزہ نے اس کی وجہ سے ربیکا کو چھوڑا ہے۔
بہر حال آج بارات کے فنکشن میں بھی وہ پوری سج دھج سے تیار ہوئی تھی۔ لیکن خود سے لاپروا مہمانوں کو اٹینڈ کرنے میں لگی رہی اور بے نیازی کی انتہا پہ تھی کہ وہ اپنی جانب اٹھتی نظریں بھی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ جبکہ اور لوگوں میں خصوصاً خزینہ اور حمزہ یہ بات زیادہ محسوس کر رہے تھے۔ پھر رخصتی کے مرحلے میں جب سب مہمان بھی رخصت ہو رہے تھے وہ ایک کونے میں بیٹھی چپ چاپ رو رہی تھی۔ کاجل لگی آنکھوں سے موتیوں کی صورت آنسو ایک تواتر سے پھسل رہے تھے۔
ہال تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ کون کس کے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ کیسے جائے گی اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ اور اسے تو اپنی آنکھوں سے برستی برسات کا بھی پتا نہیں تھا۔ جب حمزہ آخری سارے کام نمٹا کر نکلا تو اسے کونے میں بیٹھے دیکھ کر تیزی سے اس کے پاس آیا تھا اور حیرت سے بولا۔
''ارے میں تو سمجھا تم اماں کے ساتھ چلی گئیں۔''
''اماں'' اس کے ذہن کو جھٹکا لگا۔ ''کہاں ہیں امی اور چچی جان۔''
''چلے گئے سب اور تم پلیز پہلے اپنے آنسو صاف کرو۔'' حمزہ نے انگلی سے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔
''میں رو کب رہی ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھے تو ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔'' حمزہ جتانے سے گریز کرتے ہوئے کہنے لگا۔
''شکر کرو میری نظر پڑ گئی تم پر ورنہ میں بھی جا رہا تھا۔ خیر، اب جلدی چلو ورنہ دھکے دے کر نکالے جائیں گے۔''
''تم چپ ہو جاؤ بس.....'' اس نے غصے سے ٹوکا تو حمزہ فوراً ہونٹوں پر انگلی رکھ کر تیز تیز چل پڑا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئی۔ وہ اپنے آپ میں ہرٹ ہو رہی تھی۔ جب گاڑی مین روڈ پر بھاگنے لگی تب سلگتے انداز میں پوچھنے لگی۔
''امی مجھے ساتھ لیے بغیر کیسے چلی گئیں؟''

''کیوں، تم بھول گئیں تائی جان کو بیلا کے ساتھ جانا تھا۔'' حمزہ نے یاد دلایا تو وہ زچ ہو کر بولی۔
''اور چچی جان؟''
''انہیں خزینہ اپنے ساتھ لے گئی۔''
''اور میں مجھے کیوں چھوڑ گئے سب۔'' اس کے اندر پھر لاوا پکنے لگا۔
''کوئی نہیں چھوڑ گیا تمہیں تم خود جان بوجھ کر چھپ کر بیٹھ گئی تھیں تا کہ آخر میں میرے ساتھ جا سکو۔'' وہ روانی میں کہہ گیا۔
شہرینہ کا دل چاہا چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دے۔ کس قدر بے مایہ محسوس کر رہی تھی وہ خود کو اور بے بسی کی انتہا نے قوت گویائی بھی چھین لی تھی۔ بمشکل اس کی طرف سے رخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔
حمزہ بار بار ویو مرر میں اس پر نظر ڈال رہا تھا اور جب گھر کے گیٹ پر گاڑی روکی تب بولا۔
''سنو، بہت پیاری لگ رہی ہو ہمیشہ سے زیادہ۔'' شہرینہ ان سنی کر کے اتر گئی اور اس سے پہلے بھاگ کر اندر جاتے ہی فاخرہ کے گلے لگ کر رونے لگی۔
''یا اللہ خیر کیا ہوا میری بچی......؟'' فاخرہ پریشان ہو گئیں۔
وہ روئے چلی گئی۔
''شہرینہ، شہرینہ بتاؤ بیٹا.....'' فاخرہ نے اسے کندھوں سے تھام کر جھنجوڑا۔ تب ہی دروازے میں حمزہ آ کر کھڑا ہوا۔
''ہیں، یہ ابھی بھی رو رہی ہے؟''
''کیوں رو رہی ہے تم نے کچھ کہا ہے؟'' فاخرہ نے غصے سے حمزہ کو دیکھا تو وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگا۔
''توبہ کریں میری مجال ہے جو میں اسے کچھ کہہ سکوں۔ آپ کی وجہ سے رو رہی ہے آپ جو اسے وہاں چھوڑ کر آ گئیں۔''
''میں......'' فاخرہ بوکھلا گئیں۔ ''میں تو بیٹا تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ پر وہ خزینہ کا میاں تمہیں پتا ہے کیسے جلدی جلدی کی رٹ لگا دیتا ہے۔ تب خزینہ نے کہا آپ چلیں شہرینہ حمزہ کے ساتھ آ جائے گی۔''
''سن لیا تمہاری اپنی غلطی ہے۔ اگر اماں کے ساتھ ساتھ رہتیں تو یہ نوبت نہ آتی۔ اب بند کرو رونا اور جلدی سے کھانا نکالو۔ بہت بھوک لگی ہے۔'' حمزہ نے شہرینہ کو مخاطب کر کے کہا۔
''ہیں......تم نے کھانا نہیں کھایا؟''
''مہمانوں سے فرصت کہاں ملی اور اس نے بھی نہیں کھایا۔ جلدی کھانا لگائیں میں چینج کر کے آتا ہوں۔'' حمزہ کہہ کر وہیں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
''چلو بیٹی تم بھی منہ ہاتھ دھو لو۔ میں کھانا نکالتی ہوں۔'' فاخرہ جانے لگیں لیکن اس نے روک دیا۔
''آپ رہنے دیں چچی جان، میں کر لوں گی۔''
وہ زبردستی انہیں بٹھا کر واش روم میں گھس گئی اور پانچ منٹ میں چینج کر کے کچن میں آئی تو چکرا گئی۔ شادی کا کھانا جو ساتھ آیا تھا وہ حمزہ نے ایسے ہی ادھر ادھر رکھ دیا تھا۔ اس نے دو منٹ رک کر پہلے سارے کا جائزہ لیا پھر ڈشز اٹھا کر ایک ایک چیز نکالنے لگی۔ اشتہا انگیز خوشبو نے خود اس کی بھوک بڑھا دی تھی۔ آخر میں باؤل میں کھیر نکال رہی تھی کہ حمزہ کچن کے دروازے میں آ کر بولا۔
''لاؤ میں لے جاؤں۔''
''وہ ڈشز اٹھا لو۔'' بھوک نے ناراضی بھلا دی تھی۔

برآمدے میں تخت پر دسترخوان لگ گیا تو دونوں آرام سے بیٹھ کر کھانے لگے۔ وقت نے کیسی کروٹ بدلی تھی نومبر کی قدرے خنک رات تھی اور وہ جن کے دل بھی ایک لے پر دھڑ کتے تھے۔ وہ اس فسوں خیز ماحول میں کیسے ایک دوسرے سے انجان بنے ہوئے تھے اور ایک دوسری کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہے تھے۔

کھانا مزے کا ہے جبھی کچھ زیادہ کھا لیا۔ شہرینہ نے کہتے ہوئے کولڈ ڈرنک اٹھالی تو وہ بھی اُس کی تقلید کر کے کہنے لگا۔

''اب آرام سے لمبی تان کر سو جانا۔''

''ابھی کہاں سارا کچن پھیلا پڑا ہے۔ سمیٹ کر ہی سوؤں گی۔'' اس نے کہہ کر کولڈ ڈرنک کا لمبا گھونٹ بھرا۔

''کوئی ضرورت نہیں، صبح دیکھ لینا۔''

''نہیں۔ کھانا خراب ہو جائے گا اور تم فکر مت کرو میں تم سے کسی کام کو نہیں کہوں گی۔'' وہ دسترخوان سمیٹنے لگی۔

''لیکن میرا ایک کام تو تمہیں کرنا پڑے گا۔'' وہ فوراً بولا۔

''کیا......؟''

''چائے، ایمان سے مزا آ جائے گا۔''

''بنا دوں گی۔''

''تھینک یو، میں چھت پر ٹہلنے جا رہا ہوں چائے بن جائے تو پکار لینا۔'' حمزہ کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گیا وہ بلا ارادہ اس کے پیچھے دیکھے گئی پھر سر جھٹک کر کچن کا رخ کیا۔

☆☆☆

شہرینہ نے چائے کا پانی دھیمی آنچ پر رکھا تھا پھر جلدی جلدی سارے کام نمٹا کر اس کے بعد چائے دم کی در دو مگوں میں ڈال کر صحن میں نکل آئی اور حمزہ کو پکارنے کے لیے سر اونچا کیا تو نظریں پورے چاند پر جا ٹھہریں جو بڑی فراخدلی سے ہر سو چاندنی بکھیر رہا تھا۔ اس نے ٹھنڈی فضا میں گہری سانس کھینچی پھر کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر آ گئی۔

حمزہ ٹھنڈی چھت پر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے سیدھا لیٹا دھیمی آواز میں باقاعدہ گا رہا تھا۔

اے رات بتا کیا ان سے کہیں
اپنے بھی ہیں وہ بیگانے بھی

شہرینہ نے محظوظ انداز میں سر ہلایا پھر اس کے سر پہ جا کھڑی ہوئی تو وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔

''ارے، نیچے سے آواز دے لیتیں۔''

''نیچے سے پکارتی تو چچی جان اٹھ جاتیں۔'' وہ اسے چائے کا مگ تھما کر قریب سیمنٹ سے بنے چھوٹے سے چبوترے پر بیٹھ گئی اور چائے کا سپ لے کر بولی۔

''ٹھنڈ ہو رہی ہے۔''

''ہاں لیکن اچھی لگ رہی ہے۔''

''ہم......''

وہ سر پیچھے گرا کر آسمان دیکھنے لگی چاند بہت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔ ست روی کے باوجود وہ اپنا رتمام کر لیتا تھا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی اور حمزہ چائے پینے کے ساتھ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ چاندنی میں نہائی وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چاند کی براہ راست روشنی کے باعث چمک رہی تھیں لیکن حمزہ کو

ڈھونڈے سے بھی ان میں کسی خواب کا عکس نظر نہیں آیا۔ تب چائے کا آخری گھونٹ لے کر وہ مگ ایک طرف رکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں......" وہ بنا چونکے سیدھی ہو بیٹھی لیکن نظریں سامنے دیوار پر ہی رہنے دیں۔

"ایک بات پوچھوں؟" حمزہ نے کہا تب وہ اسے دیکھنے لگی۔

"پوچھو......"

"وہ جو تمہارے لیے پرپوزل آیا ہے تم اس کے لیے منع کیوں کر رہی ہو؟" حمزہ نے پوچھا تو اس نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"بس......"

"کیا بس......" تائی جان بتا رہی تھیں بہت اچھا لڑکا ہے اور ڈیفنس کے عالی شان بنگلے میں اپنی ماں کے ساتھ اکیلا رہتا ہے اور میرا خیال ہے لڑکیاں ایسے ہی رشتے تو چاہتی ہیں۔

حمزہ کی بات سن کر وہ سکون سے گویا ہوئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ لڑکیوں کے آئیڈیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے اس میں کوئی چارم نظر نہیں آتا۔ شاید اس لیے کہ میرا دل خالی ہو چکا ہے۔ کوئی امنگ نہیں کوئی ترنگ نہیں۔ میں دیکھتی سب کچھ ہوں لیکن محسوس کچھ بھی نہیں کرتی۔ تو ایسے میں، میں اس شخص کو کچھ نہیں دے سکتی اور نہ اس سے کچھ لینے کی خواہش کر سکتی ہوں۔ تو میرے اس مردہ وجود کو وہ کتنے دن برداشت کر پائے گا۔ نہیں حمزہ میرا دل نہیں مانتا۔"

حمزہ کے ساتھ بھی تو ایسا ہی معاملہ تھا۔ پھر وہ کیسے اسے فورس کر سکتا تھا۔ جہاں دل نہ ملیں وہاں جسم بھی کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔

"تمہیں امی نے بتایا ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"نہیں، وہ اماں سے بات کر رہی ہیں اتفاق سے میں بھی وہیں بیٹھا تھا۔ بہر حال میں نے محسوس کیا ہے تائی جان اس رشتے سے انکار نہیں کرنا چاہتیں۔"

"وہ انکار کریں نہ کریں میں نے جہانداد کو منع کر دیا ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"جہانداد......؟" حمزہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اسی شخص کا نام ہے اور مجھے یقین ہے میرے منع کرنے کے بعد وہ پھر نہیں آئیں گے ہیں نا؟" اس نے حمزہ سے تصدیق چاہی تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا تائی جان تمہاری طرف سے بہت فکر مند ہیں۔ آخر تم نے سوچا کیا ہے؟"

"سچ بتاؤں حمزہ، میں کچھ نہیں سوچتی۔ بس اپنے دل کی سنسان گلیوں میں جانے کیا ڈھونڈتی رہتی ہوں۔ کہیں سے کوئی آواز کوئی صدا نہیں آتی۔ مجھے خود اپنے قدموں کی چاپ بھی محسوس نہیں ہوتی۔" وہ بولتے ہوئے کھو گئی تھی۔ "اور ایسا تب سے ہے جب تم نے اپنی اور ربیکا کی شادی کا بتا کر اپنی مجبوری بھی بتائی تھی تب اسی لمحے سب اجڑ گیا۔ جانے کیسی آندھی چلی تھی سب کچھ جڑ سے اکھاڑ کر لے گئی۔ میرے دل کی زمین ویران ہو گئی اور یہیں نہیں دل دھڑکنا بھی بھول گیا۔ کبھی کبھی تو میں پاگلوں کی طرح دل پر ہاتھ رکھ کر دھڑکنیں سننے، محسوس کرنے کی کوشش کرتی ہوں کچھ محسوس نہیں ہوتا تب حیران ہوتی ہوں بنا دل کے میں کیسے جی رہی ہوں۔"

حمزہ ساکت بیٹھا ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''اور ایسے جینے میں کسی کا ساتھ کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ نبا ہنا تو دور کی بات ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کبھی اچانک معجزہ ہو جائے اور میرا دل دھڑک دھڑک کر شور مچا دے۔ تو یقین کرو حمزہ، جب بھی ایسا ہوا جس کے لیے بھی میری دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں میں اس کا ہاتھ تھامنے میں دیر نہیں کروں گی۔''

وہ خاموش ہو گئی۔ لمحے چپ چاپ سرکتے چلے گئے۔ چاند نے بادلوں میں منہ چھپایا تب حمزہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔

''چلو بہت رات ہو گئی۔''

☆☆☆

تیمور غزنی نے اپنے بابا کو سارہ کے جانے کی وجہ بتا دی تھی کہ وہ جازی کو بورڈنگ میں ڈالنے کی ضد کر رہی ہے اور ہمیشہ وہ سارہ کی مانتے آئے تھے اور اور ابھی بھی اگر جازی ان کا اپنا خون نہ ہوتا تو وہ اسی کی طرف داری کرتے لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔ جازی ان کا اپنا پوتا اپنا خون تھا وہ اسے خود سے دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لیے تیمور غزنی کو انہوں نے اس معاملے سے الگ رہنے کا کہہ دیا اور خود بھی فوری کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا بلکہ انتظار میں رہے کہ سارہ خود آ کر ان سے بات کرے گی اور کتنے دنوں بعد سارہ تو نہیں آئی اس کے پاپا آ گئے اور جانے سارہ نے انہیں کیا داستان سنائی تھی لیکن انہوں نے کچھ ظاہر نہیں کیا بلکہ الٹا بابا سے پوچھنے لگے۔

''بھائی صاحب کیا معاملہ ہے میرا مطلب ہے سارہ اور تیمور کے درمیان۔ وہ اتنے دنوں سے ناراض بیٹھی ہے۔''

''ناراض مت کہو۔ ضد کہو، ضد میں بیٹھی ہے اور وہ بھی ناجائز، پھر اب تک تو میں ہمیشہ اسی کی مانتا آیا ہوں لیکن اب وہ جس بات پر ضد کر رہی ہے وہ میں نہیں مان سکتا۔'' بابا سہولت سے کہہ کر نفی میں سر ہلانے لگے۔

''کیا کیا کہتی ہے؟''

''جازی کو بورڈنگ میں ڈالنے کا کہہ رہی ہے۔'' بابا کے انداز میں ناگواری سمٹ آئی تھی پھر انہیں دیکھ کر کہنے لگے۔

''دیکھو بھائی۔ یہ بچہ ہمارے گھر کی رونق ہے۔ پھر تم خود سوچو بچہ لینے کی ضد بھی سارہ ہی کی تھی اور اب جب سارا گھر اس سے مانوس ہو گیا ہے تو کہتی ہے میں اسے نہیں سنبھال سکتی۔ نہ سنبھالے کوئی مسئلہ نہیں، میں ہوں...... تمہاری بھابھی ہیں، ہم دیکھیں گے اسے۔ ابھی اتنے بوڑھے نہیں ہوئے ہم۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بھائی صاحب۔ اللہ آپ کو ہمیشہ تندرست و توانا رکھے لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس لے پالک بچے کی وجہ سے گھر خراب ہو رہا ہے۔'' سارہ کے پاپا نے کہا تو بابا یکدم طیش میں آ گئے۔

''لے پالک...... جازی لے پالک نہیں میرا پوتا ہے۔ میرا پوتا میرا خون۔ سارہ کی ضد سے مجبور ہو کر تیمور کو دوسری شادی کرنی پڑی اور پہلا بچہ سارہ کی گود میں لا ڈالا اور اب تک تو یہ بات راز ہی تھی یہاں تک کہ تمہاری بھابھی کو بھی پتا نہیں ہے صرف میں جانتا ہوں اور اب میں چاہوں گا سب جان جائیں تا کہ پھر کسی کی زبان پر لے پالک نہ آنے پائے۔''

سارے کے پاپا شاکڈ تھے جب بابا خاموش ہوئے تب بمشکل بولے تھے۔

''آپ نے بھتیجی پر ظلم کیا۔''

''کوئی ظلم نہیں ہوا اس پر، پوچھو جا کر سارہ سے، کبھی تیمور اس سے غافل ہوا......؟ ابھی بھی وہ اس پر جان چھڑکتا ہے۔ اس کی ہر جائز ناجائز مانتا ہے۔ لیکن یہاں بات صرف تیمور کی نہیں ہم سب کی ہے۔ میں جازی کو ایک پل اپنی نظروں سے دور نہیں کر سکتا۔ بتا دو جا کر سارہ کو جازی میری اولاد ہے۔ بلکہ میرا یہی مشورہ ہے تم

سارہ کو حقیقت بتا کر سمجھاؤ کہ یہی اس کا گھر ہے اور اس گھر میں اس کی حیثیت کبھی کم نہیں ہوگی۔ سمجھ رہے ہو ناں؟

سارہ کے بابا نے ایک نظر انہیں دیکھ کر سر جھکا کر لیا تب بابا ان کے کندھے پر بازو پھیلا کر نرمی سے سمجھانے لگے۔

"دیکھو بھائی میں جانتا ہوں تمہیں افسوس ہوا ہے۔ اور سارہ تو یقیناً واویلا مچائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس گھر سے تعلق توڑنے کی بات کرے تو بھائی اس معاملے میں تم اس کا ساتھ دینے کی غلطی مت کرنا۔ کیونکہ پھر یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم ساری زندگی اسے یونہی بٹھائے رکھو۔ پھر اس کی شادی کی فکر کرو گے۔ لیکن یہ مت بھولنا کہ اس کے ساتھ ٹریجڈی ہو چکی ہے۔ وہ ماں نہیں بن سکتی۔ تو ایسی صورت میں کوئی بچوں والا رنڈوا ہی ملے گا۔ تب اس کے بچوں کو بھی تو پالنا پڑے گا۔ میری باتوں کا برا مت ماننا میں حقیقت بتا رہا ہوں اور اپنی بھتیجی کی بھلائی چاہتا ہوں۔ تم آرام سے پیار سے اسے سمجھاؤ، یہاں اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، نہ ہماری محبتوں میں کمی آئے گی..... سمجھے۔"

سارہ کے پاپا پر سوچ انداز میں آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگے۔

دونوں بھائی لان میں بیٹھے تھے۔ اور اب کہنے سننے کو کچھ نہیں تھا۔ سارہ کے پاپا وہیں سے اٹھ کر چلے گئے تو بابا کو لگا ان کے دل پر اب کوئی بوجھ نہیں رہا۔ ہلکے پھلکے ہو کر وہ جازی کو پکارتے ہوئے اندر آئے تو ماما انہیں دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"کیا کہہ رہے تھے، سارہ کب آئے گی؟"

"آجائے گی۔" بابا نے بے نیازی سے کہتے ہوئے جازی کو اٹھا لیا۔

"ابھی کیوں نہیں آئی؟" ماما سارہ کی طرف سے فکر مند تھیں۔

"تمہارا دل چاہ رہا ہے بہو سے ملنے کو، چلو ملا لاتا ہوں۔ اٹھو، جلدی کرو۔ جازی باہر جانے کو مچل رہا ہے۔" بابا نے عجلت دکھائی تو ماما کچھ نہ سمجھتے ہوئے اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑیں۔

بابا خود گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے اور جب انجانے راستوں پر گاڑی دوڑنے لگی تو ماما مزید الجھ گئیں۔

"یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟" بابا نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے خزینہ کے اپارٹمنٹ کے احاطے میں گاڑی روک دی۔ ماما نے اب کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ سمجھ گئی تھیں جواب نہیں ملے گا۔ بس اندر ہی اندر الجھتے ہوئے ان کے پیچھے اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ پھر بابا نے رک کر ایک بیل کا بٹن پش کر دیا۔

دروازہ نجمہ خالہ نے کھولا تھا اور وہ کیونکہ بابا کو پہچانتی تھیں، اس لیے فوراً ایک طرف ہٹ گئیں۔ بابا نے ماما کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہی اونچی آواز میں پکارا۔

"تیمور......"

"جی بابا۔" تیمور غزنی ٹیرس کی طرف سے تیزی سے بھاگتا ہوا آیا لیکن باباؒ کے ساتھ ماما کو دیکھ کر ایک دم رک گیا۔ یہی حال خزینہ کا تھا، وہ بھی ماما کو دیکھ کر رک گئی تھی۔

"بیٹا۔ تمہاری ماما کا بہت دل چاہ رہا تھا بہو سے ملنے کو۔ میں نے کہا چلو، ملا لاتا ہوں۔" بابا تیمور غزنی سے بات کرتے ہوئے ماما سے مخاطب ہو گئے۔ "ایسے گم صم کیوں کھڑی ہو، ملو بہو سے۔"

ماما حیرت کدے میں تھیں۔ تب تیمور غزنی نے خزینہ کو اشارہ کیا تو وہ ہنی کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھ آئی۔

"السلام علیکم۔ آپ آئیے نا، ادھر بیٹھیں۔"

ماما میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ یک ٹک خزینہ کو دیکھے گئیں۔
''آیئے ناں۔ میں تو کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔'' خزینہ نے ان کا بازو تھام لیا اور چلاتے ہوئے صوفے پر لا بٹھایا پھر ہنی کو ان کے سامنے کر کے بولی۔
''دیکھیں۔ یہ آپ کا پوتا۔''
''میرا پوتا......'' ماما کے ہونٹ ہلے، پھر ایک دم انہوں نے بازو پھیلا دیے تو خزینہ نے ہنی کو ان کی گود میں ڈال دیا۔
بابا تیمور غزنی کو دیکھ کر مسکرائے پھر ہنستے ہوئے ماما کے پاس جا بیٹھے۔
ماما ہنی کو کبھی چومتیں، کبھی سینے سے لگاتیں پھر اچانک جانے کیا خیال آیا، خزینہ کو پاس بلا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔
''خوش رہو۔''

☆☆☆

حمزہ، فاخرہ کو قائل کرنے میں زچ ہو رہا تھا۔ آخر تنگ آ کر کہنے لگا۔
''آپ میری بات نہیں سمجھیں گی۔ چلیں، تائی جان کی پاس چلتے ہیں۔ ان کے سامنے بات کریں گے۔''
''ہاں، وہ تو جیسے خوشی سے مان جائیں گی۔ ساتھ تمہیں شاباشی بھی دیں گی کہ بیٹا تم نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔'' فاخرہ جل کر بولیں۔
''شاباش نہیں دیں گی لیکن منع بھی نہیں کریں گی اور آپ کو ان ہی کی بات سمجھ میں آئے گی۔ چلیں اٹھیں۔'' حمزہ نے زبردستی انہیں اٹھا دیا۔
فاخرہ منہ ہی منہ میں جانے کیا کچھ بولے گئیں۔ حمزہ نے سننے کی کوشش نہیں کی۔ گاڑی کی چابی اٹھائی اور منٹوں میں فاخرہ کو لے کر حمیدہ بیگم کی پاس پہنچ گیا۔
''ہائے چچی جان۔ ابھی میں اور امی آپ ہی کو یاد کر رہی تھیں۔'' شہرینہ خوش ہو کر کہتے ہوئے فاخرہ سے لپٹ گئی۔
''ماشاء اللہ۔ دیکھو تم نے یاد کیا اور میں آ گئی۔'' فاخرہ نے اس کی بلائیں لیں پھر حمیدہ بیگم کے گلے لگ گئیں۔
''ویسے کس خوشی میں یاد کیا جا رہا تھا اماں کو؟'' حمزہ سلام کر کے بیٹھا تو پوچھنے لگا۔
''امی کہہ رہی تھیں ہیلا کے جانے سے چچی جان اکیلی ہوئی ہوں گی۔ پھر امی اور میں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ اگر چچی جان ہمارے پاس آ جائیں تو کتنا اچھا ہو۔'' شہرینہ نے بتایا تو حمزہ یک دم پر جوش ہو کر بولا۔
''لیجیے اماں۔ یہاں تو پہلے سے ہی یہ پروگرام بن رہا ہے۔''
''تم چپ رہو۔'' فاخرہ نے اسے گھر کا تو حمیدہ بیگم بول پڑیں۔
''کیوں ڈانٹ رہی ہو اسے۔ اگر حمزہ بھی یہی چاہ رہا ہے تو......''
''ایک منٹ تائی جان۔ میں آپ کو بتاتا ہوں......'' حمزہ تھوڑا آگے کھسک کر کہنے لگا۔ ''اصل بات یہ ہے کہ میں باہر جانا چاہ رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے کینیڈا۔ اور میرے تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں لیکن اماں نہیں جانے دے رہیں۔ اکیلے پن کی وجہ سے، تو اس پر میں نے کہا کہ آپ تائی جان کے پاس چلی جایئے گا۔ آپ انہیں سمجھائیں تائی جان۔ کچھ پیسے کما لاؤں گا تو گھر کے ہی کام آئیں گے۔''
''بالکل۔ ضرور جانا چاہیے تمہیں۔ زندگی بن جائے گی۔'' حمیدہ بیگم نے اس کی تائید کی پھر فاخرہ سے کہنے

لگیں۔ ''بے وقوفی مت کرو فاخرہ۔ ہمیں اپنی نہیں اولاد کی بہتری سوچنی چاہیے۔ پھر اب اس پر کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔ بیلا ماشاء اللہ اپنے گھر کی ہوگئی، اب اسے اپنی زندگی بنانے دو۔''

''لیکن بھابھی......''

''کوئی لیکن ویکن نہیں۔ یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہی تھی کہ تم یہاں آجاؤ تاکہ نہ تم اکیلی ہو، نہ میں۔''

''میں چائے لاتی ہوں۔'' شہرینہ اٹھ کر چلی گئی تو چند لمحوں بعد حمزہ حمیدہ بیگم کو اشارے سے فاخرہ کو سمجھانے کا کہتے ہوئے شہرینہ کے پیچھے آگیا۔

''چائے کے ساتھ کچھ اور بھی ہے یا کہو تو سموسے وغیرہ لے آؤں۔''

''نہیں۔ کچھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شہرینہ نے چائے کا پانی رکھا پھر چولہا جلاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''یہ تم نے اچانک باہر جانے کا......''

''اچانک نہیں۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ ''بہت دنوں سے کوششوں میں لگا ہوا تھا اور شکر ہے بیلا کی شادی ہونے کے ساتھ میرا کام بھی ہوگیا۔''

''اچھی بات ہے۔ کب تک جانے کا ہے؟'' وہ بسکٹ، نمکو وغیرہ نکالتے ہوئے بول رہی تھی۔

''بس یہی دس پندرہ دن میں، پھر فلائی کر جاؤں گا۔'' حمزہ نے ہاتھ سے فلائی کا اشارہ کیا تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''اور آؤ گے کب؟''

وہ ایک لحظہ سوچ کر بولا۔

''جب کوئی پیار سے بلائے گا۔''

''ہاہاہا......'' شہرینہ نے ہنس کر اس کا تمسخر اڑایا پھر کہنے لگی۔ ''کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ پیار سے بلانا تو دور کی بات، یہاں کوئی تمہیں پیار سے یاد بھی نہیں کرے گا۔''

''جانتا ہوں اور اسی لیے تو جا رہا ہوں۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔'' وہ کہہ کر واپس پلٹ گیا تو شہرینہ خائف سی ہوگئی۔

☆☆☆

ساس سسر کے آنے سے خزینہ کو سسرال کا مان مل گیا تھا اور اس خوشی میں وہ ان کے لیے رات کا کھانا خود بنا رہی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ تیمور اس سے بھی زیادہ خوش تھا۔ اس کے دونوں بچے ساتھ کھیل رہے تھے۔ خزینہ کھانا پکاتے ہوئے بار بار جازی اور ہنی کو دیکھ رہی تھی جبکہ اندر بابا، ماما کو تیمور غزنی کی دوسری شادی کی پوری روداد سنا رہے تھے اور ماما پوتا پا کر خوش تو تھیں لیکن انہیں سارہ کی فکر بھی ستا رہی تھی۔ بار بار کہتیں۔

''سارہ کو پتا چلے گا تو بہت روئے گی۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے بھائی کو سب بتا دیا ہے۔ وہ سارہ کو سمجھا کر ہی لے آئے گا۔ اب دیکھو ناں تیمور کی دوسری شادی کے سب سے زیادہ میں خلاف تھا۔ لیکن اب مجھے یہی ٹھیک لگ رہا ہے۔ اس بہو سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو پوتوں کی خوشی دی ہے، وہ سارہ تو نہیں دے سکتی تھی۔ بہرحال وہ بھی میری اپنی بچی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

ادھر بابا سہولت سے ماما کو ریلیکس کر رہے تھے اور ادھر خزینہ چاول دم پر لگا کر تیمور غزنی اور بچوں کے پاس

آ کھڑی ہوئی۔ وہ جازی کو دیکھتے ہوئے جانے کہاں کھو گئی تھی۔
تیمور غزنی نے پہلے اچٹتی نظر اس پر ڈالی پھر چونک کر پوچھنے لگا۔
"کیا ہوا خزی۔ کیا سوچنے لگیں۔" خزینہ اس کے قریب گھٹنے ٹیک کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔
"غزنی۔ ہمارا فرسٹ بے بی ہوتا تو وہ اب جازی کے برابر ہوتا ناں۔"
تیمور غزنی کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ پھر خزینہ کی طرف دیکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا تھا۔
"یہ بھی تمہارا ہی ہے خزی۔"
"ہاں۔ تمہاری نسبت سے تو میرا بھی ہے۔" شہرینہ کہہ کر جازی سے مخاطب ہو گئی۔
"جازی...... میرے پاس آؤ بیٹا۔"
جازی جو مستقل ہنی کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔ پلٹ کر خزینہ کو دیکھنے لگا تو خزینہ نے بے اختیار اس کی طرف باہیں پھیلا دیں۔
جازی کچھ کشمکش و پیچ میں تیمور غزنی کو دیکھنے لگا۔
"کم آن جازی۔ یہ آپ کی مما ہیں۔ آئی مین یہ بھی آپ کی مما ہیں۔ گلے ملوان سے۔" تیمور غزنی نے جازی کو پچکارتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم اچھل کر خزینہ کے گلے لگ گیا۔
"میرا بچہ۔" خزینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ پھر جازی کو بازوؤں میں بھینچ کر پیار کرتے ہوئے اس کی ماماتا نے یوں جوش مارا کہ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
تیمور غزنی خائف ہو کر وہاں سے اٹھ گیا کیونکہ وہ اس راز سے کبھی پردہ نہیں اٹھا سکتا تھا کہ جازی ہی اس کا فرسٹ بے بی ہے۔
"بہر حال پھر کھانا خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔ ماما کو اب نہ صرف ملال ہو رہا تھا بلکہ انہوں نے اظہار بھی کر دیا کہ وہ یوں ہی خالی ہاتھ چلی آئیں۔ دلہن اور پوتے کے لیے کچھ نہیں لائیں۔"
"آپ آ گئیں اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کچھ نہیں۔" خزینہ نے کہا تو تیمور غزنی فوراً بولا پڑا۔
"کیوں نہیں۔ ماما پھر آئے گا تو بہت کچھ لے آئے گا۔"
"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماما نے تیمور غزنی کو ٹوکا پھر بابا سے بولیں۔
"اب چلیں، پھر کل آئیں گے۔"
"ہاں چلو اور تیمور تم تو ابھی یہیں رہو گے ناں۔" بابا نے چلتے چلتے پوچھا۔
"جی بابا۔ آپ کو کوئی کام ہو تو فون کر دیجیے گا۔"
"اچھی بات ہے۔"
خزینہ نے دروازے سے ہی خدا حافظ کہا لیکن تیمور غزنی انہیں چھوڑنے نیچے تک گیا پھر واپس اوپر آیا تو زینہ اسے نظر نہیں آئی۔ اس نے پہلے کچن میں جھانکا پھر کمرے میں دیکھتے ہوئے لیونگ روم میں آیا تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑی غالباً ماما بابا کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔
تیمور غزنی نے دبے پاؤں آ کر آہستگی سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تو وہ چونک کر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔
"بہت پیاری لگ رہی ہو، ایسے ہی کھڑی رہو۔ میں تمہاری سیلفی لیتا ہوں۔" تیمور غزنی فوراً جیب سے موبائل نکال کر اس کی سیلفی بنانے لگا۔ خزینہ اس وقت بہت خوش تھی۔ مزید موڈ میں آ کر پوز بنانے لگی کہ اچانک

نرم ہوا کے جھونکوں سے اس کے بال اڑنے لگے۔
''ارے......'' اس نے پہلے بال سمیٹنے کی کوشش کی پھر ایک دم چونک گئی۔
''غزنی...... یہ ہوائیں......''
''کیا ہوا؟'' وہ سمجھا نہیں۔
''آپ کو یاد نہیں اس طرف سے تو ہوا کا گزر ہی نہیں ہوتا تھا'' اس نے کہا تو تیمور غزنی فوراً یاد آنے پر کہنے لگا۔
''ہاں، مجھے یاد ہے۔ اس وقت میں نے کہا تھا اگر یہ پرابلم ہے تو میں دوسرا اپارٹمنٹ دیکھ لیتا ہوں۔''
''پھر میں نے کیا کہا تھا؟'' وہ بہت مشتاق ہو رہی تھی۔
''تم نے کہا تھا، نہیں کبھی تو ہوائیں رخ بدلیں گی۔'' وہ اپنا امتحان لیے جانے پر محظوظ ہو رہا تھا۔
''اور سچ مچ ہوائیں رخ بدل گئیں۔'' وہ کھلکھلائی تھی۔ تیمور غزنی نے پھر کیمرہ آن کر دیا۔ وہ اس کا یہ روپ محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔

کہیں پہ اب نہ رات ہو چراغ کو نہ مات ہو
قدم قدم مچل گئیں، ہوائیں رخ بدل گئیں

☆☆☆

شہرینہ بوریت سے اکتا کر جاب کرنے کا سوچتی تھی لیکن پھر اس خیال سے کہ حمیدہ بیگم سارا دن اکیلی کیسے رہیں گی۔ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنا پا رہی تھی لیکن اب یہ مسئلہ حل ہو گیا تھا کہ حمزہ کینیڈا جاتے ہوئے فاخرہ کو حمیدہ بیگم کے پاس چھوڑ دے گا۔ یوں اس طرف سے مطمئن ہو کر اس نے دو تین جگہ جاب کے لیے اپلائی کر دیا تھا اور اتفاق سے انٹرویو کال اس دن آ گئی جب رات میں حمزہ کی فلائٹ تھی۔ پھر بھی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔
حمیدہ بیگم نے منع بھی کیا کیونکہ دوپہر میں حمزہ فاخرہ کو لے کر آنے والا تھا اور ادھر سے خزینہ نے بھی آنے کو کہا تھا۔ یعنی یہ آدھا دن حمزہ سب کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ اس کے باوجود وہ جانے کو تیار تھی اور اس نے حمیدہ بیگم کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جائے گی۔
بہرحال خود اسے بھی احساس تھا۔ اس لیے وہ وین کے انتظار میں نہیں رکی اور آٹو کر کے آدھے گھنٹے میں مطلوبہ آفس پہنچ گئی تھی۔ وہاں دو تین امیدوار پہلے سے موجود تھے اور مزید آ بھی رہے تھے اور وہ کیونکہ چوتھے نمبر پر آئی تھی تو اسی نمبر پر اندر سے اس کی کال بھی آ گئی۔ انٹرویو دینے کا یہ اس کا پہلا تجربہ نہیں تھا' جب ہی خاصی کانفیڈنٹ تھی اور جب باہر نکلی تو اسے امید تھی کہ وہ جلدی تقرری کے لیے ساتھ بلائی جائے گی۔ یہ اس کی خوش فہمی نہیں بلکہ دل کی گواہی تھی۔ بہرحال اس معروف جگہ پر اسے آٹو کے لیے کھڑے رہنا ٹھیک نہیں لگا۔ جب ہی تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف چل پڑی اور ابھی اسٹاپ سے چند قدم کے فاصلے پر تھی کہ ایک گاڑی اس کے بالکل قریب نہ صرف رکی بلکہ دروازہ کھول کر گویا اس کا راستہ بھی روک لیا گیا۔
''نان سینس......'' اس نے انتہائی ناگواری سے گاڑی کے اندر دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ربیکا تھی۔
''آؤ، میں ڈراپ کر دوں گی۔'' ربیکا نے کہا تو وہ سہولت سے بولی۔
''نو تھینک یو۔ میں چلی جاؤں گی۔''
''آ جاؤ۔ کچھ باتیں کریں گے۔'' ربیکا کے دوستانہ انداز پر وہ ٹھٹکی ضرور لیکن پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گئی۔
''کیسی ہو؟'' ربیکا نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا تو اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''کہیں بیٹھنا چاہو گی۔ آئی مین کسی کافی شاپ میں؟'' ربیکا جانے کیا باتیں کرنا چاہ رہی تھی، اسے تجسس کے باوجود منع کرنا پڑا۔

''نو......سوری ربیکا۔ اصل میں مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے پھر کبھی۔''

''پھر کبھی تو شاید میں تمہیں نظر بھی نہیں آؤں گی کیونکہ میں امریکا جا رہی ہوں۔'' ربیکا نے کہا تو وہ قصداً خاموش رہی۔ پھر راستے پر نظر ڈال کر کہنے لگی۔

''میرا خیال ہے، تم مجھے یہیں اتار دو۔ یہاں سے مجھے آرام سے کنوینس مل جائے گی۔''

''ایز یو لائک۔'' ربیکا نے سائڈ میں گاڑی روک دی اور جب وہ اترنے لگی تو پکار کر بولی۔

''سنو شہرینہ۔ حمزہ سے کہنا میں امریکا جا رہی ہوں اور وہاں میں بھرپور زندگی گزاروں گی لیکن اسے کھونے کا ملال شاید میرے دل سے کبھی نہیں جائے گا۔'' آخر میں اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ پھیلی تھی اور شاید آنکھوں میں نمی بھی اتری تھی، جسے چھپانے کو ہی اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

''اوکے، اللہ حافظ۔ اینڈ گڈ لک۔'' شہرینہ کہہ کر جلدی سے اترتے ہی بھاگ کر آٹو میں بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس لڑکی پر رحم کھائے یا اسے گالیاں دے۔ وہ اسی میں الجھ رہی تھی کہ اس کی سماعتوں پر دھیرے سے دستک ہوئی تھی۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکوں گا لیکن یہ طے ہے کہ ہر موڑ پر دل میں کچھ کھو دینے کی ٹیس ضرور اٹھے گی۔''

اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

''تو یہاں ہر شخص دل میں کسک لیے پھرتا ہے۔ کیوں......ایسا کیوں ہوتا ہے۔ رواں ندی میں بہتی ناؤ کو اچانک بھنور کیوں کسی اور سمت موڑ دیتا ہے۔ شاید یہ مقدر کے کھیل ہیں۔''

گھر آ کر بھی اس کا ذہن ان ہی سوچوں میں الجھا رہا۔ حمیدہ بیگم کو شاید یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی آ جائے گی۔ جب ہی کچن میں کھانے کے انتظام میں لگی ہوئی تھیں۔

''اف! امی۔ آپ سے کس نے کہا یہ سب کرنے کو، ہٹیں یہاں سے۔ میں بنا لوں گی سب۔''

''بیٹا۔ مہمان بھی تو آ رہے ہیں۔''

''ہاں ہاں، میں کر لوں گی سب۔ چلیں آپ اندر جائیں۔'' اس نے زبردستی انہیں وہاں سے ہٹایا تو وہ جاتے جاتے بولیں۔

''پیلا بھی اپنے میاں کے ساتھ آئے گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' اس نے سلیب پر رکھے سارے سامان کا جائزہ لیا۔ پھر جیسے جو سمجھ میں آیا بنا لیا کیونکہ ذہن الجھا ہوا تھا۔ بہر حال سب کے آنے تک وہ کچن سے فارغ ہو چکی تھی۔ گو کہ گھر میں اچھی خاصی رونق ہو گئی تھی پھر بھی جانے کیوں اسے لگ رہا تھا، جیسے زندگی کہیں دور جا چھپی ہو۔ وہ چونک چونک کر ایک ایک کو دیکھتی، سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے اور حمزہ جانے کیوں وہ خاموش تھا اور کچھ دل برداشتہ بھی لگ رہا تھا۔

''کیا حمزہ کے اندر بھی ملال ہے۔'' وہ سوچنے لگی۔

''جیسے ربیکا......'' جیسے جہانداد......'' اور میں......میرے اندر کچھ کیوں نہیں ہے۔ نہ کھونے کا ملال، نہ پانے کی آرزو۔ دل ویراں میں کوئی صدا کیوں نہیں گونجتی۔ ایسی بے رنگ زندگی سے تو مر جانا اچھا ہے۔'' مایوسیوں میں گھری وہ سوچے جا رہی تھی۔

پھر یہ چند گھنٹے جیسے منٹوں میں گزر گئے۔ حمزہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سب اس کے ساتھ ایئرپورٹ جانا

چاہتے تھے لیکن حمزہ نے منع کر دیا۔
"کوئی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ کی تکلیف۔ میں تو فوراً اندر چلا جاؤں گا۔ آپ لوگ کیا ایئرپورٹ کو ہاتھ لگانے جائیں گے۔ بیٹھیں سب آرام سے۔ میں نے آن لائن ٹیکسی کال کر دی ہے۔"
سب احتجاج کرنے لگے لیکن وہ نروٹھا بنا رہا اور ایسے ہی سب سے مل کر آخر میں ٹیکسی آنے تک فاخرہ کو سینے سے لگائے کھڑا رہا۔ خاموشی کی زبان میں جانے کتنی باتیں ہوئیں۔
شہرینہ ایک طرف کھڑی چپ چاپ دیکھے جا رہی تھی۔ پھر ٹیکسی آنے پر وہ فاخرہ سے الگ ہوا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر سب کو اللہ حافظ کہتے ہوئے جاتے جاتے اچانک پلٹ کر اس نے بس ایک نظر شہرینہ کو دیکھا تھا۔ اس ایک نظر میں کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہیں تھا لیکن کچھ ایسا تھا کہ شہرینہ کے دل نے دھڑک کر پکارا تھا۔
"حمزہ......"
حمزہ جا چکا تھا اور ادھر اس کے دل نے دھڑک دھڑک کر شور مچا دیا تھا تو بھاگ کر کمرے میں آئی اور اپنا موبائل لے کر واش روم میں بند ہو گئی۔ اسے اب اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔
ادھر حمزہ کی ٹیکسی فراٹے بھرتی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے فاصلہ کم ہو رہا تھا اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔
"زندگی تو یہاں ہے...... میں کہاں جا رہا ہوں...... ان فضاؤں میں اس کے سانسوں کی مہک سے مجھے آکسیجن ملتی ہے۔ وہاں کیا کروں گا۔ کیسے سانس لے پاؤں گا۔" وہ آزردگی میں گھرا سوچے جا رہا تھا۔
"کیا تھا جو دل رکھنے کو ہی کہہ دیتی، مت جاؤ حمزہ...... لیکن اسے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں بے وفائی کر کے بھی اسی کا رہا اور وہ......" ٹیکسی رکنے سے اس کی سوچیں بھی تھم گئیں۔
ڈرائیور نے اتر کر ڈگی سے اس کا سوٹ کیس نکال دیا۔ اس نے کرایہ ادا کیا پھر سوٹ کیس اٹھا کر انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی طرف چند قدم چلا تھا کہ اس کے موبائل پر میسج ٹون بجنے لگی۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر آن کیا۔ شہرینہ کا میسج تھا۔
"میری دھڑکنوں نے شور مچا دیا ہے حمزہ...... تمہیں پکار رہی ہیں...... مت جاؤ...... لوٹ آؤ...... بخدا پیار سے بلا رہی ہوں۔"
ایک بار...... دو بار...... بار بار پڑھنے کے باوجود غیر یقینی سی غیر یقینی تھی۔ اچانک اسے جھٹکا لگا تھا۔ کوئی شخص تیزی سے چلتے ہوئے اس سے ٹکرایا تھا اور سوری کرنے کے لیے رکا تو حمزہ نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنا موبائل اس کے سامنے کر کے بولا۔
"پلیز۔ ذرا یہ پڑھ کے بتا دیں۔ کیا لکھا ہے۔" اس شخص نے حیرت سے اسے سرتاپا دیکھا پھر پڑھنے لگا۔
"میری دھڑکنوں نے شور مچا دیا ہے حمزہ۔ تمہیں پکار رہی ہیں۔ مت جاؤ...... لوٹ آؤ...... بخدا پیار سے بلا رہی ہوں۔"
"یہی...... یہی لکھا ہے ناں۔" حمزہ نے بے تابی سے تصدیق چاہی۔
"جی۔" وہ شخص موبائل اسے تھما کر آگے بڑھ گیا تو خوشی سے بے قابو ہو کر حمزہ اونچی آواز میں چلایا۔
"نہیں جاؤں گا...... نہیں جاؤں گا......"
ادھر اُدھر سے سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر سب نے دیکھا وہ یونہی چلاتا ہوا دیوانہ وار واپسی کے راستے پر بھاگ رہا تھا۔

☆☆

طیبہ چوہدری



"نازیہ......"

اس نے کچھ اس قدر کڑک آواز میں پکارا تھا کہ وہ جو کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس کی باتیں سنتے سنتے پک کر سو گئی تھی، بری طرح سے چونک کر اٹھی۔

"ہاں---- کیا ہوا؟" اِدھر اُدھر دیکھنے کے درمیان وہ ہڑبڑا کر بولی۔ آرزو کو غصہ چڑھ گیا۔ اپنے اتنے سمے سے بھونکتے رہنے پر......

"میں بے وقوف ہوں۔ جو پیچھے ایک گھنٹے سے بول رہی ہوں؟" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے دبی دبی آواز میں چلائی۔

"پوچھ رہی ہو یا بتا رہی ہو؟" اُٹھتے ساتھ ہی اس کا حس مزاح بھی جاگ چکا تھا۔ جمائی لیتی ہوئی وہ کرسی سے اُٹھ کر بیڈ کی جانب بڑھ گئی تھی۔ "مجھے تو نیند آ رہی ہے، تم بھی یہ ہارون نامہ بند کرو اور سو جاؤ۔" بیڈ پر گر کر اس نے چادر سر تک تان لی۔

آرزو اسے گھورتی رہ گئی اور وہ اطمینان سے آنکھیں موند کر مسکرائی اور اپنی پیاری نیند کی وادیوں میں اُتر گئی۔

آرزو فلور کشن اُچھال کر مطالعہ کی میز کی جانب بڑھی۔ میز کی دراز کھول کر ڈائری نکالتے ہوئے اس نے بہت محبت سے مخملی جلد پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"اور میں آرزو رحیم...... جیسے قصے کہانیاں بہت پسند ہیں۔ جیسے ہیر رانجھا، سسی پنوں کی وہ ملاقاتیں جو سماج سے چھپ چھپ کر کی گئی تھیں، اُن ملاقاتوں میں خاص دلچسپی ہے۔ اس وقت ایسی ہی

ایک محبت کی طلب گار ہوں۔"
قلم ایک پل کے لیے روک کر اس نے ایک نظر اپنی لکھی تحریر پر ڈالی اور دوسری میز کے کونے پر پڑی کتاب پر...... جس کا رنگ گہرا براؤن تھا، اور اس کتاب کی حالت بتا رہی تھی کہ یہ کافی پرانی کتاب ہے۔
ہاں یہ کتاب واقعی ہی پرانی تھی۔
آرزو نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے کتاب کی جلد کو چھوا تھا اور پھر سے اپنی ڈائری پر نگاہ ٹکا کر لکھنا شروع کیا۔
"میں تاریخ کے سنہرے پنوں پر اُترنے والی ایک مشہور و معروف کہانی بننا چاہتی ہوں۔ ایک منفرد کہانی...... جسے لوگ ہمیشہ یاد رکھیں۔"
یہ لکھتے ہوئے اس کے چہرے پر کئی ان دیکھی خوشی کے رنگ بکھرے تھے۔ اور ان خوشی کے رنگوں میں ڈوبی ہوئی آرزو کو گمان تک نہ تھا کہ ایک دن وہ ایسی ہی محبت سے اجتناب کرے گی۔

☆☆☆

"آرزو! پلیز ایک مرتبہ تو مجھے مل لو...... مجھ پہ یقین رکھو۔" ہارون التجا کر رہا تھا اِدھر کہیں آرزو کے من میں بھی لڈو پھوٹ رہے تھے۔ وہ بھی تو اسے جی بھر کے دیکھنا چاہتی تھی۔ خواہ تصویر میں جتنا بھی دیکھتی جی کہاں بھرتا تھا۔
وہ پچھلے دو سالوں سے اس کی دیوانی ہوئی پھر رہی تھی۔ اگر وہ میسج میں "بزی" لکھتا تو وہ اگلے دو دن تک اس کے "فری" ہونے کا انتظار کرتی...... اگر وہ "بیٹ" لکھتا تو وہ رات دو بجے تک اس کی کال کے انتظار میں رہتی...... اور تب تک موبائل پر اس کی تصویریں دیکھتی رہتی...... یہ محبت دن بہ دن آگ پکڑ رہی تھی۔
"کیا تم نہیں چاہتیں کہ ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کر بات کریں؟" وہ اس سے استفسار کر رہا تھا۔
"میں نہیں آ سکتی ہارون! مجھے عام سی محبت پسند نہیں......" اس نے کہا تو ہارون نے مبہم سی مسکراہٹ لیے فون کو آنکھوں کے سامنے کیا۔
"یار اصل میں...... محبت عام ہوتی ہی نہیں لوگ عام ہوتے ہیں۔" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔
"تو...... تم عام ہو یا خاص؟" اس نے استفسار کیا تو وہ ہنسا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے؟"
"خاص......" اس نے ہونٹوں پر پیاری سی مسکراہٹ لیے کہا: رکال کاٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

"آرزو! اِدھر آؤ۔"
وہ گنگناتی ہوئی سیڑھیاں اُتر رہی تھی جب امی حضور نے کچن کے دروازے سے منہ نکال کر اسے ہانک لگائی۔
"جی ماما؟"
"یہ کالی مرچ والا کدو اپنے ابو کو دے آؤ۔ اور جاؤ خود بھی بیٹھ کر کھانا کھا لو۔" انہوں نے ڈونگا اس کے ہاتھ میں تھمایا۔
وہ سر اثبات میں ہلا کر چل دی۔
ٹی وی لاؤنج میں رکھی کھانے کی میز پر والد اور بھائی کھانا کھا رہے تھے اور ٹی وی پر خبریں لگی ہوئی تھیں۔
"فیس بک سے شروع ہوئی محبت کا اختتام خودکشی پر ہوا۔" اینکر اپنے مخصوص انداز میں رپورٹنگ کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ نوالہ بناتے رُکے، نظریں اٹھا کر ٹی وی کی جانب دیکھا۔
"جی ہاں، یہ واقعہ ہے گجرات کا۔ لڑکا اور لڑکی نے ایک ہی درخت پر لٹک کر اپنی جان دے دی۔ ان کے رشتے داروں کا کہنا ہے کہ دونوں کے بڑھتے تعلقات روکنے کے لیے گھر والوں نے پابندی لگائی تو انہوں نے انتہائی قدم اُٹھایا۔"
اس سے پہلے کہ اینکر مزید کچھ کہتی والد

صاحب نے ریموٹ اُٹھا کر ٹی وی بند کر دیا۔

"پتا نہیں کیا، ہوگیا ہے آج کل کی جنریشن کو...... ہمارے دور میں اس عمر میں ہم گلی میں مٹی کے ساتھ کھیلتے تھے۔" والد صاحب نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے ماضی کو یاد کیا۔ وہ دونوں بہن بھائی ہنس دیے۔

☆☆☆

"کیا کہوں ماما سے؟" صحن کے چکر کاٹتے ہوئے وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ آج بہت دنوں بعد پھر سے ہارون نے ملنے کی التجا کی تو وہ کچھ سوچتے ہوئے مان گئی تھی۔ اور اب صحن کے چکر کاٹتے ہوئے ماما کے سامنے کرنے کے لیے کوئی مناسب بہانہ سوچ رہی تھی۔ بے اختیار ہی اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ ماما کے پاس آئی۔

"ماما! میری فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔ ہم سب نے کالج سے سیدھا اس کے گھر جانا ہے۔"

"اپنا فون ساتھ لے جانا ٹھیک ہے؟ مجھے فکر رہے گی۔" ماما نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور واپس پلٹ گئیں۔

وہ مسکرا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ کمرے میں پہنچ کر کمپیوٹر پر فلم لگائی اور آواز قدرِ بلند رکھی تا کہ وہ ہارون سے بات کر سکے۔

"ہارون! آپ کل بارہ تیس پہ میرے کالج کے گیٹ کے سامنے ہوں۔" اس نے حکمیہ انداز میں کہا سامنے سے اس نے بھی خوشی سے بھرپور قہقہہ لگا کر تعمیل کی۔

"جی میڈم...... جو حکم......"

اگلے دن تک بہت احتیاط برتتے ہوئے اس نے اپنی خوشی کو چھپایا تھا۔ دل بار بار دھڑک رہا تھا۔ زور زور سے۔

نیلی جینز پہ گرے گھٹنوں سے نیچے آتی نفیس اور ہلکے پھلکے کام والی شرٹ زیب تن کی اور بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں قید کر لیا۔ میک اپ سے پاک گندمی چہرہ چمک رہا تھا۔ یہ وہ خوشی تھی جو اپنے محبوب کو دیکھنے کی ہوتی ہے۔ ایک ڈر بھی تھا جو کہ اس کے دل کے ایک کونے میں ڈنک مار رہا تھا۔

"کیا میں یہ ٹھیک کر رہی ہوں۔؟" لیکن دل کے اس سوال کو اس نے جلد ہی دوسرے سوالوں سے بدل لیا۔

اور اپنے ابا حضور کے ساتھ کالج پہنچ گئی۔

سارا دن اس نے انتظار کی سولی پہ گزارا۔ دوپہر میں کالج کو چھٹی ہوئی تو اس نے بیگ میں سے فون نکال کر ہارون کو میسج کیا۔

"کہاں ہو......؟"

"کالج کے باہر......"

اس کا جواب پڑھتے ہی آرزو کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے، دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مگر وہ خود پہ قابو پاتی، پیشانی پر آئی پسینے کی بوندیں صاف کرتی کالج کے گیٹ تک آئی۔ وہاں جا کر اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ ہارون کون سی گاڑی میں ہے۔ وہ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگی۔ ہارون گاڑی میں سے باہر نکلا اور ہاتھ ہلا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ دھڑکتے دل کو سنبھالے وہ شانے پر لٹکے بیگ کی اسٹرپ پر ہاتھ مضبوطی سے جمائے اس کی جانب بڑھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا اور لمبے لمبے سانس بھرنے لگی۔ نجانے کیوں دل بری طرح سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ چند پل گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ اس نے آنکھیں کھول کر پہلی بار تفصیل سے ہارون کو دیکھا۔ سفید کرتا پاجامہ زیب تن کیے، چند بال پیشانی پہ بکھرے ہوئے اور باقی سمیٹ کر پف اسٹائل بنائے ہوئے وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔ سفید چہرے پر اللہ نے بہت خوب صورت نقش نین گھڑے تھے۔ مسکراہٹ ہونٹوں میں چھپا کر وہ سر جھکا گئی۔

"کیا بات ہے؟ اکیلے اکیلے مسکرا رہے ہو سرکار......؟" مدھم میوزک کے ساتھ ساتھ اسٹیئرنگ پہ انگلیاں رقص کر رہی تھیں۔

''میں سوچ رہی تھی کہ.....'' گلا صاف کرتے ہوئے وہ اس کی جانب گھوم کر بیٹھ گئی۔
''کیا.....؟'' ہمیشہ کی طرح اس کا استفسار۔
''مجھ سے شادی کب کرو گے؟'' اس نے پہلی ملاقات میں ہی دوسری بات شادی کی کر لی۔
''وہ بھی کر لوں گا۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ پہلے ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان تو لیں۔'' چہک کر جواب دیا گیا۔
''مگر کب؟''
''ابھی تم اپنا سیکنڈ ایئر مکمل تو کر لو۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔
''ٹھیک ہے۔'' وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی۔
''بہت خوب صورت لگ رہی ہو ویسے.....''
''اچھا جی..... جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی؟'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ مقصد تھا کہ وہ اس کی مزید تعریف کرے۔ سچے دل سے کرے، خلوص سے کرے اور کرتا ہی رہے۔
''نہیں تو..... سچی..... اگر تم خوب صورت نہ ہوتیں تو بھلا میرا دل تمہاری جانب مائل ہوتا؟'' گاڑی کو بریک لگاتے ہوئے وہ اس کی جانب پوری توجہ دے چکا تھا۔
''یعنی تم مائل ہوئے ہوئے۔؟ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہوئی؟'' اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔
''ارے مذاق کر رہا تھا یار.....'' اس کی ناراضی بھانپ کر وہ صفائی دینے لگا۔ ''آرزو! مجھے پہلے تمہاری آواز سے محبت ہوئی تھی، پھر تمہاری سیرت سے اور پھر ہوئی صورت سے.....''
''یاد ہے مجھے..... مہک کے فون پر کال کی تھی میں نے اور جناب نے اُٹھائی تھی۔'' اس نے یاد کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔
''ہاں..... اور ''جی کون'' نے ہی میری جان ہی نکال دی تھی۔ پتا ہے۔'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ دل اس دن ہی تمہارے لیے دھڑکنے لگا تھا اور ہمیشہ تمہارے لیے دھڑکے گا۔''

اُس کے لہجے میں سچائی تھی۔ اس کی گہری نظروں کی تپش محسوس کرتے ہوئے اس نے جلدی سے بات بنائی۔
''تمہیں معلوم ہے کہ سسی پنوں، ہیر رانجھا بھی ایسے ہی ہماری طرح چوری چھپے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔''
''ہاں..... جانتا ہوں۔ مگر وہ لوگ تو ٹیلوں پہ ملتے تھے ناں.....''
ہارون نے اب کے جس جگہ گاڑی روکی تھیں۔ وہ شہر کے مین روڈ سے کافی پیچھے کی جگہ تھی۔ چاراطراف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ اور درمیان میں پکی سڑک تھی۔
''اور جہاں آج تم مجھے ملنے آئے ہو یہ بھی تو صحرائی علاقہ ہے۔ دیکھو کتنی گرمی ہے یہاں.....''
''اور کہیں میں ان صحراؤں میں.....'' وہ جذبات سے مغلوب آواز میں بولا۔ آرزو کو یک دم ماحول میں خالی پن کا احساس ہوا..... سنسان جگہ پر، ایک کار کے اندر، وہ دونوں اکیلے تھے۔ خفت مٹانے کو اس نے بات جاری رکھی۔
''اور تمہیں معلوم ہے پنوں نے سسی کو چھوڑ دیا تھا۔ کسی اور سے شادی کر لی تھی۔ حالانکہ محبت تو اس نے بھی بہت کی تھی سسی سے.....'' اس نے سسی کا دُکھ محسوس کرتے ہوئے بوجھل آواز میں کہا۔
''پھر سسی کو بھی مجبوری میں کسی اور سے شادی کرنی پڑی۔''
''یہ ساری باتیں بکواس ہوتی ہیں آرزو..... تم ان کہانیوں پہ یقین مت کیا کرو۔'' وہ اکتاہٹ سے بولا کیونکہ اس کے دل کے جذبات اس سے کسی اور بات کا مطالبہ کر رہے تھے۔
''اس کے باوجود وہ ساری زندگی پنوں کی ہی رہی..... اس کا جسم نہ سہی..... لیکن روح تو پنوں کی ہی رہی.....'' وہ زخمی سی مسکراہٹ لیے یوں بتا رہی تھی جیسے وہ ہی تو اصل میں ''سسی'' ہے، جو ایک بار پھر سے زندہ ہو کر اپنی بیتی کہانی سنا رہی ہو۔

ہارون خاموشی سے اسے اچنبھے سے تکتا گیا۔

''تمہیں پتا ہے ہارون...... سسی نے پنوں سے عشق کیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ مخلص رہی...... اس نے بہت کوشش کی تھی عشق کو بھلانے کی...... بہت کوشش کی تھی اس نے کہ وہ بھول جائے پنوں کو...... مگر عشق...... ہائے......'' ایک آنسو آرزو کی آنکھ سے ٹپکا۔ اس نے نظر اٹھا کر ہارون کو دیکھا۔

''مگر عشق نہیں بھلایا جاسکتا...... جب سسی کے دل میں پنوں کی محبت کی آگ نے تباہی مچادی تو صحراؤں میں بھٹک گئی اور پھر اس کی قبر بھی وہاں ہی بن گئی۔ وہ اپنے پنوں خان کے پاس پہنچ ہی نہیں سکی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں تھا۔ وہ جا پہنچتی مگر وجہ خان کی بیوی بچے اور خان کی زندگی...... جو کہ خوشیوں سے بھری تھی۔ وہ اس کی زندگی میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' آواز اب پوری طرح آنسوؤں میں ڈوب چکی تھی۔ ''یا پھر اسے اپنے ان گناہوں کی سزا ملی جو اس نے عشق میں کیے......''

بولتے بولتے وہ بری طرح سے چونکی تھی۔

ہارون نے آنکھیں سکوڑے سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے ناسمجھی سے شانے اچکائے۔ اور آرزو کا ہاتھ وہ اپنے ہونٹوں تک لے جانے لگا۔ آرزو نے ہلکے سے وہ ہاتھ چھڑوالیا۔

''ہارون...... میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ یہ سب مشہور عاشق ملے کیوں نا...... شاید اس لیے کہ محبت جتنی مرضی سچی ہو، اس میں جھوٹ کی کھوٹ نہیں شامل ہونی چاہیے۔ اس میں چوری کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔ شاید یہ جھوٹ اور چوری ہی سچی محبت کو بھی کھا جاتی ہے۔ اب مجھے تم اکیڈمی چھوڑ دو۔'' آرزو نے بہت جلد ہی ان ہی کہانیوں سے اپنے لیے مثبت راستہ نکال لیا تھا۔

ہارون اسے بے یقین نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''یہ کیا بات ہوئی...... میں اتنی دور سے تمہارے لیے آیا ہوں۔'' خفگی سے گویا ہوا۔ وہ جو چاہتا تھا وہ ابھی ادھورا تھا۔

''میں سسی یا ہیر نہیں بننا چاہتی ہارون! مجھے کسی کہانی کا حصہ نہیں بننا۔ مجھے تمہاری زندگی کا حصہ بننا ہے، اپنی خود کی کہانی لکھنی ہے۔'' وہ اس کے اس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو اب نرمی سے اسٹیرنگ پہ جمے تھے۔

''میں تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں، باتیں کرنا چاہتا ہوں، تمہیں سامنے بٹھا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم کچھ پل نہیں دے سکتیں؟''

وہ سنجیدہ ہوچکا تھا۔

''مگر ہارون! میں تمہارے ساتھ پوری زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ کچھ پل نہیں...... میں اپنی اس ایک غلطی کی بدولت پوری زندگی نہیں پچھتانا چاہتی...... مجھے تم سے عشق ہے ہارون......! سچی محبت ہے۔'' وہ اظہارِ محبت کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھرا سچ کہہ رہی تھی۔

''لیکن میں اپنے والدین کو بھی دھوکا نہیں دے سکتی...... کیونکہ عشق تو مجھے ان سے بھی ہے، اور مجھے تمہارے ساتھ کسی نے دیکھ لیا تو ان کی عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔'' وہ تیز لہجے میں کہہ رہی تھی اور وہ اسے یک ٹک تکے جارہا تھا۔

''مجھے اندازہ ہوچکا ہے حقیقت میں یوں ملنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، یہ کہانیوں میں ہی اچھا لگتا ہے۔ اور آرزو کسی کہانی کا حصہ نہیں بننا چاہتی...... مجھے اکیڈمی چھوڑ دو۔'' وہ سر جھکائے کہہ گئی۔

ہارون کچھ دیر اسے تکتا رہا اور پھر مسکرا کر سامنے دیکھنے لگا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے روڈ پر ڈال دی۔ آرزو کی سانس میں سانس آئی۔

''سنو......!'' وہ گاڑی سے اُتر کر اکیڈمی کے گیٹ کی جانب بڑھی تو اس نے روکا۔ وہ پلٹی۔

''امی کو رشتے کے لیے کس دن بھیجوں؟'' اس کے استفسار پر آرزو کے چہرے پر چھائی اداسی خوشی میں بدل گئی۔

''جب تم چاہو۔'' وہ مسکرا کر کہتی پلٹ گئی۔

☆☆

صدف آصف

جھانسی کی رانی

بڑے اچھے موڈ میں گنگناتے ہوئے اس نے اپنی حسین آنکھوں پر لائنر لگانے کے بعد دراز میں تانکا جھانکی کی۔ ہونٹ دبائے اور جھانک کر دیکھا، آخر انگلیوں کی مدد سے کونے میں دبی گلابی رنگ کی لپ اسٹک ڈھونڈ ہی نکالی۔ یہ شاہ زمان کا پسندیدہ رنگ تھا، اسی لیے مسکرا کر بڑی احتیاط سے ڈھکن کھولا تو دل بیٹھ سا گیا، گھس گھس کر اب لپ اسٹک اس قابل بھی نہ رہی تھی کہ آسانی سے اوپر آ پاتی۔ نازک شاہ نے ادھر ادھر دیکھا، آخر انگلی سے نکال نکال کر ہونٹوں کو گلابی رنگ دے دیا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھا، ٹشو سے پھیلی ہوئی سرخی ٹھیک کرنے کے بعد مطمئن انداز میں کھڑی ہوگئی۔

”کتنے دنوں سے نئی لپ اسٹک لینے کا سوچ رہی ہوں مگر شاہ کو تو میری ہر خواہش فضول خرچی لگتی ہے۔“ سرد آہ بھرتے ہوئے گھنے بالوں کا جوڑا بنایا اور گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔



”اف۔ شاہ کسی وقت بھی پہنچ جائیں گے۔“

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ زوردار آواز میں ڈور بیل بجی۔ نازک شاہ نے پرپل شیفون کا دوپٹا شانوں پر پھیلایا اور تلے والے کھسے پیروں میں اڑستے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔

”او...... ماں دیکھو تو کیسی پھرتی آئی ہوئی ہے۔“ صباحت نے اسے دروازے کی طرف بے قراری سے جاتے دیکھا تو بڑبڑائیں اور پاندان اپنی جانب گھسیٹا۔

اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے اپنے سراپے کا جائزہ لیا اور بالوں کو ہاتھ سے ایک بار پھر سنوارا یہ جانے بغیر کے نند کی نگاہیں اس پر ہی جمی ہوئی ہیں۔

”نگوڑی شوہر کو قبضے میں کرنے کے لیے جان توڑ کوشش کر رہی ہے مگر ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔“ وہ مارے حسد و کڑھن کے ہاتھ میں تھامے سروتے سے چھالیہ کو مزید مہین کرتی چلی گئیں۔ کڑھتے ہوئے پان پر کتھا چونا لگایا اور جھانک کر دروازے کی طرف دوبارہ دیکھا۔

”ہم نے منے کو کتنا منع کیا تھا کہ پڑھی لکھی لڑکی سے شادی نہ کرے مگر وہ تو اس کی اداؤں پر ایسا ریجھا کہ ہماری ایک نہ سنی۔“

ان کے اندر کی تشنہ روح کو کبھی بھی بھائی، بھاوج کا ہنستا مسکراتا چہرہ بھاتا نہیں تھا، ہمیشہ کمر کس کر رنگ میں بھنگ ڈالنے کو تیار رہتیں، ان کا من کرتا کہ بس وہ ہی مرکز نگاہ بنی رہیں اور گھر کا ہر فرد ان

ناولٹ



کے اردگرد لٹو کی طرح گھومتا پھرے۔

☆☆☆

اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا رات سر پہ آنے والی تھی۔ سرد آہ بھری اور کونے میں بنے مٹی کے چولہے کی طرف بڑھی تاکہ پورے کنبے کے لیے ڈھیروں ڈھیر روٹیاں تھوپ سکے۔ پیچھے سے ساس نے پکارا۔

''رانی......او......رانی......جرا سن تو۔''

''کیا ہے۔ اماں؟'' اس نے بیزار سا منہ بنایا۔

''تیرے سسرے کا بڑا جی کر رہا ہے، میٹھا کھانے کو، تھوڑا سا حلوہ بنا دے، ساتھ میں پراٹھا پکا دینا۔''

کلو مائی ہمیشہ شوہر کا نام لے کر اپنی خواہشات پوری کروانے میں ماہر تھی۔

''کہاں سے بنا دوں حلوہ اماں۔ گھی ختم ہو گیا ہے اور چینی بھی بس اتنی ہی ہے کہ صبح کی چائے بن سکے۔'' اس نے خلاف عادت دھیرے سے بتایا۔

''ہائے۔ میری کالی قسمت۔ کبھی تو کچھ اچھا کھلا پلا دیا کر۔ مجھ سے روز روز سوکھی روٹی اور دال نہیں کھائی جاتی۔''

''اللہ کا شکر ادا کر اماں۔ وہ حق حلال کی کھلا رہا ہے۔'' اس نے آسمان کی طرف شکر گزارانہ نظروں سے دیکھا۔

''چل...... ملانی...... جب کوئی فرمائش کرو آگے سے منع کر دیتی ہے۔'' کلو مائی بری طرح سے سڑ گئی۔

''ایک کام کر اماں۔ اپنے نکمے بیٹوں کو کام پر لگا دے۔ گھر میں زیادہ پیسے آئیں گے تو ہمیں بھی اچھا کھانے کو ملے گا اور تجھے بھی آرام ہو گا۔'' اس نے بھی کمر پر ہاتھ رکھ کر سنایا۔

''اری چل منحوس۔ ہر وقت میرے بیٹوں کو کوستی رہتی ہے۔ خود تو چوہیا جیسی بیٹیوں سے گھر بھر دیا، مجھے تو لگتا ہے پوتے کی شکل دیکھے بغیر ہی قبر میں جا سوؤں گی۔'' کلو مائی کا بیٹا نہ ہونے کا طعنہ اس کے دل پر ٹھاہ کر کے جا لگا۔

''نہیں اماں۔ تم اتنی آسانی سے کہاں پیچھا چھوڑنے والی ہو۔ ایک کام کر و فضلو کی دوسری شادی کروا دو۔''

رانی نے بھی مذاق اڑایا جانتی تھی کہ کلو مائی کے سڑیل مزاج اور بیٹوں کے لفنگے پن کی وجہ سے شہر میں انہیں کوئی لڑکی دینے کو تیار نہیں، جب ہی تو گاؤں سے سچ جھوٹ کر کے اسے بیاہ کر لائی۔

''دفع ہو جا۔ تیرے منہ میں خاک۔ میں کیوں اتنی جلدی مروں۔ ابھی تو...... تیرے سینے پر مونگ دلوں گی۔''

''رات کی روٹی ڈالوں یا نہیں؟'' اس نے بیزار منہ بنایا۔

''پاس پڑوس کی زنانیاں کیسا اچھا اچھا کھلاتی ہیں۔ مگر تو مجال ہے جو کام پر سے ہی کچھ اچھا گھر لے آئے۔'' کلو مائی کے شکوے جاری تھے۔

''وہ...... مانگ تانگ کر باسی تباسی کھانا جمع کر کے لاتی ہیں۔ مجھے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں تو محنت کرتی ہوں اور سب کو تازہ دال سبزی پکا کر کھلاتی ہوں۔'' اس نے باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے سر اونچا کر کے کہا۔

''چل......دفع دور......'' بہو کی بات پر کلو مائی کے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی، اپنی ٹوٹی ہوئی چپل اٹھا کر اس کی جانب پھینکی۔ مگر وہ بچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

''آ گئے آپ؟'' تھکے تھکے سے شاہ زمان کے ہاتھوں سے ٹفن اور بیگ تھامتے ہوئے نازک نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی آفس میں ہی ہوں۔'' شاہ نے بہن کا پھولا چہرہ دیکھا تو چہرے پہ بیزاریت سجا کر بیوی کو جواب دیا۔

اس کا چہرہ [illegible] گیا۔ شاہ نے بیوی کو نظر انداز

کرتے ہوئے تخت پر لیٹی بہن کی جانب گرم جوشی سے دیکھا۔

''السلام علیکم آپا۔'' انہوں نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''دن کیسا گزرا؟'' نازک شاہ ذرا سی توجہ حاصل کرنے کے لیے خلاف معمول اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی کمرے تک آ گئی۔

''آج۔ سورج نیلے رنگ کا نکلا تھا۔ باس مجھے دیکھ کر خوشی سے سر کے بل کھڑا ہو گیا، اور میری سیکرٹری نے بغیر غلطی کے ساری ای میل ٹائپ کر کے وقت پر بھیج دیں۔'' موبائل کو چارجنگ پر لگاتے ہوئے طنز فرمایا مگر مجال ہے جو نگاہ اٹھا کر بھی اسے دیکھا ہو۔

نازک نے ایک سرد آہ بھر کر بیگ میز پر رکھا۔ ابھی وہ کچھ بولنا چاہ رہی تھی کہ شاہ زمان صوفے پر تھکے تھکے انداز میں یوں نیم دراز ہو گیا جیسے کھیتوں میں ہل بیل جوت کر آیا ہو۔ نازک نے آگے بڑھ کر اس کے جوتے موزے اتارے۔ شاہ نے آنکھیں موند لیں اور نازک سامنے کھڑی منتظر نگاہوں سے شوہر کو تکنے لگی، شاید کوئی ستائش بھری نظر، محبت کا چھوٹا اظہار یا کوئی پیار بھرا جملہ ساعتوں کی نذر ہو تو اس کی محنت وصول ہو جائے مگر وہ پتھر جیسا دل رکھنے والا پتھر بنا اپنے آپ میں ہی مگن تھا۔

''کون لوگ ہوتے ہیں، جو بیویوں کے ناز نخرے اٹھاتے ہیں۔'' اس نے دکھ سے سوچا۔

''ناز۔ سنو!'' شاہ نے خیالوں میں کھوئی بیوی کو ٹہوکا دیا۔

''جی، کیا ہوا؟'' وہ چونک گئی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' پیشانی پر شکن۔ طنزیہ انداز۔

''میں کچھ سمجھی نہیں۔'' اس نے گھبرا کر شوہر کی طرف دیکھا۔

''جب سے آیا ہوں نہ چائے، نہ پانی کا پوچھا۔ اتنا خیال بھی نہیں کہ دفتر سے تھکا ہارا لوٹا ہوں۔'' اس کا سخت لہجہ نازک کے دل پہ جا کر لگا، خود کو آئینے میں دیکھا اور سرد آہ بھرتے ہوئے ٹفن اٹھا کر باہر چل دی مگر دل ہی دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ آج تو اپنی بات منوا کر رہے گی۔

☆☆☆

روٹیاں پکانے کے بعد سب کو کھانا کھلایا تو اسے منی کا خیال آیا، باورچی خانے سے نکلتے ہوئے پیالے میں تازہ پانی بھر لائی۔ نیم اندھیری کوٹھری میں کھڑے ہو کر کچھ دیر ادھر ادھر دیکھا پھر صندوق سے ململ کا اپنا قدرے صاف دوپٹا نکالا اور اسے پھاڑ کر پٹی بنائی، اسے پانی میں ڈبویا اور پلنگ پر لیٹی ریں ریں کرتی منی کے ماتھے پر احتیاط سے رکھ دیا۔

''ہائے ربا، منی کا بخار تو اترنے کا نام نہیں لے رہا۔'' رانی نے بار بار پٹیاں بدلنے کے باوجود جب جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو گھبرا کر سوچا۔

''اب اس کو چھوڑ کر اتنی رات کو دوا لینے باہر کیسے جاؤں۔ جانے وہ نکھٹو کہاں مرا پڑا ہے۔'' سر پہ ہاتھ رکھ کر سوچ میں گم تھی کہ نکھٹو اندر داخل ہوا۔

''کیا پکایا ہے؟'' فضل دین کے فرمائشی لہجے پر رانی کی جان جل گئی۔

''زہر کھائے گا کیا؟'' بھنا کر بولی۔

''بتا نا بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔'' اس کو تو اپنی بےعزتی بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

''مونگ کی دال پکائی ہے جا کر کھا مر لے۔''

''سالی روز روز دال کھلاتی ہے، منہ کا ذائقہ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''چل اٹھ مجھے انڈا تل دے'' فرمائش کرتے ہوئے وہ رانی کو زہر سے بدتر لگا۔

''دیکھ نہیں رہا منی کی طبیعت کتنی خراب ہے۔ دو گھڑی چین نہیں لینے دے رہی۔'' رانی نے بیزار منہ بنا کر کہا۔

''کیسی جہنمی عورت ہے۔ سڑے گی تو دیکھنا۔'' فضل دین نے غصے میں چارپائی کو لات ماری تو اپنے ہی پیر میں چوٹ لگی۔

”پرے ہٹ۔“ وہ دانت کچکچا کر بولی اور بچی کے ماتھے پر پٹیاں رکھتی رہی، فضل دین نیچے بچھی دری پر لیٹ کر بڑبڑانے لگا۔

☆☆☆

نازک شاہ جتنی تیزی سے کمرے سے باہر گئی تھی اتنی ہی جلدی واپس لوٹی پانی کا بھرا گلاس شاہ زمان کے ہاتھ میں تھما دیا اور مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

”ویسے آج کچھ خاص بات ہے اتنی تیاری کس لیے بھئی؟“ پانی پیتے ہوئے شاہ نے آخر پوچھ لیا۔

”یاد کریں آج کون سا دن ہے؟“ وہ ایک بار پھر سے ایکسائیٹڈ ہوئی۔

”اوں...... بدھ کا۔“ شاہ نے ایکٹنگ کرتے ہوئے سر کھجایا۔

”میرا مطلب ہے۔ آج کی تاریخ میں کیا۔ کچھ خاص ہوا تھا؟“ نازک شوہر کے برابر میں بیٹھ کر پر اشتیاق نظروں سے اس کو تکنے لگی۔

”ناز پلیز۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ۔“ شاہ نے جان کر منہ بنایا۔

”اگر آپ کو یاد نہیں تو چھوڑیں۔“ وہ بری طرح سے تپ گئی تھی، بے دلی سے اٹھنے لگی تو شاہ نے اس کی کلائی تھامی۔

”ہپی اینورسری۔“ اس نے ہنستے ہوئے وش کیا۔

”آپ کو بھی مبارک ہو۔“

”خیر مبارک۔ چلو اب کھانا کھلا دو بہت بھوک لگی ہے۔“ ممکنہ فرمائش سے بچنے کے لیے وہ فوراً بولا۔

”آپ کو یاد تھا؟“ اس کی حیرت خوشی میں ڈھل گئی۔

”یاد تو نہیں تھا مگر ہماری سالی صاحبہ نے صبح صبح میسج کر کے وش کیا تو یاد آ گیا۔“ شاہ کی صاف گوئی ہمیشہ تکلیف دیتی تھی۔

”اوہ! ماہ رخ نے بتایا۔ میں سمجھی......“ وہ ایک دم بجھ گئی، اداسی سے بولی۔

”ویسے تم بھی کتنی لکی ہو جو میرے جیسا شہزادے سے شادی ہوئی۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ حسب عادت وہ اپنی تعریفوں کے پل باندھنے لگا۔

”دونوں بھائی بہن کو خود ستائشی کا مرض لاحق ہے“ نازک نے سر ہلاتے ہوئے اندر تک بدمزا ہو کر سوچا

”کیا تھا جو دل رکھنے کو جھوٹ ہی بول دیتے۔“ اس کے منہ سے شکوہ پھسلا۔

”لو۔ ابھی تک وہیں اٹکی ہو۔ چلو کوئی بات نہیں اگلے سال یاد رکھوں گا۔“ شاہ زمان نے کپڑے بدلنے کے لیے واش روم کی طرف جاتے ہوئے گال تھپتھپا کر تسلی دی۔

”اچھا سنیں۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ آج کہیں باہر ڈنر پر چلیں۔“ نازک نے ڈرتے ڈرتے پیچھے سے فرمائش کی۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے، بچیوں اور آپا کا کیا ہوگا؟“ وہ ایک دم جھلایا۔

”آپا کے لیے تو میں نے بھنا ہوا قیمہ پکایا ہے، بس تازی روٹی ڈالنی ہے اور بچیوں کو کھلا پلا کر سلا چکی ہوں۔“ آج کے دن کے لیے اس کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

”تمہیں پتا ہے نا کہ باہر کے کھانوں سے میرا پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔“ بہن کے ڈر سے اس نے ٹالنا چاہا۔

”پلیز ز ز...... میری خاطر صرف آج کے دن۔“ وہ بہت پیارے انداز میں بولی، ایک لمحہ کو شاہ کا دل ڈولا۔

”ایسا کرو۔ آپا کے ساتھ میری بھی روٹی پکا دو، کھانا کھا لوں۔ پھر تمہیں بہانے سے باہر لے چلوں گا۔“ کچھ سوچنے کے بعد اس نے بیچ کا راستہ نکالنا چاہا۔

”کیا، اینورسری والے دن بھی بہانہ اور میں

اکیلی ڈنر کرتی اچھی لگوں گی؟'' وہ افسردگی سے بولتی ہوئی بہت پیاری لگی۔

''اتنے سالوں میں تو مجھے سمجھ جاؤ۔ میں ان تکلفات پڑنے والا بندہ نہیں۔''

اس نے منہ پھلا کر شوہر کی بات سنی ان سنی کردی۔

اچھا۔ خیر یہ پہن لو۔'' شاہ نے پیار سے ازالہ کرنا چاہا اور بیگ میں چھپا کر رکھے ہوئے گجرے نکالے۔

''تھینک یو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ آپ فریش ہوکر آجائیں۔'' نازک نے بھی پرتکلف انداز اپنایا اور لاپروائی دکھاتے ہوئے گجرے سائیڈ پر رکھ کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔

''یہ بات...... منے دل خوش کردیا۔'' دروازے سے ناک چپکائے کن سوئیاں لیتے ہوئے صباحت بیگم نے جلدی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگائی دل میں جیسے ٹھنڈ پڑ گئی۔

''او۔ ماں۔ آج کیا بھوکا مارنے کا ارادہ ہے۔ ناز۔'' صباحت نے بھاوج کو کمرے سے نکلتے دیکھا تو جان بوجھ کر کا واویلا مچانا شروع کردیا۔ اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے جاتے ہوئے ٹشو سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی پھر رگڑ رگڑ کر لپ اسٹک پونچھ ڈالی۔

☆☆☆

پانی کی پٹیاں رکھنے سے بھی بچی کا بخار کسی طرح کم نہیں ہوا تو رانی کو ہول اٹھنے لگے، صبح کام پر بھی جانا تھا، روز روز کی چھٹی پر تو باجیوں نے دوسری کام والی کو رکھ لینا ہے۔ دوائی تو منگوانی ہی پڑے گی۔

''اب کیا کروں۔ اتنی رات کو اکیلی باہر نکلوں گی تو اماں گالیاں دے گی۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اچانک نگاہ دری پر منہ پھلائے لیٹے شوہر پر پڑی۔

''اے فضلو، سن میرا ایک کام کرے گا۔'' اس نے نرمی سے پکارا۔

''دفع دور ہوجا، میں تیرا نوکر نہیں ہوں۔'' وہ بھی اکڑ کر بولا۔

''اچھا، سن تو ایک کام کردے نا۔'' اس کے لہجے کی چاشنی پر وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں بول؟''

''یہ دو سو روپے پکڑ اور پاس کے دوائی خانے سے منی کی دوا تو لے آ، بخار اترنے کا نام نہیں لے رہا۔'' رانی نے نہ چاہتے ہوئے بھی پھر سے اعتبار کیا اور پلو کھول کر مڑا تڑا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''چلو نہاری روٹی کا تو بندوبست ہوا۔'' سو کا نوٹ دیکھتے ہی فضلو کی بند ہوتی آنکھیں کھل گئیں سوچتا ہوا فوراً ہی کھڑا ہوگیا۔

''دوائی لے کر فوراً واپس آنا، اپنے لفنگے دوستوں میں نہ بیٹھ جانا۔'' اس کی پھرتی پر رانی نے مشکوک ہوکر شوہر کو دیکھا۔

''میں پاگل تھوڑی ہوں۔'' اس نے جھپٹ کر نوٹ لیا اور سعادت مندی سے کہا۔

''دیکھ۔ بچی کی دوا دارو کے پیسے ہیں۔ کہیں ضائع نہ کردینا۔'' اس نے کوٹھڑی سے باہر جاتے شوہر کو ایک بار پھر تاکید کی۔ فضلو سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ رانی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بچی کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کبھی اس جواری اور نشئی پر اعتبار نہ کرتی۔

☆☆☆

اب تو ہر ایک کردار سے ڈر لگتا ہے
مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے ڈر لگتا ہے

نازک نے کچن میں داخل ہوکر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے خود پر قابو پایا۔ فریج سے بوتل نکالی، ٹھنڈے پانی کا گلاس پیا پھر تو اگرم ہونے کو رکھ دیا۔ ہاتھ دھو کر تازہ روٹیاں پکانے میں یوں مگن ہوگئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

کھانا کھانے کے بعد دونوں میاں بیوی خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھے چائے کے سپ لیتے ہوئے آپا کی خودساختہ بیماریوں کے قصے سنتے رہے

پھر وہ بیزار ہو کر سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ تھوڑی دیر بعد شاہ زمان بھی جمائیاں لیتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس سے بات کیے بنا بستر کی دوسری جانب جا لیٹا۔ جانتا تھا کہ اس وقت بیوی کو چھیڑنا پٹرول کو آگ دکھانے کے مترادف ہوگا۔

وہ کروٹ بدل کر آنسو بہاتے ہوئے جاگتی رہی۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ اس پراگندہ ماحول، آپا کے چنگل اور مجبور و مصلحت کے شکار شوہر کی دسترس سے کہیں دور بھاگ جائے مگر پھر بچیوں کا چہرہ دیکھتے ہوئے نئے سرے سے سمجھوتے پر آمادہ ہو جاتی۔ رو رو کر جب دل کا بوجھ تھوڑا ہلکا ہوا۔ تو وہ چپ چاپ آنکھوں پر بازو رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی مگر۔ پوری رات کمرے میں رکھے گجرے کی خوشبو اسے اذیت دیتی رہی مگر مجال ہے جو شاہ زمان کی نیند میں رتی برابر بھی خلل پڑا ہو۔

☆☆☆

فضل دین دو سو روپے خرچ کرنے کے بعد پوری رات بیوی کے کیے ڈر سے گھر واپس نہیں لوٹا تھا۔ رانی شدید غصے میں تھی۔ سستی سے پلنگ پر پڑی اضطراری انداز میں پاؤں ہلاتے ہوئے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ جب تک اسے برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال لیتی کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑتی تھی۔ مگر دن چڑھے تک جب وہ نہیں آیا تو اس نے ناشتا بنانے کے لیے اٹھنے کا سوچا۔ اسی وقت فضلو جھومتا جھامتا کوٹھری میں داخل ہوا۔ کھٹکھنی بلی طرح اس پر جھپٹی۔

''آ گیا نکتے، کہاں مر گیا تھا۔'' وہ

''وہ شیدے کے یہاں چلا گیا تھا۔'' اس نے دانت نکال کر سر کھجایا۔

''دوا کیوں نہیں لایا؟'' وہ غرائی۔

''قسم سے رانی پیسے کہیں گر گئے۔'' اس نے مصنوعی رقت باندھی۔

''او بے شرما۔ بہانے تو نئے ڈھونڈ لے۔''

اس کی بات پر وہ کچھ نہ بولا۔

''اب گھر میں ہی رہنا، بھول جاتا ہے کہ تیرے پیچھے بھی کوئی ہے۔'' اس نے کونے میں بندھی رسی پر سے اپنا دھلا ہوا سوٹ اتار کر شکنیں دور کی۔

''کیوں، تو کہاں جا رہی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''چائے بنانے۔ اس کے بعد کام پر جانا ہے تو پیچھے سے، بچیوں کا خیال رکھنا۔''

''بات سن کچھ پیسے دے کر جانا۔'' فضل دین نے بیوی کی ایک بار پھر منت کی۔

''انسان میں تھوڑی سی شرم و حیا تو ہونی چاہیے۔ نہیں ہیں پیسے میرے پاس۔'' رانی جو پہلے ہی غصے میں تھی آواز دبا کر بولی۔

''کیوں...... یہ جو صبح سے شام تک باہر رہتی ہے تو کیا کرتی ہے؟'' وہ ہنستا ہوا زہر سے بدتر لگا۔

''باہر جا کر محنت مشقت کرتی ہوں، تب جا کر تم سب کے پیٹوں کا دوزخ بھرتا ہے۔'' وہ بھی بھنائی اور بچی کے کسمسانے پر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں سب سمجھتا ہوں۔ بڑی جھانسی کی رانی بنی پھرتی ہے۔'' اس نے مذاق اڑایا۔

''ہاں...... تو...... تو بن جا مرد...... جا، کما کر لا۔ بٹھا دے مجھے گھر پر۔''

''سب سمجھتا ہوں۔ تو پیسے دبا کر رکھتی ہے۔ چل نکال ورنہ چپل سے ماروں گا۔'' اس نے لال سرخ آنکھوں سے بیوی کو دبے لہجے دھمکایا۔

''چل پرے ہو۔ مجھے بچیوں کے لیے روٹی بھی ڈالنی ہے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے شوہر کو سامنے سے ہٹایا۔

''کبھی میرے لیے بھی سوچ لیا کر۔'' اس نے مسکرا کر بیوی کو دیکھا۔

''زندگی نے اتنا مصروف کر دیا ہے، اب تو اپنے بارے میں سوچنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔'' اس نے نم ہوتی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا اور کوٹھری سے باہر نکل گئی۔ ناشتا بناتے ہوئے چولہے کی

لکڑیاں سلگاتے ہوئے اس کی آنکھیں بھی سلگ گئیں۔

☆☆☆

''کیا بات ہے؟'' شاہ نے دفتر کی تیاری کرتے ہوئے شیشے میں بیوی کا عکس دیکھا تو بھنویں اچکا کر پوچھا۔

''چائے۔'' اس نے مسکرا شوہر کی جانب محبت سے کپ بڑھایا۔

''وہ تو مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں رکھ دو۔ سر پہ سوار ہونے کو کس نے کہا ہے؟'' اس کے جھاڑنے پر نازک سرد آہ بھرتی ہوئی مڑ گئی۔

''ایک منٹ ہیلو، میں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' پیچھے سے چلایا۔

''جی، کیا بات ہے؟'' اس نے منہ بنا کر پوچھا۔

''کیا ہر وقت جاہل عورت کی طرح میرے اردگرد گھومتی رہتی ہو۔ آپا ٹھیک بولتی ہیں تمہارے اندر بڑا دکھاوا ہے۔'' وہ چلایا۔

''آپ چاہتے کیا ہیں؟'' اس نے پریشان نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

''شادی سے پہلے ووکیشنل سینٹر میں پرنسپل تھیں نا۔ فیشن ڈیزائننگ کی ڈگری لی ہے نا تم نے، پھر کوئی کام کیوں نہیں کرتی ہو۔'' اس کا طنزیہ لہجہ نازک کے دل پر چرکے لگاتا چلا گیا۔

''ڈگری لینے کا مطلب یہ نہیں کہ گھر کی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لوں۔'' اس نے بھی جواب دیا۔

''اور وہ جو شادی سے پہلے جو تمہارے ابو۔ بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے، ہماری بیٹی تو بڑی ٹیلنٹڈ ہے شادی کے بعد بھی جاب کرے گی۔ کیوں اب اتر گئے سارے بھوت۔'' اس کے طنز پر وہ پیر پٹخ کر باہر کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''کام کروں گی تو پہلا اعتراض آپ کی آپا کی طرف سے آئے گا۔''

''یہ نخرے جا کر اپنے باوا کو دکھاؤ سمجھیں۔'' شاہ نے پیچھے سے آ کر اس کا چہرہ زبردستی اپنی طرف موڑا۔

''پلیز، شاہ مجھے درد ہو رہا ہے۔'' شاہ کی مضبوط انگلیاں نرم گالوں میں گڑیں تو اس نے التجا کی۔

''آپا بھی شکایت کر رہی تھیں۔ تم میں بہت غرور آ گیا ہے، ان کو جواب دینا گوارا نہیں کرتی ہو۔ مت بھولو یہ ساری جائیداد ان کی ہے، ہمیں گھر سے نکال دیا تو بچیوں کے ساتھ کہاں دھکے کھاتے پھریں گے۔'' اس کے کانوں میں سرگوشی۔

''مجھ سے نہیں ہوتی بلاوجہ کی چاپلوسیاں، وہ بات بات پر مجھے باتیں سنانے بیٹھ جاتی ہیں، بیٹا پیدا نہ کرنے کے طعنے دیتی ہیں۔'' آخر شکوہ لبوں تک آ ہی گیا۔

''ان کے گھر میں رہنا ہے تو ان کی باتیں بھی سننا پڑیں گی اور ویسے ہی رہنا پڑے گا جیسا ہم چاہیں گے۔ سمجھیں تم۔'' اس نے وارننگ دینے والے انداز میں انگلی اٹھائی۔

نازک منہ میں دوپٹا ٹھونس کر زمین پر بیٹھ کر بین کرنے لگی۔

''بڑا شوق تھا نا اسے جھانسی کی رانی بننے کا، دماغ ٹھکانے لگا آیا ہوں۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا بہن کے کمرے میں گیا اور پاس بیٹھ کر دھیمے سے بتایا۔ وہ ہاتھوں کے اشارے سے بھائی کی بلائیں لینے لگ گئیں۔

☆☆☆

رانی نے روٹیاں پکا کر کپڑے میں اچھی طرح سے لپیٹ کر چنگیر میں رکھ دیں تاکہ دوپہر تک سخت نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد بچیوں کو اچار پراٹھے کا ناشتا کرانے کے بعد جلدی جلدی کپڑے بدلے اور بال بنانے لگ گئی۔

''یہ تو بتا اتنا تیار ہو کر کس کے لیے جاتی ہے؟'' اس نے پیچھے سے آ کر بیوی کی کلائی مروڑتے ہوئے چہرہ اپنی جانب موڑا۔

"تجھے برا لگتا ہے نا۔ ایسا کر نہیں جاتی کام پر، مجھے گھر بٹھا دے۔" رانی نے پھسکڑا مار کر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اس کی کمزور رگ دبائی۔

"نہیں، میں یہ نہیں کہہ رہا، جا دیر ہو رہی۔" وہ ایک دم سیٹ ہو گیا۔ چپ چاپ نیچے بچھی میلی سی دری پر لیٹ گیا۔

"دیر تو ہو گئی ہے۔ اور وہ نازک باجی کی ڈائن نند کو مجھ سے جانے کس بات کا بیر ہے، دیکھتے ہی چار باتیں سنانا شروع کر دیتی ہے۔" رانی چادر اوڑھ کر کوٹھری سے باہر نکلتے ہوئے بڑبڑائی۔

"اچھا، چلی جانا۔ پہلے مجھے خرچا پانی کے لیے کچھ تو دے۔ قسم سے جسم ٹوٹ رہا ہے۔" وہ بھی اٹھ کر ڈھیٹ بنا اس کے پیچھے منت کرتا چلا آیا۔

"تجھ میں کچھ شرم و حیا ہوتی تو ڈوب نہ مرتا کہیں، میری بیمار بچی کے دوا کے پیسے بھی کھا گیا بے غیرتا۔" اس نے بچی مٹی پر تھوک کر غصہ اتارا۔

"ہاں، اگر تو مجھے پیسے نہیں دے گی تو میں ایسا ہی کروں گا۔" اس کی بے غیرتی پر رانی کھول اٹھی۔

"فضل دین ایک واری ہی مجھے جان سے مار دے، تیرے سارے ٹبر کو سکون مل جائے گا۔" وہ ہاتھ جوڑ کر اس کے مقابل کھڑی ہو گئی۔

"چل بک بک نہ کر پیسے نکال۔" اس نے رانی کو بالوں سے پکڑ کر اپنی جانب گھسیٹا۔

"دفع دور ہو جا۔ اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو اپنی بچی کا علاج نہ کراتی۔" رانی نے شوہر کو دھکا دے کر خود سے دور کیا اور بڑی بٹی کی تلاش میں نگاہیں گھمائیں۔ اتنے میں منی اٹھ گئی اور حلق پھاڑ پھاڑ کر رونے لگی۔

"نی رانی۔ کیا شور مچایا ہوا ہے۔ اکمل رات دیر سے سویا ہے۔ چپ کرا اس کو ورنہ میں آ کر گلا دباتی ہوں۔" کلو مائی کے چلانے پر وہ جھنجلاتی ہوئی مڑ گئی۔

☆☆☆

شاہ کو آفس اور بچیوں کو اسکول بھیجنے کے بعد نازک نے لاؤنج کا پھیلاوہ یوں سمیٹنا شروع کر دیا جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو، وہ کمرے کی بات کمرے تک ہی محدود رکھنا چاہتی تھی مگر اگلا فریق میں ایسا سوچے تب نا۔

"اوماں، کیوں غیروں پر چھوڑ کر چلی گئیں۔" اسی وقت صباحت بڑبڑاتے ہوئے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے اپنے کمرے سے نکل آئیں، ان پر پھر سے خود ترسی کا دورہ پڑا تھا۔

"شکر ہے اٹھ گئیں۔" نازک نے انہیں دیکھ کر سوچا۔

صباحت دیر سے اٹھنے کی عادی تھیں، اسی وجہ سے نازک کے کئی اہم کام اٹکے رہ جاتے۔ اسے آج گھر کا کچھ ضروری سامان لینے بازار جانا تھا مگر صباحت کے اٹھنے کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے جاگنے پر انہیں ناشتا کرا کے اجازت لینے کے بعد مارکیٹ کا چکر لگانے کا موقع ملتا ورنہ وہ شام کو شاہ کے سامنے بلاوجہ کا فضیحتہ کھڑا کر دیتیں۔

"کیا بات ہے، بڑی چپ چپ ہو؟" صباحت نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے زخموں پر نمک چھڑکا۔

"کچھ نہیں آپا۔ چائے لاؤں۔" نازک نے ڈسٹنگ کرتے ہوئے مڑ کر بظاہر نرمی سے جواب دیا۔

"ابھی دل نہیں کر رہا۔" وہ کسی اور موڈ میں تھیں، اخبار لے کر بیٹھ گئیں۔

"آپا ناشتے میں کیا لیں گی۔ پراٹھا یا بریڈ؟" اس نے کچھ دیر انتظار کیا، پھر خود سے پوچھ لیا۔

"بات سنو بی بی، یہ ہمارا گھر ہے کوئی مہمان نہیں کہ کھایا پیا اور چلے گئے۔"

"میں نے اس لیے کہا کہ ویسے ہی کافی لیٹ ہو گیا تھا، تو......"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ان کی تیوری پر بل پڑ گئے

"تم ہوتی کون ہو ہمیں یہ جتانے والی کے ہم

دیر سے اٹھتے ہیں۔"

"نہیں نہیں آپا، قسم سے میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ ناشتے کے بعد آپ کو دوا بھی لینی ہوتی ہے۔"

وہ ڈسٹر پھینک کر ان کے قریب بیٹھ کر صفائیاں دینے لگی۔ صبح کا جھگڑا بھولی نہیں تھی۔

"رہنے دو اپنی ہمدردیاں۔ ویسے یہ تم رات کو منے کو کیا پٹیاں پڑھا رہی تھیں۔" ان کی کن سوئیاں لینے کی عادت، نازک کو اکثر مہنگی پڑتی تھی۔

"جی وہ، کچھ نہیں آپا...... کچھ بھی تو نہیں۔"

"بات سنو، تمہارا میاں اس لیے نہیں کماتا کہ گل چھرے اڑاتی پھرو۔ ہاتھ دبا کر چلا کرو، نہیں تو پچھتاؤ گی۔ ویسے ہی بیٹیوں کا ساتھ ہے۔"

"جی اچھا......" اس نے سر ہلایا اور اٹھ کر گھر کے کام نمٹانے لگی۔

"ہائے ہائے، یہ دنیا میں کیسی ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔ شکر کرو تم لوگ کو سر چھپانے کا گھر ملا ہوا ہے۔" اخبار منہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے تبصرہ کیا۔

"آپا، کچن کا کچھ سامان ختم ہو گیا ہے، اگر آپ کہیں تو مارکیٹ چلی جاؤں؟" اس نے دل ہی دل میں برا بھلا کہتے ہوئے بظاہر سعادت مندی سے پوچھا۔

"ہاں جاؤ اور دیکھو تازہ اور کرارے سیلون کے پان لانا اور ہاں کھوپرے کا تیل بھی لا دینا، بالوں میں خشکی بھر گئی ہے، ایک وقت تھا کہ ہمارے بال اتنے خوب صورت ہوتے تھے کہ......"

وہ اپنی تعریفیں کرنے میں مصروف ہو گئیں مگر نازک شاہ جوان کے ایسے قصوں سے بری طرح سے بیزار ہو چکی تھی، چپکے سے ناشتا بنانے کے لیے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"ہماری بات تک سننا گوارا نہیں۔ اس عورت کا زعم تو ایک دن ٹوٹے گا۔" صباحت نے نازک اندام، پرکشش چہرے والی اپنی پیاری سی بھابھی کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے من ہی من میں عہد کیا۔

☆☆☆

رانی نے غصے سے پہلے شیشے کی بوتل میں نیم گرم دودھ بھرا، پانی ملایا اور اس پر نپل لگا کر ہلانے کے بعد بوتل روتی ہوئی بچی کے منہ میں ٹھونس دی۔ بیٹی کو تھپک تھپک کر سلانا چاہا مگر اس نے بوتل منہ سے نکال کر دور پھینک دی اور چلا چلا کر رونا شروع کر دیا۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔

"ہائے ربا، میں کیا کروں۔" آج بھی دیر ہو گئی۔ نازک باجی راستہ دیکھ رہی ہوں گی۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ شکر ہے گڈی، چنی اور بے بی باہر کھیلنے چلی گئیں ورنہ بلاوجہ ماں کے ہاتھوں پٹ جاتیں۔

"سو جا میری دھی، دیکھ ماں کو دیر ہو رہی ہے۔" اس نے آنکھوں میں آئی نمی پونچھی اور بیٹی کو دوبارہ سلانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔ تھوڑی کوششوں کے بعد منی سو گئی تو اس نے پلاسٹک کی چپل پہنی اور تھیلی اٹھا کر جانے کو تیار ہو گئی۔

"گڈی۔ میں جا رہی ہوں۔ بہنوں کا خیال رکھنا۔" اس نے بڑی بیٹی کو ہدایت دی جو مٹی میں بیٹھی کھیل رہی تھی۔

"اچھا اماں۔" اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور دوبارہ کھیلنے میں مگن ہو گئی۔

"اری۔ ری۔ سن...... منی کو بھی ساتھ لے جا۔ تیرے پیچھے سے ریں ریں کرتی پھرے گی۔" ساس نے بہو کو جاتے دیکھا تو پلنگ پر لیٹے لیٹے مشورہ دیا۔

"اماں اور کچھ نہیں کر سکتی تو اپنی پوتری کو ہی سنبھال لے۔ میں کام پر جا رہی ہوں کوئی میلاد دیکھنے نہیں۔" اس نے تیکھے انداز میں جواب دیا۔

"وڈی آئی کام پر جانے والی۔ کما کر کیا لاتی ہے۔ میں تو ایک وخت کا گوشت کھانے کو ترس گئی ہوں۔" کلو مائی کے اپنے غم تھے۔

"تو کیا کروں۔ مہنگائی نے جینا حرام کر رکھا ہے۔ عزت سے روٹی کھا رہے ہیں۔ یہ بھی بہت ہے۔" اس نے چمک کر جواب دیا۔

''فضلو...... او، جورو کے غلام باہر نکل۔ دیکھ تو تیری زنانی کیسی زبان لڑا رہی ہے۔'' ماں نے پلنگ پر اٹین شن ہو کر بیٹھتے ہوئے دہائی دی۔

''تیری اتنی ہمت، میری ماں کو جواب دیتی ہے۔'' ایسے وقت میں فضل دین کے اندر کا مرد جاگ اٹھتا تھا، لپک کر باہر آتے ہی بیوی کو زور کا گھونسا مارا۔ وہ تکلیف سے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

نازک نے کھانے کی میز پر ناشتا لگایا تو صباحت نے بغیر کسی اعتراض کے اختیار تہ کیا اور اٹھ کر چپ چاپ ناشتا کی میز تک آ گئیں۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

''یہ کام والی ماسی بہت تنگ نہیں کرنے لگی ہے؟ چائے کا سپ لیتے ہوئے کچھ خیال آیا۔

''بس آتی ہوگی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''غضب خدا کا بارہ بجنے والے ہیں۔'' صباحت نے گھڑی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اپنی توپوں کا رخ مکمل طور رانی کی طرف موڑ دیا۔

''اس کی بچی بیمار ہے نا۔ اس لیے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

صباحت کے خاموش رہنے پر نازک نے شکر کا سانس لیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں طیش میں آ کر صباحت بیگم رانی کو نکالنے کا حکم نامہ جاری نہ کر دیں۔

رانی اسے شروع سے بہت اچھی لگتی تھی۔ جتنے سال اس کی شادی کو ہوئے تھے، اتنے ہی رانی کو یہاں کام کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔ ویسے بھی رانی دوسری ماسیوں سے مختلف تھی، گوری لمبی چوڑی، صاف ستھرے کپڑے، بالوں میں تیل لگا کر قرینے سے باندھی گئی چوٹی پر کشش سی رانی کو دیکھ کر پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ چار بچیوں کی اماں ہے۔ ان دونوں کے میں کچھ چیزیں قدرے مشترک تھیں، دونوں آگے پیچھے ہی بیٹیوں کی ماں بنیں۔ درد کا ایک ان دیکھا سا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ رانی کام کے دوران اپنے دل کا دکھ درد مالکن کو بتاتے ہوئے شانت ہو جاتی۔ نازک اسے دیکھ کر افسوس کرتی، اسے پتا تھا کہ آنکھوں میں جگنوؤں کی چمک بسائے، دل میں ہزاروں خواہشات لیے چھوٹی سی عمر میں گاؤں سے شہر بیاہ کر آنے والی رانی کے ساتھ قسمت نے بہت برا برتاؤ کیا ہے۔ جواری اور نشئی شوہر نے شادی کے ایک ہفتے بعد ہی اسے پیسہ کمانے کے لیے گھر سے چلتا کر دیا۔ بے چاری رانی نے بھیک مانگنے کی جگہ عزت سے گھر گھر جھاڑو برتن کا کام سنبھال لیا اور ساس، سسر نکھٹو دیور اور جواری شوہر کی ذمہ داری اپنے نازک سے کاندھوں پہ اٹھالی۔ وہ رانی جو شہر آتے ہوئے خود کو فضلو کے دل کی مہارانی سمجھ بیٹھی تھی، یہاں صرف ایک نوکرانی بن کر رہ گئی۔

☆☆☆

''سلام بی بی۔'' رانی نے دوپٹے سے آدھ منہ چھپائے چھپائے اندر گھستے ہوئے سلام کیا۔

''آ گئی۔ اماں باوا نے نام رانی کیا رکھ دیا تو خود کو مہارانی سمجھنے لگی ہے۔'' صباحت نے فوراً ہی کلاس لگائی۔

''بس بی بی جی، بچی کی وجہ سے تھوڑا لیٹ ہو گئی۔'' اس نے صفائی پیش کی۔

''رانی پہلے تم برتن دھو لینا پھر صفائی شروع کرنا۔'' نازک نے اس کی جان چھڑانے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ بھی جلدی سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''ہمیں بے وقوف سمجھتی ہو نازبیگم ہماری بات کو اہمیت دینے کے بجائے ایک نوکرانی کا ساتھ دیتی ہو۔'' وہ ایک دم بھڑک کر بولیں۔

''نہیں آپا، ایسی بات نہیں۔ کام کو دیر ہو گئی تھی نا، اسی لیے اسے کچن میں بھیجا۔'' نازک ایسی باتوں کی عادی تھی، اس نے لاپروائی دکھائی تو وہ جل بھن گئیں۔ انا پر زور کی چوٹ لگی۔ نازک کو تو رانی کے آنکھ کے نیچے پڑے نیل کی فکر لگ گئی تھی سمجھ گئی آج پھر شوہر نے مارا ہے، کیبنٹ کی دراز میں سے دوائی کا ٹیوب مل ہی گیا۔ اسے ہاتھوں میں چھپا کچن کی جانب بڑھ گئی۔ کیونکہ اسے پھر بازار بھی ج

تھا۔

☆☆☆

صباحت نے نازک کے بازار جانے کے بعد بھاوج کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فون ملایا اور چھوٹے بھائی کو بیوی کے خلاف چڑھانا شروع کردیا۔

''ہم سے کیا پوچھتے ہو بھیا؟'' وہ آواز میں درد بھر کر بولیں۔

''آپا میں بہت مصروف ہوں۔'' اس نے فائل چیک کرتے ہوئے عجلت میں بتانا چاہا۔

''منے۔ جب سگا خون ایسے جواب دے گا تو پرائی عورت سے کیا شکوہ؟'' رقت بھرا لہجہ۔

''اگر آپ جلدی سے مدعا پر آجائیں تو میں آسانی سے بات سمجھ سکوں گا۔'' فون کی دوسری طرف موجود شاہ زمان نے سمجھانا چاہا۔

''اوماں، ہائے بابا کیوں اکیلا چھوڑ گئے۔'' ان کا جھوٹ موٹ کا رونا دھونا شروع۔

''سوری آپا، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ گھبرا گیا۔

''اب تو یہ منا بھی ہمیں آنکھیں دکھانے لگا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم نے شادی نہیں کی۔ اسے پال پوس کر اس قابل بنایا کہ وہ دو گھڑی بہن کی بات کی نہ سنے۔'' ان کی جذباتی تقریر پر وہ موم ہو گیا۔

''ہوا کیا ہے؟'' اس نے سارا کام چھوڑ کر بہن کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''تمہاری بیوی ہمیں اب دیر تک سونے کے نہ دیتی ہے۔ بھلا بتاؤ فجر سے اٹھ کر تم لوگوں کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہماری زبان نہیں تھکتی، اس عورت کو ذرا شرم نہیں، مت بھولو کہ تم لوگ میرے گھر میں رہتے ہو۔'' ہمیشہ کی طرح وہ آخر میں جتانا نہیں بھولیں۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں شام میں آکر اس سے بات کرتا ہوں۔'' اس نے گھبرا کر معافی تلافی شروع کردی۔

''اس عورت کی قبر میں کیڑے پڑیں گے، جو میاں بیوی کے بیچ میں لڑائیاں ڈالتی ہے۔'' رانی نے جو کام ختم کر کے دوپٹے سے گیلے ہاتھ پونچھتی باہر آرہی تھی، صباحت کی طرف نفرت بھرے انداز میں دیکھا۔

''گھور کیا رہی ہو۔ چلو دفع ہو یہاں سے۔'' صباحت نے ایک احساس کے تحت مڑ کر دیکھا اور فون پر ہاتھ رکھ کر اسے پھٹکارنا شروع کردیا۔

''جارہی ہوں، بتانے آئی تھی۔'' رانی نے روکھے لہجے میں بتایا اور جاتے جاتے کچھ سوچ کر تھیلی میں سے نازک کا دیا ہوا دوائی کا ٹیوب نکالا اور چپکے سے کیبنٹ پر رکھ دیا۔ اسے لگا، آج باجی کو بھی اس کی ضرورت پڑنے والی ہے۔

☆☆☆

تھکی ہاری رانی چھ، سات گھروں کا جھاڑو برتن کر کے شام کو لوٹی تو دیکھا گھر میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ اس کی جان ہی جل کر رہ گئی۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر سب کا جائزہ لیا۔ شوہر پیسے نہ ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی پڑا تھا مگر کوئی خیال نہیں۔ ساس سسر اور دیور ایک ہی پلنگ پر بیٹھے چائے کڑک بن کھاتے ہوئے، خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ بیٹیاں ماں کو دیکھتے ہی اس کی جانب دوڑیں۔ دھول مٹی میں کھیلنے کی وجہ سے بھوت بنی ہوئی تھیں۔

''اماں روٹی دے دے۔'' بڑی بیٹی نے تھوڑی دیر بعد پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بھوک کا احساس دلایا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کیسے ظالم لوگ ہیں۔ خود تو ٹھونس لیا مگر میری بچیوں کا ذرا خیال نہیں۔'' رانی نے لڑائی کا سوچا مگر غم منانے کا بھی ٹائم نہیں مل سکا، پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے ایندھن کے انتظام کی فکر ہوگئی۔ اس نے شوہر کو زبردستی ساتھ لیا اور بتی جھکتی روڈ کے پار شیخ صاحب کے گھر کی طرف چل دی۔ ان کی بہو کے یہاں پہلا بیٹا ہوا تھا۔ شیخانی نے اس

خوشی میں اسے بھی تھیلی میں ڈال کر مٹھائی دی تو رانی نے مسکرا کر مبارک باد دی۔
بھاری بھاری پانی کے کین بھر کر لانے میں جان نکل گئی۔ پہلے اس نے غسل خانے کی بالٹی دھو کر بھری اور صفائی سے بچیوں کا منہ ہاتھ دھلایا اور لڈو پلیٹ میں نکال کر انہیں کھانے کو دیا۔
"ادھر آ مجھے بھی کھلا، رانی کی ساس نے پوتی کے ہاتھ سے پلیٹ جھپٹ لی اور ندیدے پن سے کھانے لگی۔
"دادی گندی۔" وہ ماں کے گھٹنے سے لگ کر رونے لگی۔
"میری دھی نہ رو۔ یہ کھالے۔" رانی نے اپنے حصے کا لڈو بیٹی کو تھمایا اور احتیاط سے صاف پتیلی میں کھانا پکانے کے لیے پانی انڈیلا۔ جلدی جلدی آلو کاٹ کر ترکاری چڑھائی ابھی آٹا گوندھ کر روٹی پکانے والی تھی کہ منی کے رونے کی آواز پر بے چین ہو کر اپنی کوٹھری کی جانب بھاگی۔ بچی کا منہ سرخ ہو رہا تھا مگر شکر تھا کہ بخار اتر چکا تھا، اسے دودھ بسکٹ کھلایا تو پیٹ بھرنے پر وہ کھیلنے لگی، رانی نے جھک کر منی کا منہ چوما۔ اچانک ناک میں کچھ جلنے کی مہک آئی تو وہ بچی کو لٹا کر باہر کی جانب لپکی۔ ساس نے تیوری پر بل ڈال کر بہو کو دیکھا۔
"ہائے ربا سبزی جل گئی۔" اس نے سر تھام لیا۔
"اب کیا جلا دیا۔" کلو نے پیچھے سے پکارا مگر رانی نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا، ان کے دل میں آگ لگ گئی۔
"کوئی کام تو ڈھنگ سے کر لیا کر۔" کلو کمر پر ہاتھ رکھ کر جائزہ لینے سر پہ آ کھڑی ہوئی۔
"وہ منی رو رہی تھی تو۔" اس نے مختصر جواب دیا، جلدی میں پتیلی چولہے پر سے اتارنی چاہی مگر انگلیاں گرم ڈھکن پر چپک گئیں۔
"ہر روز کچھ نہ کچھ جلاتی رہتی ہے۔ ایک دن کیا ہم سب کو جلا کر رکھ دے گی؟" ان کا انداز اسے اندر تک سڑا گیا۔ مگر وہ ٹھنڈے پانی میں انگلیاں ڈال کر بیٹھ گئی۔
"پتا نہیں کون سا منحوس دن تھا جو تجھے بیاہ کر لائی، ورنہ شریفن اپنی بیٹی کے لیے ترلے کرتے تھکتی نہ تھی۔"
"ایسا کر اماں۔ دوسرا بیاہ کردے فضلو کا۔ بڑا سرکاری بابو لگا ہے نا تیرا بیٹا......!" وہ بھی جھلا گئی، چڑ کر جواب دیا۔
"ایک تو نقصان کرتی ہے اوپر سے زبان بھی لڑاتی ہے۔" ساس نے اٹھ کر رانی کے پیٹھ پر دھموکا رسید کیا۔
"ہاں تو اپنا نقصان کرتی ہوں۔ تیرا کیا جاتا ہے۔" اس نے بھی پلٹ کر دیکھا۔
"اماں اماں، کیا ہو گیا۔" ماں اور بیوی کی چیخ چیخ پر فضل دین باورچی خانے میں داخل ہوا۔
"چل بے غیرتے پرے مر، تیری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسی زنانی کو طلاق دے کر فارغ کر دیتا۔" وہ الٹا بیٹے پر چڑھ دوڑی۔
"اماں سے زبان لڑاتی ہے۔ سالی چپ کر جا، ورنہ۔" چولہے سے لکڑی نکال کر لہراتے ہوئے فضل دین نے بیوی کو دھمکایا۔
وہ سر جھکائے روٹیاں پکانے لگی۔ جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اتنا تھک چکی تھی کہ اس میں اب پٹنے کی سکت بھی باقی نہ تھی۔ ساس نے فاتحانہ انداز میں اس کو گھورا اور باہر چل دی۔

☆☆☆

نازک نے بیف کے پارچوں پر ایک ہاتھ سے دہی ملتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں پکڑا موبائل کانوں اور کاندھوں کے بیچ اٹکایا۔
"ہیلو، پلیز آج تھوڑا جلدی آجایئے گا۔"
"کیوں، کوئی خاص کام ہے؟" وہ ہمیشہ کی طرح بھول چکا تھا۔
"ماریہ کا کوچنگ میں ایڈمیشن کرانے لے جانا ہے۔" اس نے ہاتھ دھوتے ہوئے یاد دلایا۔

”ہاں ہاں، مجھے یاد ہے۔ تم کیا ایک ایک بات کو دس بار رٹتی ہو۔“ اس نے بلاوجہ کا غصہ نکالا تو نازک نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ ”ہیلو، کیا فون رکھ دیا۔“ اس کا جواب نہ دینا بھی برا لگا۔

”نہیں سن رہی ہوں۔“ وہ نرمی سے بولی، شوہر کے لہجے سے سمجھ گئی کے نند صاحبہ آگ لگا چکی ہیں، جب ہی شاہ اس پر غصہ نکالنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔

”ماریہ کو کہو گھر میں بھی پڑھا کرے پیسے پیڑوں پر نہیں اگتے ہیں۔“ اب کی بار بیٹی پر غصہ ہوا۔ نازک نے آگے سے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”اور یہ ٹفن میں گوبھی آلو کی سبزی کیوں دی۔“ اس نے ایک نئی بات نکالی۔

”پوچھا تو تھا کیا کھائیں گے۔ آپ نے جواب ہی نہیں دیا۔“ اس نے صفائی دی۔

”اچھا، میں بتاؤں گا نہیں تو تم اٹھا کر گوبھی بھیج دو گی پتا بھی ہے کہ میرا پیٹ جلدی خراب ہو جاتا ہے۔“ ایک اور پوائنٹ ہاتھ لگا۔

”ہاں مگر گوبھی تو آپ کی فیورٹ سبزی ہوا کرتی تھی۔“ اس نے گھبرا کر صفائی دی۔

”فیورٹ تو کبھی تم بھی...... خیر کل سے ڈائننگ کر لوں گا۔ ایک اور کام سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔“ اس نے رعب جماتے ہوئے دھمکی دی۔

”شاہ زمان، حد ہوتی ہے۔ بلاوجہ میں سنائے جا رہے ہیں۔ کل سے پورے ہفتے کا مینو بنا کر دے دینا۔“ اس کی برداشت بھی جواب دے گئی جھلا کر کہا۔

”اتنا ہی فالتو ٹائم ہے نا میرے پاس چلو۔ رکھو فون بہت کام پڑا ہے ابھی۔“ اس نے نازک کی بات سنے بغیر لائن کاٹ دی۔

وہ فون کو گھورتے ہوئے اداسی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

رانی نہا کر نکلی اور سرخ دوپٹے میں اپنے لمبے بالوں کو لپیٹ کر جھٹک کر ایک سائیڈ پر ڈالا۔ جھک کر بالٹی میں سے دھلا ہوا سوٹ نچوڑنے میں مصروف تھی کہ ایک عجیب سے احساس کے تحت مڑی۔ دیکھا تو بچپنے کی دیواریں پھلانگ کر جوانی پر قدم رکھنے والا اکمل دیوار سے ٹیک لگائے اسے تک رہا ہے۔ اس کے معصوم سے چہرے پر پھیلے گھاگ مردوں جیسے تاثرات آپس میں میل نہیں کھا رہے تھے۔

”کیا ہے رے؟“ رانی نے رعب سے پوچھا اور پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”بھرجائی سرخ رنگ تجھ پر بڑا جچ رہا ہے۔“ وہ خود کو کوئی ہیرو تصور کر رہا تھا منہ سے بلا ارادہ جملہ پھسلا۔

”اوئے، اکمل۔ تیرا دماغ تو ٹھیک ہے۔“ وہ شیرنی کی طرح پلٹی اور چپل اتار کر دیور کی ٹھیک ٹھاک پٹائی لگائی، وہ چیختا چلاتا رہ گیا۔

”ہائے اماں...... اوئے اماں، دیکھ نا بھرجائی کو مجھے بلاوجہ مار رہی ہے۔“

”ہائے تیرا ستیاناس جائے۔ ہاتھ ٹوٹیں منحوس میرے معصوم بچے پر کیوں ہاتھ اٹھایا؟“ کلو مائی چیل کی طرح اس پر جھپٹی اور دھکیل کر دور کیا۔

”اماں، اپنے بیٹے کو نکیل ڈال اور یہ جو ہر وقت موبائل سے ناک چپکائے پتا نہیں کیا کچھ دیکھتا رہتا ہے نا۔ کہیں کوئی بڑا چند نہ چڑھا دے۔ فیر تو روتی پھرے گی۔“ رانی نے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے ساس کو تنبیہ کی۔

”تو میرے بچے کی فکر نہ کر بلکہ اپنی کڑیوں کے بارے میں سوچ جو دن بھر آوارہ گلیوں میں کودتی پھرتی ہیں۔ کہیں کوئی اغوا کر کے لے گیا تو سر پر ہاتھ رکھ کر روئے گی۔“

ساس کی بات پر اس نے چونکنا ہو کر سامنے سے آتی گڈی کی طرف دیکھا۔ وہ اچانک سے اپنی

عمر سے کہیں بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا دل سہم گیا، سینے پر ہاتھ رکھ کر آسمان کی جانب مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ دماغ میں عجیب عجیب واقعات پھرنے لگے۔

☆☆☆

نازک نے میز پر کھانا لگایا اور بچیوں کو کرسیوں پر بٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کر کے شاہ کو بلانے چلی گئی۔

"آپا کہاں ہیں؟" شاہ نے شاہانہ انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے سب کا جائزہ لیا اور پوچھا۔

"میں بلانے گئی تھی مگر انہوں نے کہا سر میں درد ہے۔ وہ کھانا نہیں کھائیں گی۔" نازک نے لاپروائی سے بتایا۔

"اچھا کھانے کے بعد اپنے ہاتھ سے جا کر انہیں دوا کھلانا۔" شاہ نے بیوی کو بغور دیکھا اور تاکید کی۔

"جی اچھا۔" نازک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کبھی تم لوگ بھی جا کر بے چاری پھوپھو کے پاس جا کر بیٹھ جایا کرو۔ کمرے میں اکیلی پڑی رہتی ہیں۔" اس نے بیٹیوں کو گھورتے ہوئے پلیٹ سیدھی کی اور حکم صادر کیا۔

"شاہ، یہ لوگ جاتی تو ہیں۔ مگر......" نازک نے صفائی دینا چاہی۔

"چپ کرو۔ تم......! میں اپنی بچیوں سے بات کر رہا ہوں۔ جاؤ عانیہ، جا کر پھوپھو کا سر دباؤ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر بیوی کو خاموش کرایا اور ضد میں چھوٹی بیٹی کو بہن کے پاس بھیجا۔

"کھانا تو کھا لینے دیں۔" نازک ماں تھی بیٹی کا اترا چہرہ دیکھ کر دبے لفظوں میں حمایت جاری رکھی۔

"تھوڑا دیر سے کھا لے گی تو کوئی پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے گا...... کیوں عانیہ؟" اس نے بیوی کو گھورا پھر بیٹی سے پوچھا۔

"جی پاپا......" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عانی! تم بیٹھو، میں پھوپھو کے پاس جاتی ہوں۔" بڑی ماریہ جو سمجھ دار ہوتے ہی پھوپھو کی زیادتیوں پر کڑھنے لگی تھی ناگواری دکھاتے ہوئے اپنی کرسی دھکیلتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

"اس عورت نے تو بچیوں کو بھی میرے اور میری بہن کے خلاف کیا ہوا ہے۔" ایک منفی سوچ دماغ میں ابھری، اسے ماریہ کے تیور خوف زدہ کر دیتے تھے۔

"چلو، بسم اللہ کرو۔" نازک نے سرد آہ بھری اور سب کی پلیٹوں میں سالن نکالنے کے بعد کھانا شروع کرنے کا اشارہ کیا۔

"پسندے کیسے بنے ہیں؟" نازک نے شوہر کی پلیٹ میں دوسری روٹی رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس ٹھیک ہیں...... آپا تو اس سے بھی مزے کے پکاتی ہیں۔ تم نے جانے کون سا مسالا ڈالا ہے مزا خراب کر دیا۔"

"اچھا اس بار کریم ڈال کر نئے انداز میں پکایا ہے، سوچا آپ کو پسند آئے گا۔" اس نے شوہر کی طرف حیرت سے دیکھا۔ جو بڑی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

"اتنی مہنگائی میں تم گھر میں بیٹھے بیٹھے جو نت نئے تجربے کرنے میں چیزوں کا زیاں کرتی ہو۔ اس سے بہتر ہے آپا سے پوچھ کر پکا لیا کرو۔"

"میں نے کچھ ایکسٹرا خرچا نہیں کیا، سب کچھ گھر سے ہی نکالا ہے۔" نازک نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

"بڑی پکی عورت ہے کبھی اپنی غلطی نہیں مانے گی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے پلیٹ میں مزید سالن نکالنے لگا۔

نازک نے چڑ کر شاہ کو نظر انداز کیا اور ماحول کو خوش گوار بنانے کے لیے ڈری سہمی بیٹیوں سے ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے عانیہ کو اپنے ہاتھ سے نوالہ بنا کر کھلانا شروع کر دیا۔ اس کے ایسی شانِ بے نیازی ہی شاہ زمان کی انا پر کاری ضرب لگاتی تھی۔

☆☆☆

صباحت باہر جاری بحث سننے کے لیے دروازے سے کان لگائے کھڑی تھیں کہ دور سے آتی آہٹ پہ دوڑ کر بستر میں گھستے ہوئے بیمار بن کر لیٹ گئیں۔

''او...... ماں، سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔''
ماریہ کو آتے دیکھا تو آنکھیں موند لیں۔

''پھوپھو......! آپ کی دوائیوں کا ڈبا کہاں رکھا ہے۔'' اس نے گھستے ہی خشک انداز میں پوچھا۔

''کیوں ماریہ...... کیا بات ہے؟'' صباحت جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے کاندھے اچکائے ویسے بھی وہ پھوپھو کو زیادہ لفٹ نہیں کراتی تھی۔

''ماں کی طرح گھنی ہے بتائے گی تھوڑی۔''
جھلا کر اٹھ کر بیٹھ گئیں، پان کی طلب سے بے قرار ہو کر پاندان اپنی طرف گھسیٹا۔

''ایک منٹ رکیں، پاپا نے کہا ہے کہ آپ کو دوا کھلا دوں سر درد کی......'' اس نے ناگواری سے پھوپھو کو پان کھانے سے روکا اور کونے میں رکھا ہوا ڈبا اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ہائے ہائے...... ایسے خالی پیٹ نہیں کھائیں گے ہم۔ کچھ ہو ہوا گیا تو تم لوگوں کے تو مزے آجائیں گے۔'' پان کا بیڑہ ہاتھ میں ہی رہ گیا گھبرا کر بولیں۔

''خالی پیٹ کہاں پھوپھو، ابھی آدھا گھنٹہ پہلے تو آپ نے ممی سے ملک شیک بنوا کر پیا تھا۔'' اس نے ایک ساتھ تین چار گولیاں ہتھیلی پر نکال کر رکھیں۔
اور ایک ایک کر کے زبردستی پھوپھو کو کھلاتی چلی گئی۔ وہ برے برے منہ بناتے ہوئے دوائی کھانے پر مجبور ہو گئیں۔

''چلیں۔ کھانا کھاتے ہیں، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' ماریہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کھڑا کیا اور ڈائننگ روم کی طرف بڑھی۔ صباحت کو مجبوراً اس کی بات ماننی پڑی۔

☆☆☆

صباحت بظاہر بیمار بنے سر جھکائے دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی اندر آئیں۔ اکثر وہ ٹھیک ٹائم پر سین میں داخل ہوتیں جب میاں بیوی میں گرما گرمی عروج تک پہنچ چکی ہو۔ بہن کو آتا دیکھ کر جان بوجھ کر زور سے بولا۔

''اتنی پڑھی لکھی ہو۔ گھر میں بیٹھ کر کیوں فضول میں ماسیوں سے لگی رہتی ہو۔''

''ہاں تو کوئی غلط کام تو نہیں کرتی نا؟'' اس نے بھی چڑ کر جواب دیا۔ بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی آپا کو نازک رانی کا بولنا برا لگا۔

''کوئی کام وام کیوں نہیں ڈھونڈ لیتی ہو۔ گھر میں چار پیسے ہی کما کر لاؤ گی۔''

''روبوٹ ہوں کیا۔ دکھائی نہیں دیتا، سارا دن بغیر تنخواہ کے گھر کے کاموں میں لگی رہتی ہوں۔''

''ہاں تو کون سا احسان کرتی ہو؟''

''آپ کو مجھ پر بالکل ترس نہیں آتا، میں ٹھیک ہوں یا بیمار پڑ جاؤں۔ گھر کے کام کی چھٹی نہیں کرتی پھر بھی طعنے دے رہے ہیں۔''

''ساری عورتیں ہی ایسا کرتی ہیں۔ تم کوئی انوکھی نہیں ہو۔ مجھ سے پوچھو، میں جو تم سب کے لیے گرمی سردی میں کمانے نکلتا ہوں اس کا کیا؟''

''شاہ اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارے مرد ہی ایسا کرتے ہیں مگر میں تھک چکی ہوں اور آپ سے صرف ایک ہی چیز مانگتی ہوں۔ تھوڑی سی محبت اور مکمل اعتبار بس۔'' وہ بولتے بولتے روہانسی ہو گئی۔

''او...... ماں۔ کیا چخ چخ لگا رکھی ہے؟''
صباحت کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ماریہ جا کر ماں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

''السلام علیکم۔ آپا، کیسی طبیعت ہے۔'' شاہ نے احتراماً کھڑے ہو کر پوچھا۔

''بس منے۔ ہماری تو اللہ گزار ہی رہا ہے۔ چپ چاپ کونے میں پڑے رہتے ہیں۔'' ان کے ڈراموں پر نازک نے سر اٹھایا اور نند کو گھورا۔

''اور تم کیسی بیوی ہو؟'' اب گرم ہواؤں کا رخ بھاوج کی جانب موڑ دیا۔ ''شوہر کے آتے ہی بلاوجہ کی بحث و مباحثہ میں پڑ جاتی ہو۔ ارے چین سے دو نوالے تو کھانے دیا کرو میرے بھائی کو۔'' صباحت کو کہاں قرار بھاوج کو سناتے ہوئے شاہ کو ترس بھری نظروں سے دیکھا۔

''میں تو خیال رکھتی ہوں۔ مگر دوسروں کو بھی چاہیے کہ گھر کا ماحول ٹھیک رکھنے کے لیے جھوٹی سچی باتیں لگانے سے پرہیز کریں۔'' اس کی قوت برداشت جواب دے گئی تو چمچہ ڈش میں پٹختے ہوئے زور سے بولی۔

''ارے...... منا سن رہے ہو۔ یہ ہمیں ہی سنا رہی ہے۔'' وہ پہلے تو چور ہو گئیں پھر اتنا واویلا مچایا کہ جب تک نازک شوہر کے ہاتھوں سے بری طرح سے پٹ نہیں گئی انہیں سکون نہیں ملا۔ نازک روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ بچیاں سہم گئیں تو شاہ زمان کو اپنے رویئے پر دکھ ہوا۔ سب کا کھانا خراب کر کے صباحت مزے سے بیٹھی کھا رہی تھیں۔

☆☆☆

رانی نے گڑ ڈال کر چائے پکائی اور اس کے بعد پتیلی اتار کر نیچے رکھی اور پانی کے چھینٹے ڈال کر لکڑیوں کو بجھا دیا۔ اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

''بچیوں کو اسکول میں داخلہ کروانا پڑے گا۔ پڑھ لکھ جائیں گی تو ان کی زندگی بھی سدھر جائے گی۔'' بہت سوچ بچار کے بعد یہ ہی حل نظر آیا۔

اس نے دو پیالوں میں ساس سسر کے لیے چائے انڈیلی اور چپل گھسیٹتی ہوئی صحن میں نکل آگئی۔ دماغ بڑا بوجھل ہو رہا تھا۔

''اماں، چائے پی لے۔'' اس نے پیالہ چارپائی کے نیچے رکھتے ہوئے ساس کو بتایا۔

''چل نی، میرا سر دبا، صبح سے درد ہے۔'' سسر کو پیالہ پکڑا کر دو گھڑی چین لینے بیٹھی ہی تھی کہ کلو مائی نے حکم نامہ صادر کیا۔ اس نے چپ چاپ سرہانے بیٹھ کر ساس کا سر دبانا شروع کر دیا۔

''جانے کیسے منحوس قدم لے کر میرے گھر آئی۔ ساری خوشیاں کھا گئی۔ اچھے نوالے کو ترس گئے ہیں۔''

عادت کے مطابق کلو کی بڑبڑ شروع ہو گئی۔ وہ سر جھکائے سر دبانے میں مصروف تھی۔

''اوپر سے ایک بیٹا نہ جن سکی، پیدا بھی کی تو اپنے جیسی چار کڑیاں، ہر وقت ریں ریں کرتی رہتی ہیں۔ میرا بس چلتا تو ان کا تو پیدا ہوتے ہی گلا دبا دیتی۔ ان کا ویاہ کرتے کرتے میرا بچہ تو وخت سے پہلے بڈھا ہو جائے گا۔''

کلو مائی کی باتوں پر رانی کے اندر کالا وا ابل کر باہر آنے کو بے قرار ہوا مگر اس نے اٹھ کر کونے میں رکھے مٹکے سے ٹھنڈا پانی نکال کر پیا اور اپنے غصے پر قابو پایا۔

''اماں۔ اس عورت کی وجہ سے دنیا کی ہر خوشی مجھ سے روٹھ گئی ہے۔'' فضل دین ماں کے سرہانے بیٹھ کر لاڈ جتایا۔

میری دنیا تو میری گود ہے، اس میں بٹھا کر اپنی کڑیوں کو ایسی تعلیم و تربیت دوں گی کہ جب وہ چلیں گی تو دنیا انہیں سر اٹھا کر دیکھے گی۔'' رانی نے زمین پر لیٹی بیٹی کو گود میں اٹھایا اور اپنی کوٹھری کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

''جس کے پاؤں میں جتنی بھاری زنجیر پڑی ہو، اس کا اتنا ہی زور سے کھلی فضاؤں میں اڑنے کا من کرتا ہے۔'' نازک شاہ نے گھر سے نکلتے ہوئے نیلے آسمان کی طرف دیکھ کر سوچا اور چادر سے منہ چھپایا۔

''بعض مردوں کی وجہ سے شادی جیسا معتبر بندھن بھی پیروں میں پڑی بیڑی کی طرح تکلیف دینے لگتا ہے۔ شاہ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا تبھی کبھی نازک کا دل بھی چاہتا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو ممتا کے پروں میں چھپائے، اس گھر کے

تکلیف دہ ماحول سے کہیں دور اڑ جائے۔
بیٹی کی بات کانوں میں پڑی تو گرم توے پر روٹی ڈالتی حمیرا کے ہاتھ سے پیڑا چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ ان کے اوسان خطا ہونے لگے، چولہے کی آنچ ہلکی کرنے کے بعد انہوں نے ہاتھ میں لگا آٹا صاف کیا اور پانی کا گلاس لیے میں لاؤنج میں داخل ہوئیں۔
"کیا؟ اس نے تم کو مارا، اتنی چھوٹی سی بات پر۔" بیٹی کے گال پر سرخ نشان دیکھ کر وہ چونک گئے۔
"جی ابو۔" ہمیشہ تو باتیں سناتے تھے، مگر کل رات ان کا مجھ پر ہاتھ بھی اٹھ گیا۔" نازک شاہ نے پرنم آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا تو نصیر صاحب کے دل کو کچھ ہوا۔ ماں نے بیٹی کو پانی پلایا۔
"آپی شاہ زمان بھائی ایسے لگتے تو نہیں۔" ماہ رخ کی نگاہوں میں تشکیک ابھری۔
"ہاں وہ ایسے ہی ہیں۔ باہر والوں کو لگتا ہے ان سے اچھا اخلاق کسی کا کیا ہوگا۔" نازک نے ناراضی سے بہن کی طرف دیکھا۔ بس بہت ہو گیا، اب میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی۔" اس نے فیصلہ سنایا۔
"کیا، کیا بول رہی ہو۔ کچھ ہوش بھی ہے؟" حمیرا نے گھبرا کر سینے پر ہاتھ رکھا۔
"بہت ہو گیا۔ اماں شاہ زمان جیسے انا پرست اور کانوں کے کچے مردوں کے ساتھ گزارا آسان نہیں۔" اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ آگئی۔
"مردوں کے ساتھ گزارا، آساں کہاں ہوتا ہے بیٹا۔ چاہے وہ کتنا بھی سیدھا ہو۔ مگر عورت کو ہی سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔"
"اماں۔ ایک ہو تو برداشت کر بھی لوں، ان کی خوشامد پسند آپا نے بھی جینا مشکل کیا ہوا ہے۔"
"ہائے ری قسمت۔ تمہارا بڑی عمر کی کنواری نند سے بھی پالا پڑنا تھا۔ اس پر تمہارے ساس سسر نے مرتے وقت سب کچھ بیٹی کو گفٹ کر دیا تا کہ بھائی دب کر رہے۔" وہ سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔
"اماں...... قسمت کو کوسنے سے اچھا ہے کہ میں خود کوئی فیصلہ لے لوں۔" نازک نے ماں کی طرف باغی نگاہوں سے دیکھا۔
"فیصلہ...... کیسا فیصلہ...... پگلا گئی ہو کیا؟"
"ہائے اللہ۔ یہ آپ بیٹھے کیا سن رہے ہیں، سمجھاتے کیوں نہیں بیٹی کو؟" حمیرا نے شوہر سے مدد چاہی۔
"تم کافی نہیں ہو کیا؟" نصیر صاحب بے بسی سے مسکرائے۔
"اگر آپی کو وہاں مسئلہ ہے تو کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔" ماہ رخ تھی تو بہن۔ نازک کے آنسو اس سے برداشت نہیں ہوئے غصے میں بولی۔
"تم کون ہوتی ہو بڑوں کے بیچ میں بولنے والی۔ بہن کو سمجھانے کے بجائے بڑھاوا دے رہی ہو۔" حمیرا نے چھوٹی کو جھاڑا۔
"آپ لوگ کچھ بھی کہیں میں نے اب واپس نہیں جانا۔" نازک بھی ضد پر اڑ گئی۔
"دماغ خراب ہو گیا ہے، ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں، مگر اس کے لیے انسان اپنا گھر چھوڑ کر میکے تھوڑی بیٹھ جاتا ہے۔" حمیرا نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا۔
"ویسے اماں ایک بات پوچھوں۔ کیا، عورت کا کوئی اپنا گھر بھی ہوتا ہے؟" نازک کے پوچھنے پر دونوں میاں بیوی نے نگاہیں چرائیں۔ "خیر میں اس بار فیصلہ کر کے آئی ہوں۔ اب واپس نہیں جاؤں گی۔" اس نے زور دے کر کہا۔
"ہائے۔ ہائے! تو کیا طلاق لوگی۔ برادری میں ہماری ناک کٹوانی ہے۔ بس ایک بار شادی ہو جائے تو عمر بھر نباہ کرنا پڑتا ہے۔" حمیرا کو ایک بار پھر سے ہول اٹھے۔
"نباہنے کی ذمہ داری صرف عورتوں کے کاندھوں پر ہی کیوں ڈال دی جاتی ہے؟" اس نے ماں سے سوال کیا۔

''اپنا نہیں تو بہن کا سوچا۔ ماہ چھبیس سال کی ہوگئی ہے۔ ڈھنگ کا رشتہ نہیں مل رہا۔ تم گھر بیٹھ جاؤ گی تو اس کی شادی مزید مشکل ہو جائے گی۔''

''بیٹا۔ تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے ایک بار سوچ لو، کہیں عمر بھر رونا نہ پڑ جائے۔'' نصیر صاحب نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بیٹی کو سمجھایا۔

''ابو، پچھلے کئی سال روتے ہوئے ہی گزارے ہیں۔ مگر ساری زندگی ایسے نہیں گزار سکتی۔'' وہ بھی اپنی بات پر اڑ گئی۔

''اور بچیوں کا سوچا ہے کیا ہوگا؟'' حمیرا نے اس کی کمزور رگ کو دبایا تو جیسے جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔

''ناز۔ ایک بات تو بتاؤ۔ میں نے تمہیں اتنا پڑھایا لکھا کر۔ کس وجہ سے اس قابل بنایا، ہاں؟'' باپ کے پوچھنے پر وہ گم صم سی ہوگئی۔

''بیٹی دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بجائے اپنے پیروں پہ کھڑی ہو جاؤ، پھر دیکھنا تمہارے سامنے دنیا کیسی چھوٹی ہو جائے گی، بس کسی کی محتاج نہ رہو اور اپنی بچیوں کو بھی تعلیم و شعور دو۔ میں نے صرف تمہارا نام نازک رکھا تھا مگر اندر سے بہت مضبوط بنایا ہے یہ بات میری جھانسی کی رانی کیسے بھول سکتی ہے۔'' باپ کی بات پر اس نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا، بیٹی پر اعتماد کی چمک ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

''ابو آپ...... ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' نصیر صاحب کی بات اس کے دل میں گھر کر گئی، نگاہوں میں ماہ رخ اور بچیوں کا چہرہ آیا تو آنسو پونچھتی ہوئی ایک عزم کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور اپنے گھر جانے کے لیے چادر اوڑھنے لگی۔

''میں چھوڑ آؤں؟'' نصیر صاحب نے پوچھا۔

''نہیں ابو، میں اکیلی چلی جاؤں گی۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور اپنے سارے ڈر و خوف میکے کی دہلیز پر چھوڑ کر چل دی۔

☆☆☆

کلو مائی کی باتوں نے رانی کے اندر تک کی دنیا ہلا دی۔ بیٹی پیدا کرنے کا طعنہ سن سن کر اس کے کان پک چکے تھے، اگر کوئی بھی اونچ نیچ ہوگئی تو اس کی ساس نے بچیوں کا جینا حرام کر دینا تھا۔ اپنی دہلیز پر بیٹھی آسمان کو تک رہی تھی کہ اچانک اس کی پڑوسن صائمہ برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔

''نی کیا ہوگیا؟'' اس کے کریدنے پر رانی نے اپنے دل کا بوجھ سہیلی کے سامنے ہلکا کر دیا۔

''گھر گھر کام کرنے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔ تو ایسا کر۔ سلائی کڑھائی کا کام شروع کر۔'' اس نے کچھ سوچ کر مشورہ دیا۔

''بول تو ٹھیک رہی ہے۔ مگر اپنا کام شروع کرنے کے لیے مشین چاہیے، پھر اس غریب محلے میں کون ہوگا جو مجھ سے اجرت پر سلائی کرائے گا۔'' رانی کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''ہاں تو کسی کپڑے کی فیکٹری میں جا کر کام کر لے۔ تین شفٹ لگتی ہیں وہاں۔ اوور ٹائم بھی کرے گی تو اچھے پیسے بن جائیں گے۔ ویسے بھی۔ تیرے ہاتھ میں تو مجھ سے بھی زیادہ ہنر ہے۔'' اس نے دوسرا مشورہ دیا۔

''ہاں، تو تمہاری کوکھ سے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ بے فکر ہو کر گھر سے باہر جتنی دیر چاہے کام کرنے چلی جاتی ہے۔ شوہر، ساس بچے کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور میری بچیاں بے چاری۔ بھوکی پیاسی پیچھے مٹی میں رلتی رہتی ہیں۔ اب تو میرے دل میں دوسرے خوف بھی پیدا ہو گئے ہیں۔'' اس کے درد پر صائمہ کا دل دکھ گیا۔

''ہاں، مگر کچھ تو کرنا پڑے گا اچھی طرح سے سوچ لے۔ اور مرد بن کر۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جا۔'' صائمہ نے اس کے ہاتھوں کی پشت تھپتھپائی۔

''سوچ تو رہی ہوں۔ اگر۔ چار پیسے زیادہ ملیں گے تو بیٹیوں کو سرکاری اسکول میں ہی ڈال دوں گی۔'' اس نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلایا۔

''تم کہو تو میں اپنے صاحب سے بات کروں۔ انہیں فیکٹری میں مزید کاری گر لڑکیوں کی ضرورت ہے۔'' اس نے پوچھا تو مجبوراً رانی نے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

موبائل فون کی گھنٹی بجنے پر نازک نے ہاتھ کے اشارے سے رانی کو سلائی روکنے کا کہا۔ اس کے مشین روکنے پر۔ کال ریسیو کر کے فون کانوں سے لگایا۔

''جی۔ ماریہ بوتیک ہی ہے۔'' دوسری جانب کی بات سننے کے بعد اس نے مسکرا رانی کو دیکھا اثبات میں سر ہلایا۔

''شام کی تقریب کے لیے بہت سارے تیار ڈریسز ہیں ہمارے پاس۔'' سوالیہ نگاہوں سے رانی کی طرف دیکھا اور اس کے سر ہلانے پر جواب دیا۔

''بس آپ شام کو آجائیں اور جو پسند ہو خرید لیں۔'' جب سے اس کا بوتیک پورے شہر میں مشہور ہوا تھا چہرے کی چمک بڑھتی چلی جا رہی تھی، بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''باجی کا کام بڑھتا جا رہا ہے، مجھے بھی اوور ٹائم لگانا پڑے گا۔'' رانی نے دانت سے دھاگا توڑا اور مسکرا کر نازک کو کلائنٹ سے باتیں کرتے دیکھا۔

''دیکھیں جی مجھ سے جتنا ہو سکے گا ڈسکاؤنٹ دوں گی۔ آپ پہلے سوٹ تو پسند کر لیں۔'' اس نے پیشہ ورانہ مستعدی سے جواب دیا اور لائن کاٹ دی۔

☆☆☆

دیکھو رانی۔ اس کرتے کی کلیوں کو ایسے نہیں جوڑنا بلکہ جیسے میں بتا رہی ہوں ویسے لگانی ہیں۔'' نازک نے شیفون کے نفیس سے کپڑے پر ہاتھ رکھ اسے سمجھایا۔

''مگر باجی کرتے میں تو ہمیشہ ایسے کلیاں لگاتے ہیں۔'' رانی نے کنفیوز ہو کر اس کی جانب دیکھا۔

''یہ ہی تو سمجھانا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو نئی چیزوں کی شروعات کرنی ہوگی نا۔ پرانی سوچ کو بدلیں گے تو کچھ نیا۔ کچھ اچھا ہوگا۔ ویسے بھی تجربات سے ہی انسان سیکھتا ہے۔ اس کرتے کو نئے پیٹرن کے حساب سے سی کر دیکھو مجھے یقین ہے کلائنٹ کو پسند آئے گا۔'' نازک نے اس کے گال تھپتھپا کر سمجھایا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' اس نے نازک کے بتائے ہوئے طریقے سے ڈیزائن سیا۔ کپڑا پھیلا کر دیکھا تو مسکرا دی۔ واقعی کرتے کی خوب صورتی میں چار چاند لگ گئے تھے۔

''باجی آپ تو ہر کام میں ماہر ہیں۔'' اس کی سراہتی نگاہوں پر نازک مسکرا دی۔

''اللہ کا شکر ہے۔ اب تو آپ کے پاس دور دور سے عورتیں آنے لگی ہیں۔'' رانی نے کام ختم کرتے ہوئے سامان سمیٹا اور بولی۔

''ہاں رانی، اپنے مولا کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ مگر اس میں تمہاری ہمت اور بھی محنت شامل ہے۔ ویسے بھی تمہارے ہاتھ کی کڑھائی اور مہارت کی تو میں بھی گواہ ہوں۔'' اس نے مسکرا کر گاؤن ہینگر کرتے ہوئے نازک سے بیل بوٹوں پر ہاتھ پھیرا۔

''نہیں باجی! اگر آپ مجھے نوکری پر نہ رکھتیں تو بھلا مجھے اتنی آسانیاں کیسے ملتیں؟'' اس نے مشین پر کپڑا چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر اس دن تم کام چھوڑتے ہوئے کپڑوں کی فیکٹری میں جاب کا نہیں بتاتیں تو میرے ذہن میں یہ آئیڈیا بھلا کہاں سے آتا۔'' نازک نے بھی مسکرا کر اعتراف کیا۔

''نہیں باجی! میں آپ کا احسان ساری عمر نہیں اتار پاؤں گی۔ میری گلیوں میں پھرنے والی بچیاں نہ صرف اسکول جا رہی ہیں بلکہ سپارہ اور ٹیوشن بھی پڑھنے لگی ہیں۔'' رانی نے روتے ہوئے کہا تو نازک نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اچھا، یہ لو اس مہینے کے پیسے اور دیکھو اپنے شوہر سے چھپا کر رکھنا۔'' نازک نے جاتے جاتے خطیر رقم اس کی ہتھیلی پر رکھی تو وہ مسکرا کر اس کے گلے لگ گئی جب سے نازک نے اس کی بچیوں کو لے

جا کر اسکول میں داخلہ کرایا تھا۔ وہ اس کی مزید احسان مند ہوگئی تھی۔

☆☆☆

ہمیں شام سے پہلے کام ختم کرنا ہے۔ آرڈر پہلے ہی کافی لیٹ ہوگیا ہے۔" وہ پریشانی سے بولتی ہوئی خود بھی دوسری مشین پر بیٹھ گئی اور رانی کے ساتھ سلائی میں مصروف ہوگئی۔ شاہ اچانک دھاڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کیا شور مچا رکھا ہے۔"

"باجی، میں پانی پی کر آتی ہوں۔" رانی ڈر کے مارے بہانے سے باہر نکل گئی۔

"شاہ زمان یہ کیا حرکت ہے؟" اس نے سلائی جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ناز میں نے تم جیسی بے کہی عورت نہیں دیکھی۔"

"اب کیا کردیا ناز نے؟" اس نے مڑکر شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"پتا بھی ہے کہ آپا کے سر میں درد ہوجاتا ہے۔ مگر دن بھر تمہاری مشین کی گھر ر گھر رر کنے کا نام نہیں لیتی۔" اس نے غصے سے کہا۔

"کام ہوگا۔ تو گھر ر گھر ر بھی ہوگی۔" اس کی بے فکری شاہ کا بی پی ہائی کیے دے رہی تھی۔

"صبح سے تمہاری کھٹ پٹ لگی ہوئی ہے، پتا بھی ہے کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں چھٹی کی ہے مگر مجال ہے جو دو گھڑی پاس بیٹھ کر طبیعت پوچھ لو۔ آپا کے الگ سر میں درد ہے۔" شاہ سے بیوی کا نظر انداز کیا جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا کروں۔ ٹائم ہی نہیں ہے۔ اتنے آرڈر ملے ہیں۔ شادیوں کا سیزن جو چل رہا ہے۔" وہ مصروف انداز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں بند کرو سب اور مجھے چائے بنا کر دو بعد میں نمٹا لینا۔" اس نے بیوی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

"سوری۔ میں کام روک نہیں سکتی۔ ویسے ہی۔ کل آپا کے شور مچانے پر میں نے رانی کو جلدی گھر بھیج دیا تھا مگر مجھے آج ہر حال میں ڈیلیوری دینی ہے۔" اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے صاف جواب دیا۔

"آپ کمرے میں جا کر لیٹیں۔ میں رانی سے چائے بھجواتی ہوں۔" اس نے پیچھے سے پکارا مگر شاہ زمان گاڑی کی چابی اٹھا کر گھر سے باہر چل دیا۔ وہ دھاگا کاٹتی ہوئی لمحے بھر کو سوچ میں پڑ گئی پھر سر جھٹک کر کام میں مصروف ہوگئی۔

☆☆☆

فضلو۔ گڈی کہاں ہے؟" رانی نے گھر میں گھستے ہی بڑی بیٹی کے بارے میں پوچھا، اب وہ پہلے کے مقابلے میں جلدی واپس آجایا کرتی تھی۔

"وہ، وہ یہیں کہیں ہوگی۔" اس نے نگاہیں چرائیں اور ماں کو دیکھا۔

"ارے، جورو کے غلام ڈرتا کیوں ہے۔ بتا دے نا کہ کام پر لگا دیا ہے اسے۔" کلو مائی نے کان کھجاتے ہوئے اس پر پہاڑ توڑا۔

"کام پر لگا دیا۔" وہ ایک دم حیرت سے شوہر کو تکنے لگی۔

"ہاں، ہاں گھر میں بیٹھی مفت کی روٹیاں توڑ رہی تھی۔ اچھا ہے چار پیسے کما کر لائے گی۔"

"ظالموں۔ کہاں بھیج دیا میری معصوم بچی کو؟" وہ بے قراری سے صحن میں ٹہلنے لگی پھر شوہر کا ہاتھ دبوچ کر پوچھا۔

"اے۔ ہم کوئی دشمن نہیں ہیں۔ شیخ صاحب کے یہاں پوتا سنبھالنے کے لیے ایک کڑی کی ضرورت تھی پورے چار ہزار دے رہے ہیں مہینے کے۔" کلو نے اسے چار انگلیاں دکھاتے ہوئے خوش ہو کر بتایا۔

"مجھے نہیں کرانا نوکری۔ جا فضلو واپس لے کر آ اسے، میری بچیاں پڑھیں گی۔" رانی نے حلق کے بل چلا کر کہا تو وہ ڈر کر کھڑا ہوگیا۔

"ہائے کیا میکے سے لائی تھی۔ ہماری اولاد ہے

جو دل چاہے گا کریں گے۔'' اس کی ساس نے دانت بھینچ کر بہو کو دیکھا۔

''کیسے انسان ہو تم پہلے بیوی کو کمائی پر لگایا۔ پھر معصوم بچی کو بھی۔ ایسا کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپا۔'' اس نے شوہر پر دو ہتڑ برسانا شروع کر دیے اور گڈی کو واپس لانے کی ضد کرنے لگی مگر اس نے ماں کے اشارے پر انکار کر دیا۔

☆☆☆

شاہ زمان رات گئے گھر میں گھسا اور منہ پھلا کر بیوی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کھانے کا پوچھا تو انکار میں سر ہلا دیا۔

''بہت ہو گیا بزنس وزنس۔ بند کرو سب اور گھر پر توجہ دو۔'' اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بیوی سے مطالبہ کیا۔

''مشکل ہے۔'' وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کمرے کا پھیلاوہ سمیٹنے لگی۔

''ادھر دیکھو۔ میری طرف۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے انکار کرنے کی۔'' شاہ زمان نے پیچھے سے چلاتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

''کیوں میں آپ کو انکار نہیں کر سکتی؟ باندی ہوں، غلام ہوں آپ کی؟'' اس نے سر اونچا کر کے شوہر کی آنکھوں میں دیکھا۔

''شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ بہت زبان چلنے لگی ہے۔'' وہ اس کے بدلتے تیوروں پر تھوڑا گھبرا کر پیچھے ہوا۔

''زبان نہیں چلا رہی بلکہ آپ کو سمجھا رہی ہوں۔ نازک کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

''تم، تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی حیرت کا اظہار کیا۔

''کیوں؟ آپ کا ہی فرمان تھا نا کہ گھر میں بیٹھنے والی عورت ناکارہ، مفت کی روٹیاں توڑنے والی، فضول خرچ ہوتی ہے۔ اب جبکہ میں کام کرنے لگی ہوں۔ بلکہ میں آپ سے زیادہ کما لیتی ہوں، تو آپ کو اور آپا کو میں خود غرض، انا پرست، مغرور اپنی من مرضی کرنے والی خود سر عورت لگنے لگی ہوں۔'' اس نے سرد آہ بھر کر شوہر کو سنایا تو وہ گنگ سا اسے تکنے لگا۔

☆☆☆

رانی نے شیخانی سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کی اور غصے میں گڈی کا ہاتھ تھامے چلتے ہوئے اپنے کوارٹر کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایک طویل سانس اپنے اندر کھینچی اور ہمت کر کے کپڑے کا پردہ ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

''ہائے ہائے، واپس کیوں لے آئی؟'' ساس کے تیور بگڑنے لگے۔

''میں نے وہاں منع کر دیا ہے۔ کل سے یہ کام پر نہیں اسکول جائے گی۔ ویسے ہی اس کا آج کا حرج ہو گیا ہے۔'' اس نے سب کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا اور صحن کے بیچ میں کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

''آئے لعنت۔ ہر وقت پڑھائی پڑھائی کرتی ہے۔ گڈی کما کر دیتی تو تیری ہڈیوں کو بھی تھوڑا آرام نصیب ہوتا۔'' ساس نے ہاتھ سے لعنت دکھاتے ہوئے لالچ دیا۔

''نہیں چاہیے۔ ایسی کمائی اماں میں ان کو کیوں نہ پڑھاؤں۔'' وہ تپ کر ساس کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی۔

''پڑھ لکھ کر انہوں نے کیا کر لینا ہے۔ کون سی قسمت بدل جانی ہے۔'' کلو مائی کے منہ کے زاویے بری طرح سے بگڑے ہوئے تھے۔

''اگر اپنی طرح جاہل رکھوں گی تو ان کا ویاہ بھی کسی جواری نشئی فضلو سے ہو جائے گا۔'' اس نے ساس کے اعتراض پر تن کر جواب دیا۔

''دفع ہو جا یہاں سے منحوس عورت۔ میری اماں کے سامنے زبان چلاتی ہے۔'' اپنے پر بات آئی تو فضل دین نے گھسی ہوئی چپل پیروں سے اتاری۔

''ہاتھ توڑ دوں گی۔ اگر آئندہ ہاتھ اٹھایا۔ تم لوگوں کی غلام ہوں کیا؟'' اس نے سامنے کھڑے ہوئے شوہر کو پیچھے کی طرف دھکیلا۔ وہ گھبرا کر ماں

کے برابر میں دبک کر بیٹھ گیا۔
"نی کڑیوں پر اتنا اکڑ رہی ہے۔ کل کو سب چلی جائیں گی تو فضل دین ہی تیرا سائبان بنے گا۔" ساس کا طعنہ دل پر لگا۔
"یہ...... یہ جس دن بغیر نشے کے اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو جائے، پیر سائیں کے مزار پر جا کر دیا جلاؤں گی۔" وہ رونے والی ہوئی تو فضل دین کے دل کو کچھ ہوا۔
"رانی اتنا غرور اچھا نہیں۔ ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دوں تو تیری ٹکے کی عزت نہ ہو۔" کلو نے مٹی بھرے پیر اس کی طرف کر کے جھاڑتے ہوئے کہا۔
"اماں۔ اگر میں سن لیتی ہوں تو...... تو کچھ بھی سنا دے گی۔ میرے ماں پیو سے ہاتھ مانگنے گئی تھی تو کیا بولا تھا۔ بیٹی بنا کر رکھوں گی اور پھر نوکرانی کی طرح گھر سے کمانے کے لیے نکال کر باہر کھڑا کر دیا۔" اس نے نفرت سے کچی زمین پر تھوکا۔
"ہاں تو کیا پان پھول لے کر پوجا کرتی میں بڑی آئی جھانسی کی رانی۔" ساس کے مذاق اڑانے پر اس کا جلال بڑھ گیا۔
"بہوؤں کو کیا سمجھتی ہو۔ بچہ پیدا کرنے کی مشین۔ اگر کڑیاں پیدا ہو گئیں تو اس میں بھی بیٹے کا نہیں، بہو کا قصور ہوا۔" اس کے چلانے پر وہ سب گنگ سے رہ گئے۔
"پوتا چاہیے...... پوتا چاہیے۔ یہ سن سن کر میرے کان پک گئے اور تو نے کون سا تیر مار لیا۔ بیٹے پیدا کر کے۔ ایک سے بڑھ کر ایک نکما۔" اس کا لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا کلو کے کلیجے میں جا لگا۔
"ہائے۔ کیسے۔ بے غیرتوں کی طرح اپنی زنانی سے بے عزتی کرا رہا ہے۔" وہ چلائی۔
"فضلو بھائی۔ دیکھ کیا رہا ہے۔ اپنی جورو کو منع کر۔ کیسے اماں کو باتیں سنا رہی ہے۔" اکمل کے جوان خون نے جوش مارا مگر رانی کو اب کسی کا خوف نہ تھا۔
"سن اماں۔ اگر ایسے نکمے بیٹے ہوں جیسے تیرے ہیں تو میں بیٹی کی ماں کہلانا پسند کروں گی۔ یہ فضلو! نشے کے لیے جب بدن ٹوٹتا ہے تو بیوی کو مارتا ہے اور، حق حلال کی کمائی چرا کر بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی بچی کے دوا کے پیسے بھی ڈکار جاتا ہے۔ بے غیرت نہ ہو تو۔" اس بار شوہر کی طرف دیکھ کر زمین پر تھوکا۔
"اور اماں۔ ایک بات پوچھوں، تو کون ہے؟ ایک عورت ہی نا۔ پھر اپنی ہی ذات والیوں سے اتنی نفرت کیوں بار بار میری کڑیوں کا گلا دبانے کی بات کرتی ہو۔ اگر تجھے بھی دنیا میں آتے ہی مار دیا جاتا تو کیا ایسے ناکارہ لڑکے دنیا میں لاتی؟" بہو کی بات پر پہلی بار کلو مائی کی نظریں جھک گئیں۔
"بہو ٹھیک بولتی ہے۔ میری پوتریوں کو پڑھنے دو۔" پہلی بار اس کے سسر نے گھر کے کسی معاملے میں دلچسپی دکھائی۔
"کیا بولی تو سالی۔ ٹھہر ابھی مزا چکھاتا ہوں۔" فضل دین کی انا کو چوٹ پہنچی برداشت نہ ہوا مارنے کو آگے بڑھا۔
"چپ۔ جا کر ایک کونے میں کھڑا ہو جا۔ ورنہ اب میں اتنا کمانے لگی ہوں کہ بچیوں کے ساتھ الگ کھولی لے کر رہنے لگوں گی۔ تیری ماں کی ہی برادری میں ناک کٹ جائے گی کہ بہو نے چھوڑ دیا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر شوہر کو روکا اور روتی ہوئی چنی اور منی کو گلے سے لگا لیا۔
"میں اپنی بیٹیوں کو اسکول بھیجوں گی۔ پڑھاؤں گی۔ اگر کوئی بھی اس کے بیچ میں آیا تو تم سب کا راشن پانی بند کر دوں گی۔" اس نے ایک عزم سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو ان سب نے خاموشی رہنے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

وہ سلائی والے کمرے میں بیٹھی شرٹ پر بٹن لگا رہی تھی کہ شاہ زمان اسے ڈھونڈتا ہوا آیا اور غصے میں اس کے ہاتھ سے کپڑا چھین کر دور پھینک دیا۔
"چلو کمرے میں سونا نہیں ہے؟" نازک ا

...کا غصہ آیا مگر تحمل سے اسے سمجھایا۔
''شاہ آپ جا کر سو جائیں، مجھے صبح تک اسے
...نا ہے، دس بجے اس کی ڈیلیوری ہے۔''
''بس بہت ہو گیا۔ ختم کرو یہ تماشا۔'' وہ غصے
سے آگے بڑھا مگر بیوی کی بے خوفی پر ٹھٹک کر رک
گیا۔
''اب ایسا نہیں چلے گا کہ جب آپ کہیں میں
کام کروں اور جب آپ لوگوں کا دل نہ چاہے تو
سب کچھ لپیٹ کر رکھ دوں۔'' تو نازک نے ہاتھ اٹھا
کر اسے وارننگ دی۔
''تمہیں پتا ہے نا یہ گھر آپا کا ہے۔'' اس نے
...تے ہوئے پرانا ڈراوا دیا۔
''شاہ اس میں آپ کے ابا اماں کا قصور ہے،
جنہوں نے بیٹی کی محبت میں ناانصافی کی مگر اس ایک
...ہ نے مجھ میں اتنی ہمت بخشی ہے کہ میں اب اپنا
اور بچیوں کا خرچا اٹھانے کے قابل ہو گئی ہوں۔ آپ
دونوں بھائی بہن زیادہ تنگ کریں گے۔'' آپا کے
گھر'' سے اپنی بیٹیوں کو لے کہیں اور شفٹ ہو جاؤں
گی۔'' وہ پُراعتماد انداز میں بولتی ہوئی مشین پر جا بیٹھی
اور گھر گھر کر کے شرٹ کی سلائی شروع کر دی۔ شاہ
زمان مشین کے گھومتے ہوئے پہیہ کو تکنے لگا۔ اسے
لگا وقت کا پہیہ بھی بدل چکا ہے۔ اس کے سامنے بیٹھی
نازک ... کمزور نہیں رہی۔ وہ سر جھکا کر سوچ میں گم
ہو گیا۔ بیوی کا یہ روپ اس کی انا پر ضرب لگائے
جا رہا تھا۔ شوہر کا جھکا ہوا سر دیکھ کر نازک کے دل کو
کچھ ہوا۔ کچھ بھی تھا اس نے شاہ کو بہت چاہا تھا اور وہ
...ہمیشہ سر اٹھا کر چلتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔
''شاہ ایک بات کہوں، کبھی کبھی میں سوچتی
...ں کہ بیوی کو آپ لوگ انسان کا درجہ بھی دیتے ہیں
...یں، عورت کا شوہر اچھا نہ بھی ہو تو سمجھوتا کرتے
...تے پوری زندگی سسرال میں گزار دیتی ہے۔ تنکا
...اکٹھا کر کے خاندان کو جوڑے رکھتی ہے مگر منہ
سے آواز نہیں نکالتی۔ اور آپ اگر بیوی پسند نہ آئے تو
طلاق کا پروانہ پکڑا دیتے ہیں۔ دوسری شادی کی
دھمکیاں دیتے ہیں۔ مذہب کا استعمال صرف حقوق
کے لیے ہی کیوں کیا جاتا ہے۔ جہاں اپنے فرائض
کی بات آتی ہے، دین بھول جاتا ہے۔ قصور نہ
ہوتے ہوئے بھی بیٹی کی پیدائش پر منہ بن جاتا ہے۔
اور بیٹا نہ پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی عورت کے
کاندھوں پر ڈال دی جاتی ہے۔'' اس نے اٹھ کر شاہ
زمان کا ہاتھ تھاما اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔
''آئی، ایم ساری۔ ناز!'' شاہ نے اس کا ہاتھ
مضبوطی سے تھام لیا، جیسے ڈر ہو کے کہیں وہ اسے سچ
مچ چھوڑ کر نہ چلی جائے۔
''ہم پر اتنی ذمہ داری ڈال دی ہے تو محبت
میں تھوڑی سی حصہ داری بھی دے دیں۔'' وہ اس کا
ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے دلکشی سے مسکرائی۔
''مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارے اور اپنی
بچیوں کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔'' وہ جانے کیوں
مسلسل معافی مانگ رہا تھا، جبکہ نازک تو اس سے
بالکل بھی ناراض نہیں تھی۔
''ایک بات بتاؤں۔ بیٹیاں بری نہیں
ہوتیں۔ لوگوں کی سوچ بری ہوتی ہے۔ اسے کچلنے کی
ضرورت ہے۔ دیکھیے گا ہماری بچیاں۔ بڑھاپے میں
بیٹوں سے زیادہ ہمارا خیال رکھیں گی مگر اس وقت تک
ہمیں ان کا خیال رکھنا ہے، اچھی تعلیم و تربیت دینی
ہے، انہیں کسی قابل بنانا ہے جس کے لیے مجھے آپ
کے ساتھ کی ضرورت ہے۔''
نازک نے مسکرا کر شوہر کی طرف اپنا ہاتھ ایک
بار پھر بڑھایا تو وہ ایک ٹرانس میں چلا گیا اور نازک کا
ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا لیا۔
''او ماں، منا تو ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔''
صباحت جو دروازے کی درز سے جھانک رہی تھیں،
شکست کی کیفیت میں مبتلا ہو کر مڑیں تو چونک گئیں۔
''چلیں پھوپھو آپ کو ملک شیک پلاتی ہوں۔''
ماریہ جو والدین کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر سرشار ہو رہی
تھی، صباحت کو پکڑ کر زبردستی وہاں سے لے گئی۔
☆☆

ارم اقصیٰ



''اری اوکلموہی! منحوس ماری اٹھ جا پانی پلا دے مجھے.....'' دادی نے ایک ہی سانس میں تیسری مرتبہ اسے پکارا۔

''دادی! پانی تو پلا دیتی ہوں پر میں کلموہی یا منحوس ماری نہیں ہوں۔'' چھ سالہ سمنا نے اپنی دانست میں وارننگ دی تھی۔

''اچھا..... پر وہ کیسے؟'' دادی نے ناک پہ انگلی رکھ کے ٹھٹھا اڑایا۔

''دیکھ دادی! میں بھی لڑکی ہوں آپ بھی...... اگر میں منحوس ماری ہوں تو آپ بھی منحوس ماری ہو پھر.....'' اس نے بڑے گر کی بات بتائی۔

''چھ بھائی ہوئے تھے میرے بعد...... اور تو چار بہنوں کا پرمٹ بھی ساتھ لیتی آئی تھی۔'' دادی کے لہجے میں فخر و تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

''دادی! آپ اتنی ہی کرموں والی تھیں تو میرے لیے بھائی مانگ لیتیں۔ آپ کی بھی نہ سنی اللہ نے......''

''سمنا! ادھر آ......'' دادی کا ہاتھ جوتے کی طرف بڑھتا دیکھ کر امی نے پکارا۔ ''یہ انعم اور صنم کو سنبھال ذرا میں ہنڈیا چڑھا لوں۔''

''امی — اک بات بتاؤ......''

''ہوں......'' وہ اسی مصروف انداز میں بولیں۔

''میں آپ کی بیٹی ہوں یا آپ کی بیٹیوں کی ماں...... ہر وقت مجھے ہی سنبھالنی پڑتی ہیں۔'' وہ تنک کے بولی۔

''تیری زبان زیادہ ہی چلنے لگی ہے کمبخت......''

امی نے کمر میں ایک دھموکا جڑا...... ابھی جو دادی سے زبان چلا رہی تھی تیرے باپ کو دس ساتھ لگا کے بتائے گی اور تو اسی طرح بڑوں کے آگے بولتی رہی تو سانپ بچھو بھرے جائیں گے منہ میں قبر میں اور زبان...... یہ تو اژدھا بن کے لپٹے گی۔'' مارنے کے ساتھ ساتھ دھمکا بھی رہی تھیں۔

سانپ، بچھو، اژدھے...... چھ سالہ ذہن کی رسائی انہی تصوراتی الفاظ کے گرد گھوم رہی تھی۔

☆☆☆

ان کے ہمسائے اور کزن سندس کی بارات دروازے پہ کھڑی تھی۔ سمنا نے پردے میں اوٹ میں ہو کر ہونٹوں پہ سرخی رگڑی...... آنکھیں بند کر کے ایک ایک انگلی آنکھوں پر بھی پھیر لی۔ عمر کا تقاضا تھا مگر امی اور دادی کہاں اجازت دیتی تھیں...... دودھ پلائی کی رسم میں سہیلیوں بالیوں پیچھے کھڑے امی نے اسے دیکھ لیا تھا اور دادی نے تو پہلے ہی دیکھ لیا تھا...... کہنے کو دادی کی نظر کمزور تھی مگر ایسے معاملات میں عقاب سی تھی۔

اس نے وہیں کھڑے کھڑے دوپٹے کے پلو سے ہونٹ رگڑے۔ مگر وہ جانتی تھی گھر جا کر دھلائی پکی تھی...... اور اماں اور دادی کی زبانیں الاماں...... اور اس کے کھاتے میں تو قصور بھی بہت بڑا تھا۔ ایک تو خود لڑکی ذات پیدا ہوئی۔ پیچھے چار اور بہنوں کی آمد بھی اسی کے کھاتے میں ڈالی جاتی۔

گھر آتے اس نے رگڑ رگڑ کر منہ دھویا اور اندر کمرے میں ہی دبک گئی۔ ذرا دیر ہی گزری تھی کہ

دادی کی پاٹ دار آواز آئی۔

''تو دیکھ لینا صبورا! یہ لڑکی ضرور کوئی نیا چن چڑھائے گی۔ جس کی ٹور (چال) ہی اچھی نہ ہو۔ وہ کام خاک اچھے کرے گی۔ دیکھا تھا کیسے ہونٹ رنگے بے حیاؤں کی طرح گھوم رہی تھی۔ تیرا اور اصغر کا ذرا جو کنٹرول ہو اس بد بخت پر......''

''سمنا! او سمنا......'' وہ مرے مرے قدموں سے باہر نکلی جاتی تھی یا ہر نہ نکلی تو امی نے اندر آ کر ہی دھلائی کر دینی تھی۔

امی کو دیکھتے ہی ایک خوف ناک چیخ ماری۔ سمنا کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو رہا تھا۔ امی لپک کے آئیں دادی نے وہیں سے ہاتھ جھلایا۔

''ارے مکر کر رہی ہے۔''

مگر اس کا پورا جسم خوف سے نیلا پڑ رہا تھا اور بے حد خوف زدہ دکھائی پڑتی تھی۔ وقفے وقفے سے چیخ بھی رہی تھی...... ایک آدھ گھنٹہ تو دادی ڈھونگ سمجھتی رہیں۔ پر اس کی حالت کی سنگینی دیکھ کے گھبرا گئیں۔

آ گیا ناں جن پریت کا اثر...... ارے اسی دن کے لیے منع کرتی تھی نہ سجا بنا کرے...... کنواری لڑکیوں کا کیا حق سجنے سنورنے کا۔''

شام تک دادی ہولتی رہیں۔ امی اس کے ہاتھ پاؤں مسلتی رہیں رات تک حالت تو بہتر ہو گئی تھی مگر بخار ہو رہا...... سارے میں، پھیل گئی تھی کہ سمنا پہ بھوت پریت کا اثر ہو گیا ہے۔ جو بھی دیکھنے پوچھنے آیا ساتھ مشوروں کے ٹوکرے لایا۔ اگلے دن حالت بہتر ہو گئی مگر وہ منہ سے پھوٹ کے نہ دی کہ اسے کیا ہوا تھا یا کیا نظر آیا تھا۔

☆☆☆

سترہویں دن بعد پھر سے اس کی حالت خراب ہو گئی صبح سے ٹھیک پھر رہی تھی۔ چھوٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی امی دن بھر اس کی ساتھ لگی رہیں۔ سب کے لیے ناشتا بنایا۔ گھر صاف ستھرا کیا، سب کے کپڑے دھوئے...... شام کو کھانا بنانے بیٹھی نمک والے ڈبے سے ڈھکن میں نمک ڈال رہی تھی کہ پورا کا پورا ڈبا ہنڈیا میں گر گیا...... سالن جتنا کڑوا تھا ابا کا مزاج اس سے دوگنا تھا۔ سبزی کا شاپر ابھی صبح ہی تو انہوں نے امی کے آگے پھینکا تھا۔

''سو روپے کلو ہیں بینگن۔'' امی منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر رہ گئیں۔

''تجھے اور تیری ڈھیروں بیٹیوں کو پالتا میرا بیٹا بے چارہ بوڑھا ہی ہو گیا ہے۔''

اور اب امی نے تو زندہ ہی گاڑ دینا تھا۔ رہی سہی جان بخشی تو دادی اور ابا سنگسار کرنے کو موجود ہوتے۔ سمنا کی حالت غیر ہونے لگی ہاتھ پاؤں عجیب طریقے مڑنے لگے آنکھیں ابل کر یا ہر آنے کو بے تاب تھیں۔ پورے وجود پہ کپکپی طاری تھی۔

صنم نے اس کی حالت دیکھی تو امی کو بتانے



بھاگی۔ امی کو دیکھتے وہ زور زور سے چیخنے لگی۔ ہمہ وقت تخت پہ براجمان دادی بھاگی آئیں...... امی اور دادی دونوں کو اسے سنبھالنے میں دانتوں پسینہ آ گیا۔ دونوں کو دیکھتے وہ خوف سے چیختی جاتی۔ امی بتاتے بتاتے ہلکان ہوئیں کہ میں تمہاری امی ہوں۔ لیکن چیخ چیخ کے اس کا گلا بیٹھ گیا۔ آس پاس کے لوگ سب اکٹھے ہو گئے۔ اسے صحن میں ایک کونے میں چارپائی پہ لٹا دیا گیا دو تین گھنٹے بعد اس کی حالت نارمل ہونے لگی اس رات کسی نے بھی کھانا نہ کھایا۔ اس دن کے واقعے کی کڑواہٹ ابا کے مزاج پہ حاوی رہی تھی۔

☆☆☆

اک تسلسل سے اس کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ کسی پیر فقیر کو دکھانے پہ وہ آمادہ نہ تھی اور ڈاکٹر کے پاس ایسا علاج کہاں (ان کی دانست) میں......

اگلی بار اس کی طبیعت خراب ہوتے ہی ابا نے ایک کال ملائی تھی، پیر کرم اللہ صاحب آدھے گھنٹے میں ہی پہنچ گئے۔ صحن میں چٹائی پہ سمنا کو لٹایا گیا تھا اور قریب پیر صاحب دوزانو بیٹھے تسبیح گھماتے زیرلب پڑھتے اور سمنا پہ پھونکتے جاتے۔

''بتا کیا نظر آتا ہے تجھے؟'' ایک لمبی سی پھونک مارنے کے بعد انہوں نے پوچھا۔

''بتا......'' پیر صاحب نے انتہائی بارعب انداز میں دوبارہ پوچھا۔

''اژدھے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولی۔

پیر صاحب نے دوبارہ عمل پڑھ کے پھونکا۔

''بہت بڑا جن ہے، اژدھا جیسا شکل میں ظاہر ہوتا ہے بچی پر۔ فی الحال تو عمل کیا ہے فرق نہ پڑا تو کوئی سخت عمل کر کے نکالنا پڑے گا۔ دوبارہ بچی کی طبیعت خراب ہو تو کالا مرغا ذبح کر کے کالی مرچ میں بھون کے رکھنا۔'' پیر صاحب جاتے جاتے ہدایت کر گئے۔

''کالا مرغا اور پھر کالا بکرا کالی مرچ اور دیسی گھی میں بھنتا رہا مگر سمنا کو کوئی فرق نہ ہوا۔''

''نکلو تم...... چھوڑ بچی کی جان۔'' پیر صاحب بچی کی جان مٹھی میں کیے جلالی انداز سے چیخ رہے تھے انگلیوں کے درمیان موٹا ڈنڈا پھنسا کر دبایا۔ الٹے ہاتھوں پہ ڈنڈے برسائے...... بالوں سے نوچا گیا۔

جن تو کیا جا پاتا، سمنا البتہ بے ہوش ہو گئی۔ اور ہوش آنے کے بعد بڑا عرصہ بے حال رہی۔ اپنے ہاتھ سے لقمہ توڑ کے بھی منہ میں نہ ڈالا جاتا تھا ایک دو پیر اور آزمائے گئے مگر مگر نتیجہ وہی رہا۔

''امی مجھے دم کر دیا کرو آپ خود ہی مگر آئندہ کسی پیر کو نہ بلوانا۔'' وہ امی کے آگے رو پڑی تھی اس مسئلے کا حل شادی نکالا گیا ویسے بھی اٹھارہ سال کی تو وہ ہو چکی تھی۔ سارے میں تو اس کی بیماری کی خبر پھیلی ہوئی تھی اچھا رشتہ کہاں سے آتا؟ بیماری نہ بھی ہوتی تو ایسے گھروں میں اچھے رشتے کہاں۔ باپ فروٹ کی ریڑھی لگاتا، کرائے کا تین مرلے کا گھر اور پانچ بچیاں۔ نہ جہیز۔ نہ پہناوُنیاں، لوگ سنتے ہی بدک جاتے۔

آخر ایک رشتہ آ ہی گیا باقر حسین کا...... پسند وہاں ہوتی جہاں چوائسز ہوتی ہیں یہاں تو آ جانا ہی غنیمت تھا۔ برف کی فیکٹری میں ملازم تھا۔ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی اور ماں کا اکلوتا سہارا۔ بہنیں بیاہی ہوئی تھیں۔ ایک اسی گلی میں ایک اسی محلے اور ایک اسی شہر میں۔

☆☆☆

شادی کا چوتھا ماہ تھا اور خوشخبری کا تیسرا جب اسے پھر سے دورہ پڑا۔ باقر کے تینوں بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ کھاپی کے اب ماں کے کمرے میں گپ شپ لگا رہی تھیں۔ موضوع سمنا کی ذات تھی اس کی کاہلی تھی اور ہڈحرامی بھی۔ چار گز کے صحن میں آوازیں بھنبھناتی پھرتی تھیں۔ سمنا کو لگ رہا تھا اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے وہ بیٹھے سے اٹھ گئی اور چلنے لگی مگر ہاتھوں کی لرزش بڑھتی ہی گئی کولر سے گلاس میں پانی ڈالنا چاہا مگر اس سے ڈالا ہی نہ گیا۔ تبھی منجھلی نند اندر سے نکلی تو اسے دیکھ کے سمنا کی آنکھیں ابل پڑیں۔ خوف کے مارے جسم نیلا پڑ گیا اور وہ چیختی ہوئی

نیچے لیٹ گئی۔ اس کی تینوں نندیں اور ساس بری طرح خوف زدہ ہوگئیں۔ سب جلدی سے اسی گلی میں رہنے والی نند کے گھر چلی گئیں۔ تین چار گھنٹے بعد اس کی حالت سنبھلی تو نقاہت کے بارے برا حال تھا۔

''پانی......'' وہ کراہ رہی تھی۔ مگر کوئی ہوتا تو دو گھونٹ پلاتا۔ باقر حسین پہلے بھی اکثر رات باہر ہی گزار آتا اس رات ساس بھی گزار آئی۔ بڑی مشکل سے وہ اٹھی دو گھونٹ گلے میں ٹپکائے اور وہیں فرش پہ پڑ رہی۔

یہاں بھی اس کی یہی صورت حال تھی مگر یہاں کوئی پیر کو نہ بلاتا تھا بلکہ سب خود گھر سے چلے جاتے تھے۔ باقر عادی جواری اور نشئی تھا۔ یہاں بھی اس کے قصوروں کے کھاتے کھلے ہوئے تھے جن میں سرفہرست باقر کو ٹھیک نہ کرسکتا تھا۔

دو بچے ہوگئے تھے سمنا کے، رحیم اور بیٹی ارحم۔ مگر باقر ابھی بھی ویسی کا ویسا ہی تھا۔ کبھی کما لاتا تو گھر میں چولہا جل جاتا ورنہ سمنا اور بچے فاقے کرتے اور ساس بیٹی کے گھر سے کھا آتی...... بیچ بیچ میں سمنا کو دورے بھی پڑتے رہتے باقر گھر ہوتا تو دھنک کے رکھ دیتا۔

ہمسائی اس پر ترس کھا کر فیکٹری سے کام لا دیتی شرٹس جن کی ترپائی اور بٹن لگانا ہوتے وہ اصرار کرتی کہ سمنا فیکٹری میں کام کرے مگر اس بات کی اجازت نہ اس کی ساس دیتی نہ شوہر۔ ان کی غیرت پہ حرف آتا تھا۔

کچھ مزید سال اسی طرح سرکے دو اور بچے آ گئے۔ باقر اور زیادہ باہر رہنے اور نشہ کرنے لگا۔ کثرت خمر سے اس کی طبیعت اکثر خراب رہنے لگی تھی۔ ایک دن نشہ کی حالت میں بے حال گھر آیا تین دن بے ہوش پڑا رہنے کے بعد فوت ہوگیا۔ ایک اور جرم اس کے حصے میں آیا تھا کہ باقر کو سدھار نہ سکی۔ ساس نے عدت بھی پوری نہ کرنے دی اور نکال باہر کیا یہ کہتے کہ میرے لیے تم سب بھی وہیں گئے جہاں میرا بیٹا گیا۔

☆☆☆

ماں باپ کی اپنی پوری نہ پڑتی تھی۔ سو ایک چھوٹ سا کچا پکا سا گھر کرائے پہ لیا۔ بچوں کو گورنمنٹ اسکول میں ڈالا اور ایک فیکٹری میں ملازم ہوگئی۔ اب وہ کسی کی غیرت نہ رہی تھی نہ کسی کی غیرت پہ حرف آتا تھا۔ آس پڑوس کے کام بھی کر دیا کرتی تھی۔ رحیم دس سال کا ہو رہا تھا وہ بھی مدد کر دیا کرتا۔ دال دلیہ چل رہا تھا۔

کافی عرصہ ہی ہوگیا طبیعت خراب نہ ہوئی تھی۔ کوئی دورہ نہ پڑا تھا۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ آخر ہوتا کیا تھا اسے۔ آٹا گوندھتے اس کے ہاتھ رکے اور ذہن میں مناظر چلنے لگے۔ بڑے بڑے اژدھے ایک دم سے نکلنا شروع ہو جاتے تھے۔ نکلتے ہمیشہ منہ سے تھے شادی سے پہلے دادی کے ابا کے اور امی کے منہ سے نکلا کرتے تھے۔ اور شادی کے بعد ساس، نندوں کے منہ سے اور باقر کے تو منہ کے علاوہ ہاتھوں سے بھی نکلا کرتے تھے۔ بڑے بڑے دوشاخہ زبانیں لہراتے ہوئے سمنا کی جانب تیزی سے لپکتے ہوئے۔

ابھی کل ہی تو سرراہ سندس ملی تھی پوچھ رہی تھی۔

''اب ٹھیک رہتی ہو سمنا۔ اب تو نہیں بیمار پڑتیں۔''

''بیمار میں تھی ہی کب؟'' بیمار تو وہ سب تھے۔ میرے اپنے جو خوب صورت چہروں اور خوب صورت ترین رشتوں کے اندر اژدھے پالے بیٹھے تھے لمبے لمبے دوشاخہ زبانوں والے......لہراتے ہوئے لپکنے کو تیار۔ باتوں کے اندر چھپے۔ زبان میں گھسے بیٹھے۔ کوئی جن بھوت ہوتے تو کالا مرغا یا کالا بکرا کھانے کے بعد پیر صاحب کے ہاتھ بھی آجاتے...... مگر یہ تو اژدھے تھے لہراتے اژدھے جنہیں خود انسان کنٹرول کرے تو کرے...... باقی کسی کے بس کی بات نہیں۔''

☆☆

فرح بخاری

کنارِ خواب جو

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:

سوار حسن کو کچھ عجیب سے حالات میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑنا پڑا اور وہ خالی جیب منتشر دماغ لیے بنا سوچے مری کی کوسٹر میں بیٹھ گیا۔ مری میں ایک معمولی ڈھابے کے مالک میاں نذر اسے ایک مہربان دوست کی صورت میں ملے، میاں جی کے توسط سے سوار کو ایک ہوٹل میں مہینے بھر کے لیے ریسپشنسٹ کی جاب مل گئی۔ ہوٹل کے مینیجر رفیق احمد کی بیٹی کنعان کالج میں پڑھتی ہے۔ ماضی کے کسی واقعے نے اسے محبت سے سخت بدگمان کر رکھا ہے۔ لیکن سوار سے پہلی ملاقات ہی اس کے دل کی دنیا کو پریشان کن حد تک تبدیل کر دیتی ہے۔

ثمامہ ایک طرح دار جوان بیوہ ہے جس نے مرحوم شوہر کی جائیداد سے مری میں نیا فائیو اسٹار ہوٹل کھولا ہے۔ وہ بھی مری میں نو وارد ہے۔

شازمہ جس نئے محلے میں اپنے شوہر کے ساتھ شفٹ ہوئی ہے وہاں تنہائی اور اکیلا پن اس کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا کیونکہ شوہر اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں۔

ثمامہ کو ہوٹل کے افتتاح میں کچھ مسائل کا سامنا ہے۔

رفیق احمد کے پیر میں سیڑھیاں اترتے شدید فریکچر آ گیا۔ سوار نے ان کی بہت مدد کی۔ شازمہ کی محلے میں آمنہ بھابی سے دوستی ہوئی جو کہ مولوی فیض الحسن کی بہو ہیں۔



ثمامہ نے مری کے راستوں پر سوار کو دیکھا، یہ اس کا سوار سے دوسرا سامنا تھا اور معلوم نہیں کیوں لیکن وہ اسے بہت خاص لگا۔
کنعان کی رابعہ پھوپھو ان کے گھر آئیں تو کنعان کے پکائے بدمزا کھانوں کی وجہ سے دیا اور کنعان دونوں کا داخلہ کوکنگ اسکول میں کروا آئیں کنعان نے وہاں پر سوار کو دیکھ کر خوشی محسوس کی۔

مکمل ناول



سوار کی جاب ازمیر ہوٹل سے ختم ہوئی تو ثمامہ نے اسے "پیٹران" میں مینیجر کی پوسٹ پر اپوائنٹ کرلیا۔ سوار علی پہلی ملاقات میں ہی اسے پسند آ گیا تھا۔

رفیق سر کی طبیعت خراب ہوئی تو سوار ہاسپٹل آیا۔ واپسی میں جس ٹیکسی میں وہ کنعان کو گھر چھوڑنے آیا اس کے ڈرائیور نے کنعان کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کیں۔ کنعان نے اپنی صفائی میں اپنی بہن کی کہانی سنائی کہ کس طرح اس کی بہن نے گھر سے بھاگنے کی کوشش کی تھی اور کنعان اس کا پیچھا کر کے جس ٹیکسی میں واپس اسے گھر لائی، وہ یہی ٹیکسی والا تھا۔ بہن کی شادی تو کر دی گئی لیکن امی نے مرتے وقت اس سے وعدہ لیا کہ وہ بھی کسی کی محبت میں گرفتار نہیں ہو گی لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکی۔

وقاص کی ملاقات شازمہ سے کاغان میں ہوئی جہاں اس نے شازمہ کو اپنی گاڑی میں لفٹ دی تھی۔ یہیں سے ان کی دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ وقاص نے اس کو اپنے شادی شدہ ہونے کا نہیں بتایا تھا۔ شازمہ کے باپ نے اس کا رشتہ اپنے جیسے سفید پوش گھرانے میں کر رکھا تھا جو اس کو پسند نہیں تھا۔ اسے وقاص اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر آیا۔ کاغان سے واپس آنے کے بعد وقاص کی بات چیت شازمہ سے ہوتی رہی بالآخر ایک دن شازمہ اپنے گھر سے بھاگ کر وقاص کے شہر آ گئی۔ وقاص کے پاس سوائے اسے اپنانے کے کوئی چارہ نہ رہا۔

شازمہ کو وقاص کی پہلی شادی کے بارے میں علم ہو گیا اور اس کی لڑائی وقاص سے ہو جاتی ہے۔

ساتویں قسط

اس کی قسمت بھی عجیب تھی۔ زندگی کے ہر اہم موڑ پر ہر اہم فیصلہ اسے ہمیشہ اپنے بل پر کرنا پڑا۔ کسی سے مشورہ تک کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی کہ ارد گرد والے تو اپنے معاملات میں بھی اسی کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے۔

ابا کی وفات کے بعد گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لینے کے فیصلے سے لے کر ولید جہانگیر کی ٹیبل پر استعفیٰ پھینکنے، علیم الدین سے شادی کرنے اور بیوگی کے بعد جائیداد سوتیلے بیٹے کے ہاتھوں فروخت کرنے پھر مری میں ہوٹل کی بنیاد رکھ کر زندگی کے نئے رنگ سے آشنا ہونے تک۔

ہر فیصلہ اس نے ہمیشہ اپنے بل پر کیا تھا۔ بہت سے موقعوں پر وہ کمزور بھی پڑی، کنفیوژ بھی ہوئی لیکن پہلی مرتبہ وہ اپنے دل و دماغ کے ایسے بے ساختہ پن سے پریشان ہوئی تھی۔ محبت ولید جہانگیر سے بھی بڑی فطری سی تھی لیکن تب وہ سنگل تھی اور صرف جذبات کی رو میں بہہ رہی تھی، پھر علیم الدین کی موت کے بعد چار سالوں میں جیسے ایک مردہی بن گئی تھی۔ جذبات سے عاری ایک برف کی سل جسے کبھی پگھلنا نہیں تھا، لیکن وہ بھول گئی تھی کہ موسم بدلنے پر تو پہاڑوں پر جمی برف بھی پگھلنے لگتی ہے۔

اس دل کی رُت نے بھی مدت بعد ایک خوش کن انگڑائی لی تھی۔ برسوں بعد ایک چہرا پسند آیا تھا۔ علیم الدین محبت نہیں مصالحت تھا۔ دل کی دستک کچھ اور ہوتی ہے۔ پہلے ولید جہانگیر اور اب سوار علی۔ جسے زندگی میں شامل کرنے کا حتمی فیصلہ کرتے اب یہ سوچ کر نروس ہو رہی تھی کہ اس پہ ظاہر کیسے کرے۔ دل و دماغ کی کشمکش میں دل کہتا آگے بڑھو اور خود ہی پہل کر دو، جبکہ دماغ کہتا وہ مرد ہے وہ آگے بڑھے۔

جیسے کمہار چکنی مٹی سے کھیلتے بالآخر اسے اپنی مرضی کی شکل میں ڈھال لیتا ہے وہ بھی، حالات کو اپنے حق میں کر لینے کا فن خوب جانتی تھی۔ اس بار مقابل البتہ سوار تھا، اب تک کے وقت میں جس نے ثمامہ کے کسی ایک اشارے کا بھی توقع سے بڑھ کر تو کجا توقع کے مطابق بھی رسپانس نہیں دیا تھا۔ اور یہ کھینچا تانی ثمامہ کو مزید اکسا رہی تھی، جیت لینے کی تحریک کو کچھ اور بھڑکا رہی تھی۔ ایسا تو ولید کی مرتبہ بھی نہیں ہوا، اور شاید اس لیے کیونکہ ولید کی دھوکا دہی

ہر راستہ بند ہونے کے بعد کھلی تھی، جبکہ یہاں۔ ثمامہ کو اس کی ضد اس کا جذبہ اُبھار رہا تھا کہ راستہ اسے خود بنانا ہے۔ بس اب اچھے اور مناسب وقت کا انتظار تھا، پھر سماجی حلقوں میں وہ بڑے فخر سے اپنے وجیہہ اور خوبرو شوہر کو متعارف کروائے گی، اس کا من پسند، فرماں بردار شوہر جو ہوٹل کا مالک بن کر اس کی تمام ذمہ داریوں نہایت خوش اسلوبی سے اپنے مضبوط کندھوں پر اٹھا لے گا۔ جس کی نظروں میں شکر گزاری اور ممنونیت ہوگی کہ ثمامہ نے اسے کسی قابل سمجھ کر اپنی زندگی اپنی دولت کا مالک بنایا، اور وہ احسان کرنے والوں جیسی تمکنت لیے اس حسین شہزادے کو محبت سے دیکھے گی۔

علیم الدین کی واجبی سی شخصیت اور عمر کی تفاوت نے زندگی میں ایک خلا سا پیدا کر دیا تھا۔ اور اب علیم کے گزر جانے کے بعد وہ اس خلا کو نہ عجلت میں پُر کرے گی نہ کسی مصلحت کے تحت۔ کیونکہ حسن اور جوانی کے ساتھ اب وہ دولت مند بھی تھی اور اپنی خواہش کے حصول پر بے دریغ لٹا سکتی تھی۔

گلاس وال پر لحظہ گرتی اوس کو انگلیوں سے چھونے کی کوشش کرتے یہ ثمامہ کی حتمی سوچ اور نیا نیا عزم تھا۔ لیکن شیشے کی دوسری جانب چمکتے ہوئے شبنم کے وہ قطرے اس کی پوروں کو نم نہ کر سکے، کہ اوس کے قطرے نظر تو آ سکتے تھے محسوس نہیں کیے جا سکتے تھے۔

☆☆☆

"بیس دن بعد میرا کیا ہوگا کنعان؟"

"بیس دن بعد؟" کنعان نے گال پہ انگلی بجا کر سوچا۔ "بیس دن بعد تو ہمیں سرٹیفکیٹ جاری کیے جائیں گے۔ پھر ہمیں سرٹیفائیڈ شیف تسلیم کر لیا جائے گا اور ہم بڑے اعتماد سے کچن میں داخل ہو کر اشیائے خورونوش سے چھیڑ چھاڑ کیا کریں گے، تب......"

"بس بھی کرو، میری جان پہ بنی ہے، تمہیں سرٹیفکیٹ کی پڑی ہے۔ ہاہ۔" سوار نے خیال آنے پر ایک ہوک بھری۔ "روز کی ملاقات، دیکھنا، ساتھ آنا جانا، کتنا خوش کن کتنا حسین تھا۔ پانچ ماہ کی روٹین جیسی عادت کو ایک دم ترک کر دینا کتنا تکلیف دہ ہوگا۔

کنعان اس بار چپ بیٹھی صرف اسے سننے لگی۔ وہ کب اتنے کھل کر کچھ کہتا تھا۔ اب کہنے لگا تھا تو سننا کتنا خوب صورت تھا۔ اس نے مسکرا کر کمرے کا دروازہ ہلکا سا بند کیا۔ ابو کچھ دیر پہلے دوپہر کا کھانا کھا کر واپس ہوٹل گئے تھے۔ اماں لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے سو گئی تھیں۔ سوار شاید ڈیوٹی آف کر کے ابھی اپنے روم میں ریسٹ کرنے آیا تھا۔ پکنک سے واپس آنے کے بعد سے دونوں کے [illegible] یہ پہلی موبائل گفتگو تھی۔

"معلوم نہیں ہمیں قدر تب کیوں ہوتی ہے جب وقت ہمارے ہاتھ سے پھسل چکا ہوتا ہے۔"

لیکن اس حقیقت کا سامنا ایک دن تو کرنا ہی تھا۔" کنعان سنجیدہ ہوئی۔ ہمیشہ راہوں میں تو نہیں ملا جا سکتا، ہر راستے کی ایک منزل بھی ہوتی ہے۔" وہ کہتے کہتے ایک دم اٹک کر رُک گئی اور سوار کا دل ایک بہت خوب صورت احساس سے بے اختیار دھڑکا۔

"کیا واقعی یہ وہ مقام ہے، مہینوں بڑے صبر اور ضبط سے جس کا انتظار کیا تھا۔" کنعان کے ایک مختصر جملے نے کئی گرہیں کھول دیں۔ وہ تو ان دنوں بس ایک ہی سوچ سے پریشان تھا کہ کنعان کو دیکھنے اس سے ملنے کی بھلا اب کیا سبیل ہوگی۔ لیکن کنعان کے ایک ہی جملے نے جتا دیا کہ یہ راہ چلتی محبت نہیں ہے اسے پڑاؤ اور قیام کے تنکوں سے جوڑنا ہوگا۔ وہ اس وقت دل سے کنعان کی سچائی کا معترف ہوا۔ وہ صاف دل اور نیک تھی۔ سب سے بڑھ کر پرخلوص تھی اس تعلق کے حوالے سے، آغاز میں ہی جان لینا چاہتی تھی کہ خوابوں کے دیس لے جانے کے وعدے محض وعدے نہ رہ جائیں۔

"کیا یہ آسان ہوگا کنعان؟" کچھ جانے پہچانے سے خدشے سوال بن کر سوار کی زبان پر آئے

تو کنعان متعجب ہوئی۔
"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں سوار۔ کیا آپ کے لیے آسان ہے، اس راستے سے آنا، جس کی منزل ایک ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ میں......" وہ بولتے بولتے ایک دم رُکی۔ "میں آپ کو بتا چکی ہوں، ہمارا گھرانا کیسے ایک طوفان سے ٹکراتے ٹکراتے بچا ہے، میری کانوں میں اس طوفان کی سائیں سائیں آج بھی شور مچاتی ہے۔ میرے خیالات مجھے خود چین نہیں لینے دیتے۔ مجھے خوف ہے کہ ایک دن یہ طوفان میری زندگی میں بھی آئے گا اور میں بھی یونہی کھڑی دیکھتی رہوں گی۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا محبت وہ آگ ہے کہ جس کی تپش اگر ایک بار آپ کو چھوگئی تو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، میری بہن نے محبت پر سے میرا اعتماد یوں اُٹھا دیا کہ یہ وہ واحد لفظ ہے جس سے میں نے جی بھر کے نفرت محسوس کی ہے۔ لیکن آج میرے خیالات میں بدلاؤ آرہا ہے، اب مجھے لگتا ہے کہ اپنی جذباتی کمزوریوں کے سب قصور محبت کے کھاتے میں ڈال کر بری الزمہ ہوجانا درست نہیں۔ آج میں جانتی ہوں اور پورے اعتماد سے محسوس کرتی ہوں کہ محبت وہ ہے جو عزت دینا اور عزت کروانا جانتی ہے، آپ کے دل میں میرے لیے اور میرے دل میں آپ کے لیے اگر عزت نہیں تو بجا طور پر پھر وہ محبت بھی نہیں۔"
"ہوں۔" مسکرا کر اس کی معصومانہ، سچی بے ریا باتیں سنتے سوار کے لب آخری جملے پر سمٹ گئے۔ دل بری طرح سکڑ کر پھیلا۔ وہ کنعان کو نہیں بتا پایا کہ ابھی ایک طوفان کا سامنا ان دونوں کو بھی ہے۔ اور وہ چاہ کر بھی اس طوفان کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ پر اس سے قبل وہ کنعان کی تسلی کے لیے ایسا کیا کہے کہ......
"آپ نے کہا تھا آپ کا کوئی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں......" وہ بنا سوار کو جواب کی مہلت دیے وہ سوال پوچھ بیٹھی جس نے سوار کو گنگ کر دیا۔
"سوار" اس نے دوبارہ پکارا۔ "کیا آپ آنا چاہتے ہیں میرے گھر؟ آنے والا وقت میں اس اعتماد کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں کہ میں کسی غلط راہ پر نہیں چل رہی، خود سے کیے اس وعدے پر قائم رہنا چاہتی ہوں کہ محبت کی راہ پر اندھادھند بھی نہیں بھاگوں گی۔ آپ میرے گھر آئیں گے، ابو سے بات کریں گے تو سب ہی خدشے سارے وہم مٹ جائیں گے۔" وہ بولتی جارہی تھی اپنے خیالات بغیر لگی لپٹی کے اس سے شیئر کرتی جارہی تھی۔
"مجھ پر بھروسا نہیں ہے کنعان؟" وہ اس بار رسان سے بولا۔
"بھروسا ہے سوار، اسی لیے تو چاہتی ہوں کہ آپ راہ کی رکاوٹوں پر مجھ سے کھل کر بات کریں۔ تاکہ ہم مل کر کچھ سوچیں۔"
"اُووف......!" سوار نے مدد طلب نظروں سے اوپر دیکھا۔ اصل امتحان تو واقعی اب شروع ہوا تھا۔ "نئی زندگی" وہ نہیں تھی جو آٹھ ماہ پہلے مری آنے پر شروع ہوئی تھی۔ نئی زندگی تو یہ ہے جسے وہ کنعان کے ساتھ بسر کرنے کا ارادہ کررہا ہے۔ ٹھیک کہا تھا میاں جی نے، جہاں ہمیں ہمارے کام کی وجہ سے جانا جائے وہاں بلاوجہ کے بیچ غیر ضروری ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے اب تک کا وقت واقعی بہت آسان ثابت ہوا تھا، لیکن اب کیا کہیں گے میاں جی؟ اب تو میری پہچان میری ذات سے ہونی ہے۔
"سوچا تھا میرے حصے میں وہ لڑکی آئی ہے جو بہت ہی کم بولتی ہے۔" سوار نے ذہن کا استعمال کرتے بات کا رخ موڑا اور شاید کامیاب بھی ہوا کیونکہ کنعان خوب شرمندہ ہوکر ہنس پڑی تھی۔
"دنیاوالوں کے سامنے میں واقعی کم گو ہوں۔ لیکن جن لوگوں سے میں قریب ہوں، ان کے ساتھ حد سے زیادہ باتونی ہوں۔ جیسے ابو، دیا اور اب آپ۔"
"اوہو، یعنی محبت کرنے کی سزا پاتے ہیں غریب لوگ۔"
"یہی سمجھ لیں۔" وہ مسکرارہی تھی۔ "اور ابھی

بھی وقت ہے، چاہیں تو سوچ بھی لیں۔" وہ شوخ ہوئی۔
"ہوں۔ اچھا مشورہ ہے۔" سوار نے متانت سے سر ہلایا۔ "کل کو وعدہ پورا نہ کر پایا تو اسی کو بنیاد بنا سکتے ہیں۔"
"سچ کہہ رہے ہیں؟" وہ بجھ گئی۔
"کفران نعمت نہیں کر سکتے محترمہ، ہمیں بھی محبت کی یہ سزا دل و جان سے قبول ہے۔" وہ بڑی عاجزی سے اقرار کرنے لگا۔ کنعان پھر چٹکی لینے کو بے چین ہوئی۔
"مجھے ناں۔ ایک بری عادت اور بھی ہے۔"
"الٰہی خیر۔ چلیں وہ بھی بتا دیں۔"
"میں جن سے قریب ہوں، ان کے بارے میں پوزیسیو بھی بہت ہوں۔"
"یہ خبر نئی نہیں ہے میڈم۔" وہ مسکرا دیا۔ "انعم بے چاری صرف پیٹیز ہی پیش کردے تو آپ کی حسین گہری آنکھوں سے تابکاری شعاعیں نکلنے لگتی ہیں۔ مارے ڈر کے ہاتھ تک نہیں لگایا پیٹیز کو۔ کہیں فلرٹ کرانے کے الزام میں دھر نہ لیا جاؤں۔" اس نے تفصیل سے یاد کیا کنعان بھی ہنسنے لگی۔
"اچھا اور آپ عین سڑک کے بیچوں بیچ بریک لگا دیتے ہیں مجھے عمران کے ساتھ دیکھ کر، تو اسے کیا کہیں گے۔ یہی نہیں۔ وہ جو ایک بار بارش میں اتفاقاً ہم دونوں برآمدے میں ایک ساتھ کھڑے تھے، آپ نے سلطان راہی جیسی انٹری ماری اور کلائی سے کھینچ کر بے چارے کو لے گئے۔"
"پوزیسو نہیں ہوں، بیدار مغز ہوں۔" عمران کے ذکر سے سوار کو بہت کچھ یاد آنے لگا۔ "ایکچوئلی تم لڑکیاں بہت انوسنٹ ہوتی ہو، مردوں کی یہ دو نمبریاں سمجھ نہیں پاتیں۔" وہ ازحد سنجیدہ تھا کنعان حیران ہوئی۔
"کیا واقعی عمران ایسا لڑکا ہے۔"
"یہ میں بھی نہیں کہتا، بنا کسی کے بارے میں جانے کچھ بھی کہہ دینا جائز نہیں۔ ہاں لیکن خواتین کی محفل میں اس کی شوخیاں محسوس ہوتی ہیں۔ میں البتہ صرف تمہارے معاملے میں ردعمل دیتا ہوں۔"
"کیوں؟" وہ اب مسکرا رہی تھی اور سوار بنا دیکھے اس کا چہرا تصور کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کی "کیوں" میں جو ایک تجسس چھپا ہوتا ہے اسی میں محبت کی اصل خوب صورتی ہے۔
"کیونکہ مجھے صرف تم سے مطلب ہے، باقیوں کے معاملات وہ خود جانیں۔"
"اور اگر کسی کو شک ہو جاتا تو۔" ہنسی اس کے چہرے کی چمک تھی اس وقت۔
"نہیں۔ میں نے احتیاط کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے۔" سوار با اعتماد تھا۔
"جی مانتی ہوں۔" وہ شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ دھیرے سے بڑبڑائی۔ انداز کچھ یوں تھا کہ جیسے اس سے زیادہ سوار کو کوئی نہ جانتا ہو۔ سوار کو فخر کے احساس نے بس لمحے بھر کو گھیرا، پھر ایک خجالت آمیز خیال نے بالکل خاموش کر دیا۔ کتنا ہرٹ ہو گی کنعان اس روز جب اسے پتا چلے گا کہ وہ تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

کوئی آگ تھی جو دھڑ دھڑ جل رہی تھی سینے میں۔ من کا بے تاب بھنورا کمرے کی قید میں پھڑ پھڑانے سا لگا۔ وہ گھبرا کر سینے کو ملتی فوراً باہر نکلی۔ ریفریجریٹر سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر پیشانی پر انڈیل دی۔ کچھ پانی چہرے اور گردن تک بہہ آیا تو کچھ پیچھے تک چلا گیا۔ اور میلوں کی مسافت طے کر آنے والے مسافر کی طرح بڑے بڑے گھونٹ میں ساری بوتل غٹاغٹ پی گئی۔
کمرے میں واپس جانے کے خیال سے ہی وحشت ہو رہی تھی۔ جانے یہ سکینہ کیسے اتنی میٹھی نیند سو رہی تھی۔ وہ دوپٹے سے گیلا چہرا صاف کرتے چھت پر آگئی۔ چاند کی کچھ گیارہ بارہ تاریخ لگ رہی تھی۔ نرم ٹھنڈی چاندنی کا کچا پکا تھال بھی نری چبھن کا باعث لگا۔ جلتی سلگتی سانسوں کا غبار نم ہوا کے سپرد

کرتے شازمہ نے کہنیاں چاردیواری پر ٹکائیں۔
ہر سو ایک سکون اور ٹھہراؤ سا چھایا تھا۔ دور کسی گھر سے ہلکی ہلکی ٹی وی چلنے کی آواز اور پنکھوں کا ملا جلا بہت معمولی سا شور جیسے فضا کا حصہ بنا ہوا تھا۔ زیادہ تر گھر اندھیرے میں ڈوبے تھے۔ لائٹس بس بس کہیں کہیں آن تھیں۔ دور کے منظر سے شازمہ کی نظر بڑی دیر بعد بالکل ساتھ جڑی نیچے آمنہ بھابھی کی چھت پر پڑی اور وہ بے طرح چونکی یہ دیکھ کر کہ چھت کے لمبے لکڑی کے کاؤچ پر کانوں میں ہینڈز فری لگائے آدی تھا جو آنکھیں بند کیے، ایک پاؤں ہلکے ہلکے ہلاتے شاید میوزک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ لحظے کو شازمہ کھوسی گئی۔
کتنا حسین تھا وہ وقت جب زندگی کچھ خوابوں اور تصورات کے بین بین تیرتی سی لگتی تھی۔ گیتوں کے سارے حسین بول اپنی کیفیات کے ترجمان لگتے، موسم کی انگڑائی رگ و پے میں گدگداتا سا احساس جگاتی، پیروں تلے کا قطعہ زمین پیانو بن جاتا اور ہر قدم جیسے کسی ساز پہ جا پڑتا۔ عبدل کے مست بے فکرے انداز کو دیکھتے وہ بھی ان دنوں میں چلی گئی جب وہ بھی ایسی ہی لاپروا ہوا کرتی تھی پر اب۔
آدی نے شاید دیکھے جانے کے احساس سے آنکھیں کھولی تھیں۔ نظر شازمہ پر پڑی تو بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"السلام علیکم۔" جھٹ کانوں سے ہینڈز فری کے تار کھینچے۔
"وعلیکم السلام۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "سوری، مجھے دراصل نیند نہیں آرہی تھی تو......"
"کیا کہہ رہی ہیں بھابھی۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "میں تو ویسے ہی اب جانے والا تھا۔" اپنی بوکھلاہٹ کی وضاحت دینے لگا۔
"تمہیں بھی نیند نہیں آرہی تھی؟" وہ کھلی ہوا میں آکر بہت حد تک اندر کی گھٹن سے باہر نکل آئی تھی۔ اور اب بولنے کے لیے بندہ ملا تو مائنڈ بدلنا کچھ اور سہل لگا۔
"جی بس دوپہر میں بہت سو لیا تھا۔"
"کیا سن رہے تھے؟" اس نے دیوار پہ ٹکے اپنے دونوں ہاتھوں پہ ٹھوڑی ٹکائی۔
"جی بس میوزک...... یونہی......" آدی صاف اب نکلنا چاہ رہا تھا۔ خود کو اپنی چیزیں سمیٹنے میں مصروف ظاہر کیا۔ اسے اگر معلوم ہوتا کہ وہ کب سے یہاں کھڑی ہیں تو پہلے ہی چلا گیا ہوتا۔
"شاید میرا بھی ذہن کچھ بدل جائے۔" وہ جیسے اپنے آپ میں بولی تھی۔ عبدل نے ان سنا کیا۔
"آدی سنو۔" شازمہ نے جیسے کسی خیال کے تحت جاتے عبدل کو آواز دی۔
"جی۔" وہ پلٹا اور اب شازمہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔
"میں کچھ اپ سیٹ ہوں اس وقت۔ سوچ رہی ہوں شاید میوزک سے دل کچھ بہل جائے۔ کیا تم مجھے اپنا ہینڈز فری سیٹ دے سکتے ہو، میرے پاس اپنا ہے نہیں اور اب رات کی اس خاموشی میں اونچی آواز تو......"
"او۔ جی جی بالکل۔" آدی نے سائیڈ جیب سے فوراً ہی ہینڈز فری باہر نکالا اور شازمہ کو دینے کے لیے دیوار کے نزدیک آیا لیکن ان کی چھت اچھی خاصی اونچی تھی۔
"میں پھینکتا ہوں آپ کیچ کرلیں۔" اس نے کہہ کر تار کو ہاتھ پہ سمیٹا اور اوپر اچھالا لیکن شازمہ پکڑ نہیں پائی۔
"میں دوبارہ......" اس نے نیچے سے اٹھا کر پھر سمیٹا
"عبدل۔ وہ سیڑھی ہے نا...... وہی لگا لو۔" شازمہ نے دیوار کے ساتھ لمبی رکھی بانس کی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا تو عبدل نے سر ہلا دیا جبکہ اس کا خیال تھا اب وہ سیدھے ان کی چھت پر ہی اچھال دے گا لیکن مروتاً بات مانتے سیڑھی لگا لی اور اوپر چڑھنے لگا۔ چوتھے اسٹیپ پر آتے ہاتھ باآسانی

دیوار تک پہنچنے لگا
"یہ لیں بھابھی۔" اس نے تار آگے بڑھایا جبکہ شازمہ خالی خالی نگاہوں سے بس اسے دیکھے ہی گئی۔ آدی کو کچھ عجیب سا احساس ہوا نظریں چرا کر تار کو دیوار پہ رکھتے اترنے کا ارادہ کیا اور معلوم نہیں شازمہ کو کیا ہوا کہ آدی کے دیوار پہ دھرے ہاتھ کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
"تم بھی آجاؤ آدی، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، باتیں کرتے ہیں۔"
"جی؟" عبدل کی پلکوں پہ حیرت سی ٹھہری، اپنی وہاں موجودگی بھی حد درجے آکورڈ سی لگی، اور بھابھی کا مطالبہ۔
عبدل کا دل سینہ توڑ کر باہر آنے لگا۔ نصف شب کے بوجھ سے بھری اُن چمکتی نگاہوں کے پیغام مبہم لیکن بہت خطرناک تھے، آدی تاب نہ لاتے تیزی سے واپس اترا اور بنا کچھ کہے یا مڑ کر دیکھے چھت کی سیڑھیاں اترتا نیچے چلا گیا۔ جبکہ ہتک سے سرخ شازمہ کے چہرے پر آدی کی پشت کو دیکھتے اب ایک نئی تحریر اُبھر رہی تھی۔

☆☆☆

انیکسی کے بیرونی جنگلے سے نیچے بل کھا کر گول مڑتی سڑک صاف دکھائی دیتی تھی۔ ثمر کار کی کھڑکی سے جھانک کر تب تک اسے ہاتھ ہلاتا رہا جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔ ثمامہ نے دل ہی دل میں ان سب کے خیریت سے حسن ابدال پہنچنے کی دعا کی اور اندر جانے کے لیے واپس مڑ گئی۔
آصفہ آپی کی نند کی شادی تھی۔ امی کا جانا ضروری تھا اور عادل کو وہاں چند ایک ضروری کام تھے۔ ثمر کو بھیجنا اس لیے ضروری ہوگیا کہ اس کا زیادہ وقت تو ہوٹل میں گزرتا تھا۔ بچے کو اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا، ویسے بھی اس سے زیادہ نانو کا عادی تھا اور خوشی خوشی ساتھ چلا گیا تھا۔ امی البتہ اسے اکیلے گھر چھوڑنے پر راضی نہ تھیں۔ لیکن ثمامہ کے بزی شیڈول میں کہیں نکلنے کی گنجائش نہ تھی، بھلے دو دنوں کے لیے سہی۔ اس نے تسلی دے کر امی کو بھیج دیا۔
پیچھے اسے ایک اور بہت اہم کام بھی کرنا تھا جس کے لیے یہ دو دن کی تنہائی بہت اہم تھی۔
آپا سے کافی کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آبیٹھی۔ یہ سہ پہر تین بجے کا وقت تھا۔ اکتوبر کا وسط چل رہا تھا۔ آتش دان کے قریب بیٹھنا اب اچھا لگتا تھا۔ کافی تیار ہونے کے بعد اس نے آپا کو چھٹی دے دی اور اب خاموشی اور سکون کے ماحول میں لگاتار کچھ سوچ رہی تھی۔ ہوٹل کا ایک چکر وہ صبح لگا آئی تھی۔ دوبارہ اب اس نے نہیں جانا تھا بلکہ یہاں کسی کو بلانا تھا۔
کافی ختم کر کے ثمامہ نے مسکراتے ہوئے قدم کچن میں رکھے۔ منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے لیے اب پوری طرح تیار تھی۔ دو ڈھائی گھنٹے لگا کر اس نے چند اچھی ڈشز بنائیں اور فریش ہونے چلی گئی۔ سفید موتیوں سے مزین اس سرخ ڈریس کا انتخاب ثمامہ نے چند بڑے خاص موقعوں پر کیا تھا۔ بالوں کو ڈرائیر سے خشک کر کے آتش دان کے قریب بیٹھتے وہ اپنے موبائل فون کی طرف متوجہ ہوئی۔ شام کے سات بج رہے تھے۔ اس نے گلا کھنکار کر آواز درست کی اور ایک نمبر ڈائل کیا۔
"السلام علیکم میم۔" سوار کی خوب صورت مؤدب آواز سنائی دی۔
"وعلیکم السلام۔" ثمامہ نے مسکرا کر رسان سے آغاز لیا۔ "کہیے سوار۔ کیسے ہیں۔ دن کیسا گزرا؟"
"الحمدللہ، بالکل ٹھیک ٹھاک، اور دن بھی روٹین کے مطابق رہا۔ آپ ہوٹل کے کچھ سامان کی لسٹ چھوڑ گئی تھیں۔ وہ نوریز سے منگوالیا تھا۔ کچن سائیڈ کا گیزر بھی ریپئر ہوگیا۔" وہ ایک دم مستعدی سے رپورٹ دینے لگا۔ ثمامہ کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی لیکن بولتے وقت لہجے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔
"ابھی کیا چل رہا ہے۔ فارغ ہیں آپ؟"
"جی میم۔ اس وقت تو فری ہوں۔ فرمائیے۔"
وہ اب کچھ کچھ عادی ہو چلا تھا کہ ثمامہ میڈم اکثر کسی

نہ کسی کام سے اسے گاڑی میں ساتھ لے جایا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی لگا شاید کہیں باہر جانا ہو۔
''وہ ایکسی آ سکتے ہیں سوار، آپ سے کچھ کام تھا۔''
''جی میم۔ آ سکتا ہوں، ابھی نکلوں؟''
''جی، بس ضروری کام کاج دیکھ لیں۔ باقی میں تو فری ہوں، سمجھیں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''
''او کے میم۔ بس پندرہ بیس منٹ۔'' اس نے اجازت لے کر کال آف کر دی۔
ثمامہ اپنی تیاری پر دوبارہ نظر ڈالنے کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ گئی۔ لائٹ پنک لپ اسٹک سے مطمئن نہ ہوتے اس پر ریڈ کوٹ کر دیا۔ آنکھوں کو کاجل کی لکیر اور مسکارے سے گہرا کیا۔ کالی سحر انگیز آنکھوں کا جادو مزید اپنی جانب کھینچنے لگا تھا۔ سوار کے آنے تک وہ بے چین بے چین سی باہر لان اور پورچ میں گھومتی رہی۔ شام کے ساڑھے سات بجے کا وقت تھا لیکن موسم کی تبدیلی کی وجہ سے اب اس وقت گہری کالی رات سی لگنے لگتی۔ بیل بجی تو وہ بے تابی سے گیٹ تک پہنچی۔
''کون؟''
''جی، میں سوار علی۔'' یہ اس کا مخصوص انداز تھا، اپنا پورا نام لینا۔
ثمامہ نے گیٹ کھول کر راستہ چھوڑا اور سوار سب سے پہلے اس کے گیٹ پر آنے پہ متعجب ہوا۔ اس سے پہلے وہ دوبار ایکسی آ چکا تھا ایک مرتبہ عادل نے ریسیو کیا تھا دوسری مرتبہ گارڈ نے۔ لیکن آج نہ گارڈ نہ عادل، حتیٰ کہ اندر آنے پر بھی مکمل خاموشی۔
''بیٹھیں سوار۔'' ثمامہ نے آف وہائٹ سنگل صوفے پر نشست سنبھالتے سوار کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سوار مزید حیران ہو گیا کیونکہ ثمامہ کی تیاری کہیں باہر جانے جیسی لگ رہی تھی، پھر اس اطمینان سے اندر آ کر بیٹھ جانا۔
خیر، میڈم تو ہمیشہ ہی بن سنور کر رہتی تھیں، آج شاید گھر پر ہی تیاری شیاری کا پروگرام بنا لیا، اب بڑے لوگوں کے موڈ کا کیا بھروسا، وہ بھی اطمینان سے بیٹھ گیا۔
''عادل اور ثمر وغیرہ؟'' سوار نے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھ ہی لیا۔
''امی وغیرہ سب حسن ابدال گئے ہیں، ابھی کچھ گھنٹے پہلے، شادی میں شرکت کرنی تھی۔''
''او۔ صحیح......'' وہ کچھ بے چین تو ہوا لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا۔
''مجھے دراصل کچھ ہنگامی سی سچویشن میں آپ کو بلانا پڑ گیا۔''
''کوئی بات نہیں میم، میں بالکل فری تھا اس وقت۔'' سوار نے مروت نباہتے ثمامہ کے جملے کو سنبھالا دیا۔
''کیا لیں گے سوار۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''چائے، کافی کچھ ٹھنڈا؟''
''زحمت مت کریں میم، لنچ آج کافی لیٹ کیا تھا۔ آپ پلیز تشریف رکھیں۔''
''ارے بھئی زحمت کیسی، سب کچھ ریڈی ہے، بس ٹھنڈے گرم میں اپنی چوائس بتا دیں۔''
''ٹھنڈا تو بالکل نہیں، چائے بہتر ہے۔''
''او کے، آپ یہ میگزین وغیرہ دیکھیں، میں ابھی آئی۔'' وہ اپنا ریشمی سرخ آنچل لہراتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ سوار نے بھی سعادت مندی سے میگزین اٹھا لیا جو کہ ایک فیشن میگ تھا۔ وہ یونہی سرسری ورق گردانی کرنے لگا، قریب پانچ سات منٹ بعد ثمامہ ایک ٹرالی کھینچتے ہوئے لے آئی اور سامنے میز پر سب کچھ سجا دیا۔ پاستا، پیسٹریز ایک فریش پزا اور کیچپ وغیرہ۔
ارے نے حیرت سے اس اہتمام پر نظر ڈالی جو معلوم نہیں عمومی تھا یا خصوصی۔ ثمامہ شاید چائے لینے واپس چلی گئی تھی۔ سوار نے ایک نظر اس کی پشت پر ڈالی پھر ان لوازمات کو دیکھا۔ پاستا بالکل تازہ لگ رہا تھا اور غالباً گھر کا تیار کردہ تھا لیکن شکل سے کافی اسپائسی لگ رہا تھا، شاید مسالا جات غلطی سے زیادہ پڑ

گئے ہیں۔ بڑا ریڈی میڈ دکھائی دیا۔ لیکن اس کے منہ میں پانی ان مختلف ڈیزائن اور فلیور کی پیسٹریز کو دیکھ کر آیا جو سب سے زیادہ فریش لگ رہی تھیں۔ ثمامہ کی آن جان کے دوران بھی وہ مسلسل سامنے رکھی اشیاء پر غور کرنے میں لگا تھا۔ اور ایسا بھی نہیں تھا کہ اسے بھوک لگی تھی۔ یقیناً یہ سوچ کوکنگ کلاس کی دین تھی۔ وہ اپنے آپ میں مسکرا دیا۔ ایک حسین نوجوان عورت کے ساتھ ایسے تنہائی بھرے ماحول میں وہ یہ کیا سوچے جارہا تھا۔ کچھ دخل اس کی حقیقی نیچر کا بھی تھا۔

سوار کو اپنے یونیورسٹی فیلو کی بات یاد آئی وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ سوار کو کوئی لڑکی مسکرا کر دیکھ لے تو پہلی سوچ اس کے دل میں یہ آتی ہے ''کہیں ادھار تو نہیں مانگنا چاہتی'' وہ بے ساختہ ہنس دیا لیکن یہ اس کی ہنسی کا دشمن اس کا ماضی۔ لب ایک دم آپس میں بھنچ گئے۔

''تھے تو تم بالکل ایسے بے فکرے سوار۔ لیکن پھر وہ ایک رات اور اس کے بعد۔ اُف......'' وہ ایک جھرجھری لے کر حال میں آیا۔ ثمامہ چائے لیے ادھر آرہی تھی۔ اور اس مرتبہ مسکراتے ہوئے خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

''امی وغیرہ کے جانے کے بعد سخت بوریت محسوس ہوئی، سوچا کچن میں گھس کر ٹائم پاس کیا جائے۔'' وہ پیالیوں میں چائے ڈالتے خود ہی وضاحت دینے لگی جبکہ سوار اس ہنگامی صورت حال کے بارے میں جاننے کا مشتاق تھا جس کا آغاز میں ایک بار ذکر کرنے کے بعد ثمامہ غالباً خود بھی بھول ہی گئی تھی۔

دوسری جانب ثمامہ یہ سوچ کر پریشان ہورہی تھی کہ اس کی خود پر کی گئی تیاری کیا یونہی رائگاں جائے گی، سوار نے تو ایک بار آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ جانے باس اور ورکر کے خول سے باہر آنے کو تیار کیوں نہیں تھا۔ بارہا دوستی کا ہاتھ بڑھایا، آپس کی گفتگو میں، آنے جانے میں، ڈیلنگ میں خود سے بے تکلف کرنے کی کوشش کی تھی۔ پتا نہیں ڈفر تھا، مغرور یا بد دماغ۔ ورنہ وہ ایسی بھی اناڑی نہ تھی ان معاملوں میں کہ ایک مرد کو اپنی جانب مائل کرنے کا ہنر نہ جانتی ہو۔ ولید کو مائل بہ کرم کرنے میں ایسے ذرا برابر دقت پیش نہیں آئی تھی۔ جبکہ اس وقت وہ تھی بھی ورکر کی جگہ پر، اور اب باس ہوتے ہوئے بھی اتنی مشکل......

جو آپ سوچ رہی ہیں، وہ ایسا دشوار بھی نہیں ہے میڈم۔ لیکن ایسی دلفریب تنہائی میں دو نامحرم آنکھیں چار کرنے کا جرم سرزد کر بیٹھیں تو ماحول میں چار آنکھوں کا یہ سازشی ربط باقی رہ جاتا ہے، اردگرد کی پوری دنیا ایک دھند کے پردے میں چھپ جاتی ہے، اور جب یہ دھند چھٹتی ہے۔ سوار نے حقیقتاً سر جھٹکا۔

''میم۔ وہ آپ کچھ ہنگامی صورت حال کا ذکر کررہی تھیں۔'' سوار نے ماحول کی ٹون کو یکسر تبدیل کیا۔

''اوہ ہاں۔'' ثمامہ نے یوں یاد کیا جیسے ذہن میں یہ بات کہیں تھی ہی نہیں۔ ''اصل میں جانا تو مجھے بھی تھا حسن ابدال لیکن اچانک آپڑنے والے معاملے نے مجھے ایک دم اتنا اپ سیٹ کردیا کہ نہ صرف جانے سے معذرت کرلی بلکہ ابھی تک عادل اور امی کو بھی نہیں بتاسکی۔ لیکن آپ سے شیئر کرنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ اس کا تعلق کہیں نہ کہیں ہوٹل سے بن رہا ہے۔'' ثمامہ ایک دم کافی سنجیدہ ہوگئی، ماحول کا رنگ یقیناً بدل گیا تھا۔ سوار بھی پیالی ہاتھوں میں لیے سہولت سے پیچھے ہو بیٹھا۔ بھلے ثمامہ پریشان نظر آنے لگی تھی کچھ بتاتے ہوئے لیکن وہ اب ذہنی اطمینان محسوس کررہا تھا۔

''لیکن آج کی بات بتانے سے پہلے میں تھوڑا سا ماضی میں جاؤں گی، آپ کے لیے سمجھنا آسان ہوگا۔ میں نے دراصل آج مال روڈ پر اپنے سوتیلے بیٹے بلال کو دیکھا۔'' ثمامہ نے اسے پہلا حیرت کا جھٹکا دیا لیکن وہ بنا حیرت ظاہر کیے اسے سننے لگا اور

ثمامہ نے اسے اپنی علیم الدین سے شادی، علیم کی بیماری، جائیداد کے مسائل، فیکٹری بیچنے، اور مری کے خفیہ پلاٹ پر ہوٹل کی تمام تفصیل کہہ سنائی۔

"پھر میں انہیں ہمیشہ کے لیے حسن ابدال جانے کا کہہ کر یہاں آ گئی تھی۔ لیکن آج مجھے مری میں بلال نظر آیا، اب ہوسکتا ہے وہ یونہی گھومنے پھرنے ہی آیا ہو، لیکن اگر ایسا نہیں ہے سوار۔" ثمامہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "میرا مطلب ہے اگر اسے کوئی سن گن مل گئی ہے تو......"

"تو آپ نے اس موقع کے لیے کیا سوچ رکھا تھا پہلے؟" سوار کی پرذہانت آنکھوں میں تعجب اور لبوں پہ برمحل سوال تھا۔

"سوچ تو بہت کچھ رکھا تھا۔" ثمامہ جیسے بے بسی سے مسکرائی۔ "لیکن یقین کریں سوار۔ ایسا کبھی لگا نہیں تھا کہ ایسا ایک دن آجائے گا۔ شاید خود کو دھوکا دے رہی تھی۔"

"اور اگر فرض کریں وہ کسی خبر کے نتیجے میں آیا ہے تو......"

"جی۔" ثمامہ نے اس کا سوال سمجھ کر متانت سے سر ہلایا۔ "یہی بتانا چاہ رہی ہوں، اگر وہ سیدھے ہوٹل میں آکر یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ یہاں کا مالک کون ہے تو مطلب وہ جان چکا ہے، اور مجھے بھی مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اصل معاملہ یہاں مری میں میری موجودگی کا ہے، میں اپنی رہائش کے متعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔"

"تو ہوٹل میں کون کون واقف ہے، یہاں کے بارے میں؟"

"صرف آپ، خالد رضا اور ان کی وائف، بس۔"

"مطلب، ہوٹل کے عملے میں سے کسی کو اعتماد میں لینے کی ضرورت نہیں، ان سے بلال صاحب نے پوچھا تو وہ لاعلمی ہی ظاہر کریں گے۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" ثمامہ نے کچھ خجل ہو کر سر ہلایا۔ "یعنی مسئلہ تو زیادہ تھا نہیں۔"

"میری مانیں تو کچھ دن گھر پر رہیں۔ ہوٹل کے معاملات میں دیکھ لیتا ہوں۔ اس دوران بلال نے ہوٹل آکر کچھ پوچھا تو میں سنبھال لوں گا۔ نوریز اور آصف ریسپشن پر ہوتے ہیں۔ ان کو بھی سمجھا دوں گا کہ کوئی میڈم کے متعلق پوچھے تو یہی بتانا ہے کہ وہ مہینے میں ایک، دو چکر لگاتی ہیں، بس۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔" ثمامہ نرم دلآویز مسکراہٹ سے نوازتے اسے محبت سے دیکھنے لگی۔

"اوکے میم۔" وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ بالکل ٹینشن مت لیں، دو چار دنوں کی احتیاط کافی ہے۔"

"بس، جانے لگے ہیں؟" وہ گھبرا ہی اٹھی۔

"جی؟" سوار نے الجھ کر اس کی ہڑبڑاہٹ دیکھی۔ "کیا مزید بھی کچھ کہنا ہے۔" اس کی خاموش سوالیہ نظر میں یہی سوال تھا۔ ثمامہ شرمندہ ہوگئی۔

"بھئی، آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں۔"

"تھینکس میم۔ میری رات کی ڈائٹ واقعی بہت لائٹ رہتی ہے۔ اس حساب سے کافی ہیوی لے لیا۔" وہ اپنا موبائل اٹھا کر آگے چل پڑا اور ثمامہ کا دل بھاری ہونے لگا۔

وہ کیوں جا رہا تھا۔ نہ ماحول کی خوب صورتی اسے مائل کر پائی تھی، نہ یہ بھرپور اہتمام، اس نے گلاس وال میں اپنا اور سوار کا عکس دیکھا تو جی میں آئی آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لے۔ بس ایک بار وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر ان جذبوں کا سراغ پالے جو ثمامہ کی زبان پر آتے آتے رہ جاتے تھے۔ لیکن ساری بغاوت ثمامہ کی سوچ تک محدود رہ گئی۔ سوار بنا رکے اور مڑے مین گیٹ تک پہنچ گیا تھا۔

"اوکے میم، اللہ حافظ۔ آپ آرام کیجیے۔" وہ ایک فارمل مسکراہٹ لبوں پر لاتے اتنا کہہ کر باہر نکل گیا اور ثمامہ بوجھل دل لیے گیٹ بند کر کے واپس پلٹی

"زہے نصیب۔" سوار کی شوخ آواز گیٹ کے پار بس چند سیکنڈز میں سنائی دی تو ثمامہ بوکھلا کر

بڑی۔ یوں لگا گیٹ شاید کھلا رہ گیا تھا اور وہ واپس اس میں آیا کھڑا ہوگا لیکن گیٹ تو بند تھا۔

''بارہ مسڈ کالز۔ واہ، آج میری قسمت کھل گئی۔'' زندگی سے بھرپور وہ چہکتی سی آواز کیا واقعی سوار کی تھی۔

ثمامہ نے چھوٹا گیٹ ہلکا سا وا کر کے دیکھا۔ سوار موبائل فون کان سے لگائے سڑک پر معتدل قدم اٹھاتا چلتا جا رہا تھا۔ نچلا لب دانتوں میں دبائے ثمامہ نے بس لمحے کو کچھ سوچا اور پھر گیٹ بند کر کے لان کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ بیرونی سمت سڑک پر سوار بات کرتے ہوئے چل رہا تھا اور اندرونی طرف لان میں ثمامہ کان لگائے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ لان کا آخری کونا آنے تک وہ کم از کم پینتالیس پچاس قدم اس کے ساتھ ساتھ چل سکتی تھی۔

ہاں ہوں تو باہر، خیر تو ہے الہام بھی آنے لگے، یا کہیں میں تو غلطی سے ویڈیو کال نہیں ملا بیٹھا؟ وہ بدستور ہنس رہا تھا۔ جانے دوسری جانب کون خوش نصیب تھا جس کے ساتھ بات کرتے سوار کا لب ولہجہ یکسر بدل گیا تھا۔

''بجا فرماتی ہیں، ٹھنڈی ویران سڑک پر چلتا چلا جا رہا ہوں۔ کہو تو اُس طرف نکل آؤں؟'' لہجے میں بڑی نرم سی شرارت گھلی تھی۔

''بھئی بارہ کالز اس لیے مس ہوئیں کیونکہ سڑک پر ابھی ابھی آیا ہوں، اس سے پہلے ایک پرتکلف چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ایسی پارٹیز میں ہم موبائل سائیلنٹ پہ رکھتے ہیں، نیک دل شہزادی۔'' کھل کر ہنستے مخاطب کو چھیڑتے اس کی آواز اب دور جانے لگی تھی۔

لان کے انتہائی کونے میں سختی سے مٹھیاں بھینچے ثمامہ بے بس سی کھڑی تھی۔ آج تو وہ پریقین تھی کہ بلال کے بہانے سوار کو اپنی لائف کے متعلق بتا کر اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جائے گی۔ دولت مند، خودمختار، حسین، مائل بہ کرم خاتون کا ہاتھ تھام کر وہ باآسانی اپنا مستقبل محفوظ بنا سکتا تھا۔ اور بھلا اسے کیا چاہیے۔ لیکن کامیاب نہیں ہوئی تھی اپنے مقصد میں، سوار نے ماحول کی اس مہربانی کو اپنے حق میں محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ اور اب ثمامہ پر اس کی بے اعتنائی کا راز، راز نہیں رہا تھا۔ لیکن کیوں۔ کیوں اس سے پہلے کوئی اس کی چیز کو لے آڑا تھا۔ جاننا ضروری تھا اور جلد از جلد۔

☆☆☆

''ناشتا تیار ہے عبدل۔'' بھابی نے کچن سے ہانک لگائی تو صحن کے واش بیسن پر منہ دھوتے عبدل کی سانسیں اچانک ایک خیال سے تھم سی گئیں۔ تولیے سے منہ رگڑ کر وہ تین قدموں میں چھت پر آیا۔ پچھلی رات سیڑھی تو شازمہ بھابی کی دیوار کے ساتھ لگی رہ گئی تھی۔ اگر اس سے پہلے کوئی چھت پر چلا جاتا تو کیا سوچتا۔

''استغفار۔'' اس نے جھٹ پٹ سیڑھی کو ہاتھ میں لیتے نیچے کھینچا اور دیوار کے ساتھ رکھنے لگا پر بانس سے الجھا ایک تار بھی دیوار سے ہوتا نیچے آ رہا۔

''اونو۔'' عبدل نے ایک گہری سانس کھینچتے تیزی سے ہینڈز فری چھڑوا کر جیب میں اُڑسا۔ تو شازمہ بھابی اس کا ہینڈز فری لیے بنا ہی یہاں سے چلی گئی تھیں۔ ''مائی گاڈ۔'' عبدل کو اس ٹھنڈی صبح میں گھبراہٹ کا پسینہ آ گیا۔ ''اگر آمنہ بھابی کسی کام سے چھت پر آ جاتیں تو نجانے کیا سوچتیں۔ یہ شازمہ بھابی بھی نا۔''

غصے اور ناگواری کی تیز لہر سی دماغ میں اٹھی۔

''ان کارات کا رویہ کیا کم تھا تاؤ دلانے کے لیے، کہ اب یہ بے احتیاطی۔ نان سینس۔'' وہ دل ہی دل میں آئندہ ان کی طرف نہ جانے کا تہیہ کرتے سیڑھیاں اترا تو بھابی سامنے کھڑی تھیں۔

''خیریت۔ اس وقت چھت پر کیا کام تھا۔''

''وہ میں کا ورچ پر اپنی یہ تار بھول آیا تھا۔'' اس نے سائیڈ جیب سے لٹکتے ہینڈز فری کو ہاتھ میں لیا اور اندر آ گیا۔

''اچھا ناشتا کرلو جلدی سے۔ ابا جی نے دکان پر بلایا ہے۔''
''ارے آج پھر کیوں۔'' وہ بری طرح جھنجلایا۔ ''یونیورسٹی جانا ہے کاشی کے ساتھ۔''
''اچھا کل چلے جانا، دواخانے میں بوتلیں شارٹ ہوگئی ہیں۔ سونف اور گلاب کا عرق تیار ہوگیا ہے۔ سامان اڈے پر آیا رکھا ہے اور تم نے ابھی تک بلٹی نہیں چھڑوائی۔'' وہ اب اماں جی کی طرح کلاس لے رہی تھیں اور آدی مسکرانے لگا۔
''او کے ابا جی کی ہونہار بہو۔ جاتا ہوں۔'' اس نے آستینیں اونچی کر کے ناشتے کی ٹرے کو اپنی طرف کھینچا جب دروازہ کھول کر سکینہ اندر داخل ہوئی۔ آمنہ اور آدی نے ایک ساتھ تعجب سے دیکھا۔
''شازمہ بھابھی کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' اس نے گھبرائی نظروں سے بھابھی کی طرف دیکھا۔ آدی کے گلے میں تھوک سا پھنسا۔ ناشتے کی طرف بڑھتا ہاتھ وہیں رک گیا۔
''خیریت، کیا ہوا شازمہ کو؟'' آمنہ نے پیار سے سکینہ کو اپنے قریب کیا۔
''وہ ان کو کھانسی بہت آرہی ہے، کہتی ہیں گھٹن ہو رہی ہے سینے میں۔ بخار بھی ہے۔''
''اوہو۔ اچھا۔'' آمنہ نے سوالیہ نظروں سے آدی کو دیکھا۔
''آپ بھابھی کے پاس ہو آئیں۔ میں بچوں کے پاس بیٹھتا ہوں۔'' اس نے بھابھی کی طرف سے کوئی صلاح آنے سے پہلے جھٹ کہہ دیا تاکہ اسے نہ جانا پڑے۔
بھابھی نے تائید میں سر ہلاتے فوراً اندر کی راہ لی۔ چادر اوڑھ کر احتیاطاً پرس بھی ساتھ لے لیا اور سکینہ کے ساتھ چلی گئیں۔ آدی کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔ وہ پریشان سے زیادہ حیران ہوا تھا۔ رات تک تو اچھی بھلی تھیں۔ دیوار پر کہنیاں ٹکائے آنکھوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ اتنے دورانیے میں کھانسی کیسے وارد ہوگئی۔

آمنہ بھابھی کا دس بارہ منٹ میں ہی فون آگیا، اس سے مشورہ کرنے لگیں کہ شازمہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے تو کیا کیا جائے۔ تب بھی آدی نے یہی کہہ دیا کہ آپ لے جائیں۔ میں آپ کے آنے تک یہیں ہوں۔ ڈاکٹر ناعمہ جنرل فزیشن تھیں اور ان کا کلینک بھی اپنے علاقے میں تھا۔ آمنہ بھابھی اپنے بچوں کو بھی وہیں لے جاتی تھیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی اور انہوں نے آدی کو ایک نسخہ تھمایا کہ شازمہ کی دوا لینی ہے۔
''ہوں۔'' اس نے بھابھی کے سامنے تبصرہ مناسب نہ سمجھا، اب تک کے وقت میں وہ دوبار اوائیڈ کرچکا تھا۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا کچھ کہہ کر بھابھی کو شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ دوائیں خرید کر پہلے گھر آیا اور بھتیجے عمار کو ساتھ لے کر شازمہ کے دروازے تک آیا اور اسی کو اندر دوائیں دے کر بھیج دیا۔ اب اس نے سوچ لیا تھا کہ آئندہ کبھی ان کا سامنا نہیں کرے گا۔

☆☆☆

''کل ہم یہاں نہیں ہوں گے۔ کیسا عجیب سا لگے گا نا۔'' سیما نے باری باری سب کے افسردہ چہروں پر نظر ڈالی۔
''اور مجھے پورا یقین ہے، ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کے سب ہی دعوے بھی جھوٹے ثابت ہوں گے۔ کل سے سب اپنی اپنی لائف میں مست ہو جائیں گے۔'' انعم نے ایک سرد آہ کھینچی، سب ہی کے دل کو کچھ ہوا۔
''سچی آج تو یہی دل چاہ رہا ہے اگلے پانچ ماہ کی فیس بھر کے دوبارہ بھی ہم ہی داخلہ لے لیں۔'' بشریٰ باجی نے ہنس کر ماحول کی سنجیدگی کو ختم کرنا چاہا لیکن سب پھیکا سا ہنس کر رہ گئے۔
''ہاں یوں تو پرانے دنوں میں بھی بڑی خوب صورتی تھی۔ اسکول کالج کا وقت بھی آج تک دل کو گدگداتا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ چند سالوں بعد جب پیچھے مڑ کر دیکھیں گے تو سب سے خوب

صورت سب سے یادگار وقت یہی لگے گا۔"
"صحیح کہتا ہے سیما باجی۔ امارا دل بھی آج بوت خفا ہے۔ اتنا اداسی تو مڑے اپنا گاؤں چھوڑنے پر بھی محسوس نہیں ہوتا۔" دلیر بھائی کا منہ آج واقعی سب سے زیادہ لٹکا ہوا تھا۔
سوار زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائے سب کو سن رہا تھا۔ اس کی طبیعت تو آج اس قدر بوجھل تھی کہ باوجود کوشش کے وہ ایک لفظ بھی منہ سے نکال نہیں پایا۔ شدید پریشانی میں اسے چپ سی لگ جاتی تھی۔ کل یہاں کوئی نہیں ہوگا یہ حقیقت اسے سوئی جیسا چبھ کر تکلیف دے رہی تھی۔ تسلی بھرا کوئی جملہ ترتیب دینا بھی محال تھا۔ کنعان آج کا ہی سبز شال کو اپنے گرد لپیٹے پلکیں کپکپا رہی تھی۔ کبھی کبھی ہی سہی، دو آنکھیں سرسری سا اس کے چہرے پر سے ہو کر گزر جاتیں۔ وہ آنکھیں جو دوستی، محبت اور آشنائی کے ساتھ ساتھ درد کے گہرے رنگوں سے بھری تھیں۔
"تم سب ویسے اس کنڈیشن میں لگتے تو نہیں لیکن بہرحال ایک بات کا شکر ادا کر سکتے ہو۔" دیا نے کچھ سوچ کر گہری مسکراہٹ سے سب کو دیکھا۔ تو سب نے ایک ساتھ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔
"بھئی سب سے بڑی شکر گزاری تو یہ ہے کہ ہم سب یہیں اپنے اس چھوٹے سے مری میں ہیں۔ ذرا سوچو، وہ دوست اور کولیگز بھی ہوتے ہیں جنہیں اپنا کام اور تعلیم ختم کرنے کے بعد مختلف شہروں اور دیہاتوں کو پیارا ہونا پڑتا ہے۔ پھر جانے زندگی میں کبھی ان کا سامنا بھی ہوتا ہے کہ نہیں۔"
"ہاں ویسے، بات تو ٹھیک ہے۔ کسی نے مالبلوں میں ڈمیل کی تو آتے جاتے راستے میں ہی ملیں گے۔" عمران نے سب سے پہلے تائید کی۔
"اور تو...... تو مڑے مال روڈ پر ہی بیٹا ہے، امارا تو روز کا راستہ بھی وہی ہے۔" دلیر بھائی نے کچھ ایسے برا منہ بنا کر کہا کہ سب کا ایک ساتھ قہقہہ نکل گیا۔ ماحول کا تناؤ دلیر بھائی کے ایک ہی جملے نے ختم کر دیا تھا۔
"پھر تو راستہ بدل لیں دلیر بھائی۔ صبح صبح اس باندر کا منہ دیکھا تو سارا دن خراب گزرے گا۔" سوار نے جان بوجھ کر بے چارے کا دل جلایا، عمران بھی سچ مچ تاؤ کھا گیا۔
"ہاں تو تمہارے پیٹرا ان کے سامنے سے گزرا کریں، بڑے اپالو دیوتا ہونا۔" عمران تو خوب ہی بھڑک اٹھا تھا۔ سوار برا نہ مناتے ہنستا چلا گیا۔ کنعان نے بھی بڑی دیر بعد آرام محسوس کیا۔ اس کی ہنسی تو آسمان میں قوس قزح جیسی تھی، یعنی ماحول کا اضافی حسن۔
"اپالو سے کیا کم ہے ہمارا سوار۔" بشریٰ باجی نے محبت سے سوار کی جانب دیکھا جس کی بے ساختہ نظر کنعان پر گئی، اور جواباً اس نے تھمب ڈاؤن کر کے بشریٰ باجی کے دعوے کی مخالفت کی، وہ ہلکا سا مسکرا کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔
"چلو بھئی، اب اٹھ بھی چکو۔" آنسہ کے گھر پہنچتے تو شام ہو جائے گی۔ انعم نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ آنسہ اور مریم دور اپنا سامان سمیٹنے میں لگی تھیں۔ پانچ چھ لڑکیوں کا گروپ آج آخری دن کے حوالے سے آنسہ کے گھر انوائٹڈ تھا۔ باقی سب نے میم ناظمہ اور مومنہ کو خدا حافظ کہہ کر گھروں کی راہ لی۔ بشریٰ باجی، نادیہ اور دلیر بھائی سب سے مل کر سامنے کے راستے سے باہر نکل گئے۔ سوار دیا اور کنعان کا منتظر تھا کہ وہ آئیں تو تینوں ایک ساتھ نکلیں۔ تب ہی آنسہ ان کے نزدیک آئی۔
"چلو بھئی دیر ہو رہی ہے۔" اس نے باری باری دیا اور کنعان کو دیکھا تو سوار متعجب ہوا۔
آنسہ کی پارٹی میں وہ دو بھی مدعو تھیں، وہ بے خبر تھا اس بات سے۔ ماتھے پر ایک لکیر سی ابھر کر معدوم ہوئی، کنعان نے لمحہ بھر میں بدلتی اس کی کیفیت کو پل میں محسوس کر لیا۔ وہ آج خصوصی طور پر ان کے لیے رکا ہوا تھا۔ آخری دن وہ یقیناً اس کی سنگت میں جانا چاہتا تھا۔

''سوری آنسہ۔ میں نہیں چل سکتی۔'' کنعان نے آگے بڑھ کر معذرتی انداز میں آنسہ کا ہاتھ تھاما، دیا نے حیرت سے کنعان کو دیکھا۔

''دراصل ابو میرے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔ آج ڈاکٹر کے پاس اپائنمنٹ ہے۔ چھ بجے کا ٹائم لیا ہوا ہے۔''

''اوہ۔'' آنسہ نے اس کی مجبوری سمجھتے ہاتھ تھپکا۔ ''کوئی بات نہیں۔'' دیا سے بات کچھ ہضم تو نہیں ہوئی لیکن مجبوراً تبصرہ محفوظ رکھا۔

''اور تم دیا؟'' آنسہ نے خیال آنے پر دیا کی طرف دیکھا۔

''بھئی میں تو تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔ اور......'' اس نے پریشان ہونے کی ایکٹنگ کرتے کنعان کو دیکھا۔ ''تم اکیلی چلی تو جاؤ گی نا؟''

''ہا...... ہاں ہاں۔'' وہ بری طرح ہکلائی۔ دیا کی فراخ دلی نے بری طرح نروس کر دیا۔ ''بچ...... چلی جاؤں گی۔''

''اوکے۔ تو تم دونوں پچھلے گیٹ سے نکلو، ہم بھی جاتے ہیں۔ میں بھیا کو کال کر کے بلا لوں گی۔'' وہ دونوں کو ہاتھ ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

سوار نے بنا کچھ کہے پچھلے گیٹ کا رخ کیا۔ دل بری طرح بے یقین تھا۔ آخری دن کا ساتھ اور وہ بھی صرف ان دونوں کا۔ پانچ ماہ کے دوران یہ پہلی بار ہوا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی دعا بالآخر رنگ لے آئی تھی۔

کنعان اور وہ گیٹ سے نکل کر ڈھلان کے سرے پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ اس جگہ اور اس راستے سے کتنی ڈھیر ساری یادیں جڑی تھیں۔ دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

''چلیں؟'' گہری کالی رات کے اقرار کے بعد شاید یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اسے اتنے دھیان سے دیکھ رہا تھا۔ بنا آس پاس والوں کے خوف اور چوری چھپے کے دھڑکے کے...... صرف اور صرف محبت کا بھرپور احساس لیے۔

ڈھلان اتر کر ذیلی سڑک کا راستہ بھی دونوں نے خاموشی سے طے کیا، اور جب خاموشی بولتی ہو تو لفظوں کی حاجت نہیں رہتی۔

ذیلی راستے کے اختتام پر بڑی سڑک آئی تو کنعان کا دل اس خدشے سے دھڑک اٹھا کہ کہیں ان کا ساتھ سوار کے ہوٹل تک کا تو نہیں۔ اس کا ہوٹل جو دائیں مڑتے ہی کچھ قدم دور دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ان قیمتی لمحوں کے اثر سے اتنے جلدی نکل جائے گی۔ بس یہیں تک۔ دل ہر بڑھتے قدم کے ساتھ زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن انا کچھ بھی کہنے میں مانع آ رہی تھی۔ لیکن پھر پٹیرا ان گزر گیا۔ سوار سر جھکائے باعتماد قدموں سے اس کے ساتھ چلتا آگے نکل آیا۔ کنعان نے کب کی اٹکی سانس نتھنوں سے خارج کی۔

''اونہوں۔'' سوار نے رک کر ٹوکا تو وہ متعجب سی پلٹی۔ سوار مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مال روڈ سے نہیں۔''

اس کے رکے قدم نیچے کے راستے کو بڑھے اور وہ بھی سمجھ کر مسکرا دی۔ آج واقعی دل کی سننے کا دن تھا۔ سوار یقیناً اسے آج گھر تک چھوڑنے جانا چاہتا تھا اور اس کے لیے مال روڈ کے بجائے پیچھے کے راستے سے جانا ظاہر ہے زیادہ پر لطف تھا۔

''میں لے جاؤں سر کو، ڈاکٹر کے پاس؟'' دونوں ایک ساتھ نیچے اترنے لگے۔ سیاحوں کا موسم ان دنوں مری میں آف تھا۔ موسم بدل رہا تھا۔ آج کل تو مال روڈ بھی خالی خالی دکھائی دیتی۔ یہ ذیلی راستے تو اور بھی سنسان نظر آنے لگے تھے۔

''ضرورت نہیں ہے۔'' کنعان نے زبان دانتوں میں دبائی۔

''میرے جانے کی؟''

''اونہوں......'' وہ خفت زدہ سا مسکرائی۔ ''ابو کہیں بھی جانے کی۔''

''جھوٹ بولتی ہو، گندی بچی۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے کنعان کو دیکھا۔ لب البتہ مسکرا۔

سے باز نہیں آئے۔
نیچے اتر کر کالج روڈ پر لمبی دیوار کے ساتھ چلتے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ اونچے درختوں پر پرندوں نے شور مچا رکھا تھا۔ موڑ کاٹتے ہی کالج آنے پر سوار نے قدم تیز کیے۔ یہاں چوک جیسی جگہ پر دکانیں اور رش رہتا تھا۔ وہ اکیلا ہی یہاں سے گزرتا چرچ کے پچھلے راستے پر چڑھ گیا۔ کنعان بھی قدم سست رکھتے انجان بن کر یہاں سے گزر گئی۔ چرچ کی بیک سائیڈ سے گزر کر گول راستہ گھومتے دونوں آگے پیچھے چلتے اس ڈھلانی راستے پر آگئے جو وادی کے کنارے کنارے بل کھاتا، گھومتا گھامتا بالآخر پہلے از میر ہوٹل اور آگے چل کر جی پی او تک جاتا تھا۔
"تم نے صحیح لکھا تھا کنعان۔ مری کی ہواؤں میں رومانویت ہے۔" وہ جنگلے پر ہاتھ رکھے نیچے گہری وادی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر آج ایک عجیب چمکتی سی طمانیت تھی۔ کنعان نے اپنی گہری سبز شال کو اپنے گرد سمیٹا۔
"میں نے تھوڑی کہا تھا۔" وہ بھی ہلکی مسکراہٹ لیے نیچے وادی کے چھوٹے چھوٹے گھروں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈھلوانی راستے پر آج دور دور تک کوئی نہ تھا۔ "تو کسی آتھر کے خیالات ہے۔"
"لیکن تم کنوینس ہوئیں تب ہی آگے بھیجے۔" وہ ہلکا رخ موڑے مبہم شوخ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، کنعان نے جھینپ کر سر نفی میں ہلایا۔
"مجھے لگا آپ کو ضرور اچھے لگیں گے۔ ورنہ میرے ذاتی خیالات تو کچھ یہ تھے کہ محبت کی طرف صرف وہی دل مائل ہوتا ہے جو محبت کرنا چاہتا ہے، جسے نہیں کرنی وہ آسانی سے باز رہ جاتا ہے۔"
"سبحان اللہ۔ کیسے زریں خیالات پائے ہیں۔" سوار نے ہنسی روکنے کی کوشش کی۔ "ویسے تم کب سے اتنی عقل مند ہو؟"
"توبہ ہے۔" وہ بری طرح شرمندہ ہوگئی۔
"ایسا تو پہلے سوچتی تھی۔"
"اور...... اب کیا سوچتی ہیں؟" وہ محبت بھرے لہجے میں استفسار کررہا تھا لیکن کنعان مسکرا کر خاموش ہی رہی۔
"ویسے تمہاری رائے سے اختلاف کا حق رکھتے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک جذبات بھی فطرت کا حصہ ہیں۔ چونکہ انسان عقل و شعور رکھتا ہے اس لیے بشری تقاضوں کی فہرست بھی باقی جانداروں کی نسبت طویل ہوجاتی ہے۔ انسانی وجود میں سما کر جبلت کا مفہوم بھی وسیع ہوجاتا ہے۔ تب ہی انسانی فطرت کی سینکڑوں ہزاروں شکلوں کے باعث جذبات کے بھی الگ الگ اور عجیب رنگ ہیں۔ جیسے غذا انسانی جسم کی ضرورت اور پیٹ بھرنا جبلت ہے لیکن خوراک کے معاملے میں انسانی پسند کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ یہی معاملات کام اور آرام کے ہیں۔ جذبات پر بھی یہی مثال صادق آتی ہے۔ لیکن غلط تم بھی نہیں ہو، ماحول اور ہماری کیفیات اس معاملے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہر ذائقے سے روشناس کروانے والے نے "کنٹرول" بھی صرف انسان کو ہی عطا کیا ہے۔ خود کو جنون کے دھارے میں بہادیں تو پیچھے کچھ نہیں رہتا، سب ایک گہری کھائی کی نذر۔ ایک بس ضبط کے بندھن کو مٹھی سے چھوڑا اور سب فنا۔"
"جیسے میری بہن نے کیا۔" کنعان اسے لفظ لفظ بغور سنتے بالکل بے ساختہ بولی تو سوار نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ اپنا درد کہیں دور چلا گیا۔ اس نے تاسف سے لب بھینچے۔
"اتنی شدت سے مت دہرایا کرو اس واقعے کو، ہوسکتا ہے ماہین خود بھی نادم ہوا اپنے کیے پر۔ کیا پتا اس نے کتنی معافی مانگی ہوا اپنے رب سے۔ اور سنو کنعان۔" وہ سیدھا ہو کر اب اس کی طرف رخ موڑ چکا تھا۔
"اگر اللہ پاک نے تمہاری بہن کو معاف کردیا ہے تو تمہارے رویے کی یہ منفی شدت اللہ کے حضور

سخت ناپسندیدہ ٹھہرے گی۔ کچھ معاملات کو اللہ اور اس کے بندے کے بیچ چھوڑ دینا چاہیے۔“
”میں بھی سوچنا نہیں چاہتی سوار۔“ ناخن سے جنگلے کا کونا کھرچنے لگی۔ ”لیکن برسوں میں نے محبت سے نفرت ہی اتنی کی ہے کہ اب کچھ اچھا سوچ ہی نہیں پاتی۔“
”ابھی بھی؟“ وہ بہت قریب سے لیکن بہت سنجیدہ لہجے میں بولا تو کنعان نے ایک سرد آہ کھینچی۔
”اب محبت سے نفرت نہیں رہی لیکن اپنے آپ پہ اعتماد کم ہونے لگا ہے۔“ وہ صاف گوئی سے تجزیہ کر رہی تھی۔
”ایسا کیوں؟“ سوار نے کچھ پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ ”کیا میری وجہ سے؟“
”نہیں...... نہیں......“ کنعان گھبرا گئی۔
”آپ کی وجہ سے کیوں بھلا۔“ اس نے ایک آہ کھینچ کر جنگلے کے بیچوں بیچ لگے سڑک کنارے کے درخت سے پشت ٹکائی۔ ”ڈرتا انسان اپنے دل سے ہے، محبت کہیں بہادر نہ بنا دے، یہ وہم خوف بن کر حاوی ہونے لگتا ہے۔ پھر اس سارے خرابے سے دور بھاگ جانے کو دل کرتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ بھاگ بھی نہیں پاتے، بہادری کہیں اس کی جڑوں میں پنپتی ہے، فرار ممکن نہیں رہتا۔ کیا آپ کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا؟“ وہ معصومیت سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔
”میرے ساتھ......“ دل نے کہیں گہرائی میں غوطہ کھایا، اس نے بمشکل خود کو نارمل رکھا۔ پھر ہنس کر سر جھٹکا۔
”میں تم سے زیادہ تنگ آجاتا ہوں کنعان۔ ایسی ایسی کیفیات سے گزر ہوتا ہے کہ ہر قدم پر خود کو موردِ الزام ٹھہرانے کو دل چاہتا ہے لیکن میاں جی کا ایک ہی جملہ ساری آگ پر پانی ڈال دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ہونے دو وہ سب کچھ جو عین فطرت ہے، نئی چیزوں سے دل لگانا، نئی دنیاؤں میں قدم رکھنا تو خاصہ ہے انسان کا، خود اپنے معاملے میں حد سے زیادہ سخت ہونا ہمیں توڑ دیتا ہے۔“
”کون ہیں یہ میاں جی؟“ کنعان نے دلچسپی سے سوار کو سنا۔
”کہنے کو دوست ہیں، لیکن کہتے بیٹا ہیں۔ دوستی عمر کی قید سے آزاد ہے، سنا ضرور تھا تجربہ پہلی بار ہوا۔“ وہ میاں جی کے ذکر پر محبت سے مسکرانے لگا۔
”یہیں مری میں ملے، بلکہ آج یہاں جس مقام پر کھڑا ہوں، سب ان ہی کی بدولت ہے۔ ازمیر ہوٹل میں جاب انہوں نے ہی لگوائی تھی۔
”پھر تو مجھے بھی ان کا ممنون احسان ہونا چاہیے۔“ کنعان بڑی بے ساختہ بولی۔ سوار نے بڑی دیر بعد ایک گہری نظر کنعان پر ڈالی۔
”ایک وہمی لڑکی کی طرف سے یہ پہلا اچھا جملہ ہے۔ ویسے جان سکتا ہوں کنعان۔ کہ کب سے؟“ ازمیر کی جاب سے سوار کو بہت کچھ یاد آیا۔ اپنے کچھ اولین جذبے پھر ان پر آپ ہی روک لگا کر خود کو کچھ اور ظاہر کرنا، اور کنعان کے حوالے سے کچھ سوال، کنعان اس کے ادھورے جواب کو پوری گہرائی سے سمجھی تھی، سر ہلکے سے اثبات میں ہلا کر مسکرائی۔
”پہلے دن ہی......“
”پہلا دن۔“ سوار مکمل بے یقین تھا، اسے تو لگتا تھا شاید کوکنگ کلاسز کے دوران کبھی۔
”اور آپ......“ وہ بھی تو پوچھنا چاہتی تھی یہ سوال نجانے کب سے۔
”وہی پہلا دن۔“ سوار کا لہجہ حیرت سے نکل کر رواں ہوا۔ تو حیران ہونے کی باری کنعان کی تھی۔ دنوں، ہفتوں بلکہ مہینوں اسے یہ شکوہ رہا تھا کہ سوار کبھی آنکھ اٹھا کر دیکھتا تک نہیں، نہ متوجہ کرنے کی کوشش نہ بولنا، نہ کوئی معنی خیزی، بس ایک روکھا پن یا با ادب رویہ۔
”پہلے دن سے۔ کیسے بھلا۔ مجھے تو کبھی ایسا نہیں لگا۔“ وہ آنکھوں میں تحیر لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو، کیا لگتا تھا تمہیں؟" سوار اب محظوظ ہو رہا تھا۔ "ویسے لگا تو مجھے بھی کبھی نہیں کہ تم بھی...... تم نے بھی بڑی کامیابی سے چھپایا۔"

"تو...... آپ کو کیا لگتا تھا؟" دونوں کے تجسس، دونوں کے سوال ایک ہی تھے۔ اوپر سے حیرت جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ میں تمہیں بہت برا لگتا ہوں، تم مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتیں، ایک مغرور لڑکی، چھوٹے لوگوں کے منہ لگنا جس کا مزاج ہی نہیں۔ اور......"

"ہاں اتنی بدگمانی۔" کنعان اس کے فر فر بولنے پر آنکھیں پھیلائے دیکھ رہی تھی۔ "اتنے ہی شکوے تھے تو پھر وہ......" کنعان محبت کہنے سے پہلے ہی اٹک گئی۔ سوار نے مسکرا کر دیکھا۔

"تم نے پہلے ہی ٹوک دیا، میری پوری تقریر تو سنی ہی نہیں۔"

"اور کیا سننا باقی رہ گیا۔" اس نے خفگی سے منہ پھلایا۔

"یہی کہ اول روز سے میں اس مغرور، نک چڑھی، مجھے ولن سمجھنے والی کی محبت میں بے بسی کی حد تک گرفتار ہو چکا ہوں۔ شاید یہی سزا ہے سوار علی کے تمام کردہ گناہوں کی۔" وہ اسے چڑا کر ہنس رہا تھا لیکن وہ بھی بجائے چڑنے کے ہنسنے لگی۔

"واقعی، مجھے بھی انعام سے زیادہ یہ کوئی سزا یا امتحان ہی لگ رہی ہے۔"

"پتا ہے کنعان۔"

دونوں جنگلے سے ہٹ کر دوبارہ چلنے لگے تھے، شام کا گہرا پن ماحول پر چادر سا تن رہا تھا۔ طویل راستہ اب بھی دور دور تک ویران پڑا تھا۔ قدم بہ قدم ملا کر چلتے وہ یکسر اردگرد سے بے نیاز تھے۔ شاید جانتے تھے یہ قیمتی وقت شاید ہی پھر نصیب میں ہو۔

"ہوں۔" کنعان اس کے لہجے کے کھوئے کھوئے پن میں ڈوبی تھی۔

"اس پہلی صبح جب تم یونیفارم میں کاؤنٹر پر آئیں اور ہماری زبردست جھڑپ ہوئی۔ وہ سارا دن جیسے میں نے کسی ٹرانس میں گزارے۔ پیچھا چھڑانا، دھیان ہٹانا تب تک ممکن نہیں رہا جب چھٹی ہونے پر واپسی پہ دوبارہ تمہیں دیکھ نہیں لیا۔"

"اور مجھے واپسی پر یوں لگا جیسے پانچ گھنٹے بعد کسی نے اسٹارٹ کا بٹن دبایا ہو ورنہ بیچ کے دورانیے میں تو لائف بالکل رک سی گئی تھی۔"

"اور اگلی صبح جب میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور تم دروازے کا ہینڈل تھامے چہرا باہر کی جانب کیے کھڑی تھیں، مجھے لگا درمیان کے چوبیس گھنٹے کسی دھند میں گزر رہے ہیں، جس کے پار دیکھنا بھی چاہیں تو کچھ نظر نہیں آتا، دھند کے اس دائرے کے اندر ایک تم تھیں، ایک میں، باقی سب غائب۔"

"تو اس دن یہ کیوں کہا کہ بھائی کہا کروں؟"

"چپ رہو۔ یاد مت دلاؤ۔ ورنہ سخت جھگڑا ہو جائے گا۔" سوار نے انگلی اٹھا کر فی الفور ٹوکا۔ لہجہ سخت کھردرا ہو گیا، کنعان بیچ راستے میں تعجب سے رک گئی۔

"ہیں...... یعنی......؟"

"اس دن تم نے مجھے بھائی کیوں کہا تھا۔ جب رفیق سر کا نمبر لیتا تھا؟" سوار کے چہرے پر حقیقی غصے کے تاثرات تھے۔

"ارے۔ آپ نے ہی کہا تو......"

"میں نے جو کہا وہ اور بات تھی۔ اسے چھوڑو۔ تمہیں نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"واہ۔ یہ اچھی دھونس ہے۔" کنعان کو خاک سمجھ میں نہیں آیا۔

"اچھا بھلا اپنائیت کا احساس پیدا ہوتا تھا ایک رشتے میں۔ بھائی کہہ کر پرایا ہی کر دیا۔" وہ سخت خفگی سے بڑبڑائے گیا۔ اس مرتبہ کنعان قہقہہ لگا کر ہنسی تو ہنستی چلی گئی۔ بڑی دیر بعد سر جھٹک کر سوار کی طرف دیکھا، وہ بھی اب شرارت سے مسکراتے ہوئے خاموشی سے چلتا جا رہا تھا۔

"پتا نہیں ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔"
کنعان نے ایک آہ کھینچی۔
"پہلے نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اب......" اس نے مسکرا کر کنعان کو دیکھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اچھے کے لیے۔"
"سوار۔ مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ جاننا ہے، آپ کی فیملی، آپ کی لائف۔"
"ہوں، پتا ہے۔" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب سامنے دیکھتے چل رہا تھا۔ "سب بتاؤں گا کنعان۔"
"اچھا فیملی کے علاوہ کچھ پوچھ سکتی ہوں؟" وہ بھی اچھے بچوں کی طرح موضوع سے ہٹ گئی۔
"تم فیملی کے متعلق بھی پوچھ سکتی ہو کنعان۔ تمہارا حق سمجھتا ہوں۔ لیکن بس تھوڑا سا وقت......"
"آپ کی تعلیم؟" پوچھتے ہوئے کچھ جھجک سی گئی جیسے تجسس تو بہت ہو لیکن لحاظ آڑے آ رہا ہو۔
"بی ایس کے بعد ایم فل کیا تھا کچھ سال بھر پہلے۔"
"ہاں۔" وہ متحیر سی منہ کھولے آنکھیں پھیلائے سوار کو رک کر دیکھنے لگی اور پھر بے تحاشا ہنستی چلی گئی۔ سوار منہ بنائے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔
"مطلب پوری سولہ جماعتیں۔ اور پتا ہے کیا۔" اس نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی۔ "میں دعا کرتی تھی، یا اللہ بالکل ان پڑھ نہ ہو، کم از کم میٹرک پاس تو ہو۔ اتنا بھی ہوا تو میں اسے آگے پڑھنے کی تحریک دے سکتی ہوں۔ لیکن ایم فل......" وہ زور دے کر بول رہی تھی۔ "آپ تو پورے صاحب لوگ ہو۔"
"ویسے تم تحریک دیتیں تو میں دوبارہ پڑھنے لگتا۔" وہ شوخ ہوا۔
"چلو خیر اور پوچھو، اب پتا نہیں میرے بارے میں اور کیا کیا سوچے بیٹھی ہیں۔"
"اب ایسا بھی نہیں ہے۔" خفا ہونے لگی۔
"بس شوق ہوتا ہے نا جاننے کا، آپ کو نہیں ہے۔"
"مجھے کیوں ہو، پہلے دن سے سب جانتا ہوں۔"
"ہاں جیسے مجھے نہیں یاد کہ کیا سوچ رہے تھے پہلے دن۔" وہ دھینگا مشتی یاد کر کے غصہ ہو گئی۔
"تم نے بھی تو چور سمجھا تھا۔"
"لیں، اب ایک نیا بندہ ڈرار کھول کر چھیڑ چھاڑ کر رہا ہو تو شک تو ہوگا۔"
"بڑا اناڑی چور ہے، لڑکی دیدے پھاڑ کر دیکھ رہی ہے اور وہ رقم پہ ہاتھ صاف کر رہا ہے۔"
"ہوتے ہیں۔" لب دبا کر مسکرائی۔
"اناڑی چور بھی۔"
"لیکن میں نہیں ہوں۔" اب وہ خفا ہونے لگا۔
"یعنی کھلاڑی چور ہیں۔" کنعان شرارت کرنے سے باز نہیں آئی سوار نے چونک کر دیکھا پھر ہنس دیا۔
"ٹھیک سمجھیں۔"
"مجھے نا، پکا پتا ہے، فراڈ ہیں ایک دم۔ ہیرو کی شکل والے ولن نہیں کے۔" اس نے منہ پھلایا۔
"اچھا۔" وہ شرمندہ سا ہنس دیا۔ "لیکن تم معصوم شکل والی ہیروئن ہی ہو، جسے تین چار مرتبہ غلط سمجھنے کی غلطی کر کے بہت پچھتایا ہوں۔ کبھی معذرت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ آج دل سے معافی مانگتا ہوں اپنی ہر زیادتی کی۔"
"بس کریں سوار۔ میں نے کبھی برا نہیں منایا نہ یہ اتنی بڑی بات تھی۔"
"میرے لیے تھی کنعان۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا "میرا عہد تھا اپنے آپ سے۔ خود پہ گزرے حادثات ہمیشہ اسی ایک حادثے کے تناظر میں دیکھوں گا۔ کسی ایک واقعے کو بنیاد بنا کر معیار قائم نہیں کرنے چاہئیں۔ ہر دن طلوع آفتاب سے ہی شروع ہوتا ہے لیکن غروب تک ہر دن کی ایک الگ شکل ہے، یہاں کوئی کسی کا پرتو نہیں، جب انسان کی

شکل اس کے سائے تک سے جدا ہے، کوئی کسی کے جیسا کیسے ہوسکتا ہے۔ کسی ایک شخص کے دھوکے باز فریبی ہونے کا مطلب پوری انسانیت کا دھوکے باز ہونا نہیں ہوتا، ایک انسان بس ایک ہی شخصیت ہوتا ہے۔ ایک عورت وہی ایک عورت ایک شخصیت ہوتی ہے، میں باقی کی سو عورتوں کو ویسا نہیں سمجھ سکتا۔" درختوں کے گھنے سایوں تلے ایک پراسرار ہیولے کی مانند لگا۔

کنعان نے لحظے کو ایک جھرجھری لی۔

"نہ کوئی کسی کے جیسا ہوتا ہے، نہ کوئی کسی کو سمجھ سکتا ہے، میں بھی تمہیں سمجھنے کے دعوے سے باز آئی سوار۔ تم معمہ ہو، پہیلی یا شاید بھول بھلیوں جیسا کوئی راستہ۔ کاش کہ ان میں کنعان بھی کہیں گم نہ ہوجائے۔"

☆☆☆

چند روز سے فضا میں بدلتی رُت کی ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ عبدل کو ہمیشہ ہی ایسا موسم بڑا دلفریب لگا کرتا تھا۔ بدلتی رتوں میں اس کی طبیعت ایک دم بحال، چست اور فعال ہوجایا کرتی۔ دل و دماغ بھی عجب لطافت کے رنگ میں ڈھل جاتے۔ ابا جی، بھیا اور بھابھی سونے کے لیے چلے گئے تو اس نے موبائل لے کر چھت کا رخ کیا۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہونے کے لیے اسے سب سے زیادہ سکون چھت کے کاؤچ پر ملتا۔ وہ بڑی ترنگ میں تیز تیز جست لگاتا سیڑھیاں چڑھا لیکن اوپری اور آخری اسٹیپ پر قدم پڑتے ہی دم بخود سا وہیں رُک گیا۔

شازمہ بھابھی اپنی چھت کی چار دیواری پر دونوں بازو رکھے اور ان پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے یوں اس کی جانب دیکھ رہی تھیں گویا سات روز سے یہیں کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ حالانکہ آج اتنے دنوں بعد چھت کا رخ کرتے عبدل کے ذہن میں بھی کہیں وہ ایک ہفتہ پرانی بات نہ تھی۔

مطلب اب اپنی چھت پر بھی آنا جانا ترک کرنا پڑے گا۔ وہ بس اتنا ہی سوچ پایا۔

"چاہو تو یہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔" شازمہ بڑے درد سے مسکرائی، شاید آدی کی ناگواری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر آگے آیا۔

"السلام علیکم۔" لہجہ ایک دم سپاٹ رکھا، ان کی بات کو یکسر ان سنا کیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"طبیعت کیسی ہے آپ کی۔" وہ بادل ناخواستہ کاؤچ کے کنارے بیٹھ گیا رخ البتہ دوسری جانب رکھا۔

"ٹھیک نہیں ہوں آدی۔" وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی، عبدل بری طرح گھبرا کر اٹھا اور دیوار کے قریب آیا۔

"ارے، آپ رو کیوں رہی ہیں۔"

"میں بہت بری ہوں نا آدی۔ سب مجھے غلط سمجھتے ہیں۔ تم نے بھی سمجھا، میرا دل چاہتا ہے میں اپنے آپ کو ختم کرلوں۔ اور دیکھنا وہ دن جلد آنے والا ہے، بس میں اپنے دامن سے یہ داغ دھو کر جانا چاہتی ہوں جس نے تمہیں بدگمان کیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں نے آپ کو کب غلط سمجھا۔ آپ پلیز رونا بند کریں اور جائیں نیچے گھر جا کر آرام کریں۔" وہ تو کسی حساس موضوع پر بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن شازمہ کا رونا تواتر سے جاری تھا۔

"دیکھیں آپ رونا بند کریں ورنہ میں جا رہا ہوں۔" جان گیا تھا محترمہ اپنی بات مکمل کیے بنا جان چھوڑنے والی نہیں۔ اور وہ بھی فوراً دوپٹے کے پلو سے ناک رگڑنے اور آنکھیں صاف کرنے لگی۔ وہ منتظر رہا کہ آگے کچھ کہیں گی لیکن اب وہ خالی خالی نظروں سے عبدل کو دیکھ رہی تھی۔ عبدل نے نظریں فوراً ہٹالیں۔ غیر عورتوں سے نگاہیں ملانے کا اس کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اللہ جانے وہ کیسی عورت تھی۔ بے فکری سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرلیا کرتی تھی۔

"تمہیں لگا میں کسی غلط نیت سے تمہیں اپنی چھت پر بلا رہی ہوں۔" اس نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا اور عبدل پہلے ہی جملے پر لاحول پڑھ کر رہ گیا۔

"تمہارا بھی قصور نہیں۔" شازمہ نے پلکوں پہ ٹھہرے تازہ قطرے کو ہتھیلی سے صاف کیا۔ "تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا اس حرکت سے یہی مطلب نکالتا۔ لیکن ہمیشہ جو نظر آتا ہے ضروری تو نہیں کہ صحیح بھی ہو۔ تم خود سوچو، مجھے کیا الہام ہوا تھا کہ تم اپنی چھت پر اکیلے بیٹھے ہو لہٰذا تمہیں بلانے آجاؤں۔" وہ وضاحت دینا شروع ہوئی۔

آدی کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی باتیں سننا پڑ گئیں۔ جبکہ وہ اس پرانی بات کو پھر سے موضوع بنتا دیکھ کر سخت الجھن اور کوفت محسوس کر رہا تھا۔

"میرے سینے میں شدید جلن ہو رہی تھی اس رات۔ یوں لگ رہا تھا دیواروں سے آگ نکل رہی ہے۔ میں بہت گھبرا کر چھت پر آئی تھی۔ اصل میں اپنے ایک ذاتی مسئلے کی وجہ سے آج کل شدید ڈپریشن میں ہوں۔ یہاں آ کر تمہیں دیکھا تو سوچا دل کا بوجھ تم سے شیئر کر کے ہلکا کر لوں۔ آج کل مجھے ایک مخلص اور اچھے دوست کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن تم نے میرا دکھ اور بھی بڑھا دیا۔ تب ہی اگلے روز ڈاکٹر کے پاس جانے کی نوبت آ گئی۔" وہ اب بہت مغموم دکھائی دے رہی تھی۔ "بہرحال معافی چاہتی ہوں میری ایک حرکت کی وجہ سے۔"

"نہیں نہیں بھابھی۔" اس نے عجلت میں اس کا جملہ قطع کیا۔ "معذرت تو مجھے کرنی چاہیے۔ مجھے آپ کی حالت کو سمجھنا چاہیے تھا۔ اب آپ کی پریشانی کم ہوئی؟"

"کم......" وہ استہزائیہ ہنسی۔ سیاہ کالی آنکھیں یکایک پھر پانی سے لبریز ہو گئیں۔ "اپنے غم کے ساتھ جینا سیکھ رہی ہوں، اب تو شاید تم سے بھی نہ کہہ پاؤں۔"

"سوری بھابھی۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ آپ چاہیں تو اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔"

"سچ آدی۔ تھینک یو سو مچ۔ لیکن......" وہ کہتے کہتے رکی۔ اور عبدل کی چمکتی نگاہ میں تعجب ابھرا۔

"وہ مجھے تمہاری ایک مدد بھی درکار ہے۔ اصل میں، میں نے دوبارہ اپنی اسٹڈی شروع کر دی ہے۔ پچھلے سال جب شادی ہوئی تو میں سیکنڈ ائیر میں پڑھ رہی تھی۔ بس تب ہی تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑی لیکن اب خود اپنے آپ کو جینے پر اکسانے کی ایک کوشش کر رہی ہوں۔"

"جی بالکل۔ یہ تو بہت اچھا سوچا آپ نے۔" آدی اب ان کی باتوں کے بعد نہ صرف بہت حد تک پرسکون محسوس کرنے لگا تھا بلکہ اپنے پچھلے رویے پر ندامت بھی محسوس کی۔ بھابھی تو واقعی مشکل میں مدد چاہ رہی تھیں اور اس نے بلاوجہ برا گمان کیا۔

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟" اسے یاد آیا وہ کچھ فیور مانگ رہی تھیں۔ دل میں البتہ یہ دعا بھی ضرور کی کہ کہیں ٹیوشن کا نہ کہہ دیں۔ ان سے ہمدردی کرنا ایک الگ بات تھی لیکن بلاوجہ ایک اکیلی عورت کے گھر کے چکر بھی اسے قطعی نامنظور تھے۔

"تم مجھے ہفتے میں کبھی ایک بار کام ذمے لگا جایا کرو تو مجھے یاد کرنے کی تحریک ملے گی۔ ورنہ اپنے بل پہ تو بس چند دن شوق ابھرے گا پھر ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ ٹیوشن کا اس لیے نہیں کہتی کہ تمہارے بھی اپنے کام ہوتے ہیں۔ روزانہ پابند کرنا ٹھیک نہیں۔"

"جی جی۔ میں بتا دوں گا۔" وہ واقعی دل ہی دل میں خوش ہوا تھا۔ بھابھی نے تو اس کے منہ کی بات کر دی تھی۔ اب وہ مروتاً بھی ٹیوشن وغیرہ کا کہنے والا نہیں تھا۔

"کل دوپہر کو میں تمہارا انتظار کروں گی آدی بکس وغیرہ سب ریڈی ہوں گی۔"

"جی صحیح۔" اس نے سر ہلاتے حامی بھر لی اور شازمہ اس کا شکریہ ادا کرتے نیچے اتر گئی۔

☆☆☆

''اونو۔'' ثمامہ نے پریشانی سے پیشانی مسلی۔
کار بڑی ہی عجیب سی جگہ پر خراب ہوئی تھی۔ اس نے ٹھہرا کر دور تک نظر ڈالی۔ گھر سے وہ ہوٹل کے لیے نکلی تھی لیکن اس وقت وہ گھر اور ہوٹل کے بالکل درمیان میں تھی۔ نہ پیچھے پیدل جانا آسان تھا نہ آگے۔ اور جس قسم کی تیاری میں وہ نکلی تھی پیدل چلنا اور بھی مصیبت تھا۔ میجر صاحب کی بیگم نے اپنی بیٹی کی منگنی میں انوائٹ کیا تھا۔ اس کا ارادہ دس پندرہ منٹ کے لیے ہوٹل میں رک کر آگے نکلنے کا تھا۔ اور اب مکمل تیاری اور ہائی ہیل چلنے کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ اس نے کنارے پر نکل کر سوار کو کال ملائی۔
''السلام علیکم میم۔''
''وعلیکم السلام۔ سوار آپ کہاں ہیں اس وقت؟''
''میم۔ میں بیسمنٹ میں ہوں، آپ نے کہا تھا پارکنگ کے کیمروں کی جگہ تبدیل کرنی ہے۔ یہ آدمی آیا ہوا ہے، بس اسی کے ساتھ ہوں۔''
''او۔'' ثمامہ رک سی گئی۔
''خیریت میم۔ آپ ہوٹل میں ہیں؟''
''ہوٹل کے لیے نکلی تھی سوار، لیکن کار خراب ہوگئی ہے۔ اب میری تیاری ایسی ہے کہ کھول کر چیک بھی نہیں کرسکتی۔''
''میں آجاتا ہوں میم، کہاں پر ہیں آپ؟''
''نہیں سوار۔ آپ کیمروں کا کام اپنی سپرویژن میں کروائیں۔ اور پریشان نہ ہوں میں آصف یا نوریز سے بات کرتی ہوں۔''
''جی میم۔ دونوں ریسپشن پر موجود ہیں، آپ کال کرلیں۔''
''اوکے۔'' اس نے سوار کی کال آف کر کے نوریز کا نمبر نکالا۔
''کچھ پریشانی ہے میڈم۔ میں مدد کردوں؟'' اپنے پیچھے بہت ہی نزدیک ثمامہ کو ایک بھاری آواز سنائی دی اور وہ ایک دم ڈر کر پلٹی۔

''ہاں۔ کیا؟''
''کار خراب ہے تو میں کچھ مدد کروں؟'' وہ ایک ٹیکسی والا تھا جو اب ٹیکسی روک کر مسکراتے ہوئے باہر نکل رہا تھا۔
''نو تھینکس، میں دیکھ لوں گی۔'' ثمامہ کا لہجہ روکھا سا تھا لیکن ٹیکسی والا بھی کوئی ڈھیٹ لگتا تھا۔
''آپ تو وہ ہوٹل والی میڈم ہیں ناں؟ پریشان نہ ہوں، بھائی سمجھ کر کام بتائیں۔ دن بھر میں کئی سواریاں آپ کے ہوٹل پہنچاتا ہوں۔'' وہ انتہائی تمیز کا مظاہرہ کرتے کار کو ہر طرف سے چیک کرنے لگا۔ اور شاید اس کے بھائی کہنے کا اثر تھا کہ ثمامہ اس بار ٹوک نہ سکی۔
''اندھیرا ہوگیا تو آپ کو پریشانی ہوگی۔'' وہ بونٹ اٹھا کر اب ہاتھ لگا لگا کر ہر چیز چیک کر رہا تھا۔ ثمامہ بھی مصلحتاً خاموش ہوگئی کہ کسی طرح کار چل پڑے۔
ٹیکسی والا اپنی ٹیکسی میں سے پانی کی بوتل اور ٹولز کا تھیلا نکال لایا اور کام میں لگ گیا۔
''آپ کے ساتھ تو ڈرائیور ہوتا ہے نا باجی، وہ داڑھی والا۔'' وہ اب پانی ڈالتے یونہی سرسری سوال پوچھنے لگا، ثمامہ نے بھی اسے ٹیکسی والوں کی عادت پر محمول کرتے عام انداز میں لیا۔
''وہ ڈرائیور نہیں ہے، میرے ہوٹل کا مینجر ہے۔''
''اچھا ماشاء اللہ۔ بڑی جلدی ترقی کرلی، پچھلے ہوٹل میں تو معمولی ورکر تھا۔''
''تم جانتے ہو سوار کو؟'' ثمامہ اب اچنبھے سے قدرے نزدیک آٹھہری۔ بظاہر ہیلپ کرنے کے لیے رکنے والا اب آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔
''اتنا چھوٹا سا اپنا مری ہے باجی۔ اور یہ لڑکا۔ سوار۔'' اب ماتھے پہ گھرا بل ڈالے رومال سے اپنے ہاتھ رگڑ رہا تھا۔
''نیا آیا ہے مری میں، لیکن ہوشیار ہے۔ اسٹارٹ کر کے دیکھیں باجی۔'' اس نے ثمامہ کی توجہ

گاڑی کی جانب مبذول کی اور وہ اسے سوچتی نظروں سے دیکھتے کار میں آبیٹھی۔ چابی گھمائی تو کار اسٹارٹ بھی ہوگئی۔ وہ ٹیکسی والا مسکرا کر تھمس اپ کرتے اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

''سنو۔'' ثمامہ نے کار بند کر کے اسے آواز دی تو وہ چونک کر پلٹا۔

''شکریہ، تمہاری وجہ سے میری مشکل حل ہوئی، کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں۔''

''نیکی کا صلہ دے کر ثواب سے محروم نہ کریں۔ کسی کے کام آنے کے موقعے تو زندگی میں بہت کم آتے ہیں۔'' وہ ایک دم ہی بڑا عجز و انکسار کا پیکر لگنے لگا۔

''اچھا۔'' ثمامہ معنی خیزی سے مسکرائی، پھر کار سے باہر نکل آئی۔ ''میرا خیال ہے تم وہ کام بھی بتا دو جس کی خاطر تم میری مدد کرنے نکلے تھے۔''

''کام؟'' اس نے قدرے گڑبڑا کر دہرایا پھر کھسیا کر ہنس پڑا۔

''برسوں سے اسی ایک کام سے جڑا ہوں۔ جو کماتا ہوں اسی میں خوش ہوں۔ پریشانی روزی روٹی کی نہیں ہے، کچھ گھریلو ہے، اور ظاہر ہے وہ آپ کیسے حل کر سکتی ہیں، بس اللہ مالک ہے۔'' اس نے ایک آہ بھری۔

''گھریلو پریشانی۔'' ثمامہ کار سے تو اتر ہی چکی تھی، اس لیے اخلاقاً یہ بھی پوچھ لیا۔ ٹیکسی والا خود بھی جانے کی جلدی میں نہیں لگتا تھا۔

''چھوٹے بھائی کی وجہ سے پریشان ہوں۔'' وہ اب ثمامہ کی کار سے ٹیک لگائے مغموم سا کھڑا تھا۔

''ہوں ہوں۔'' ثمامہ نے اسے بات جاری رکھنے پر اکسایا۔

''میرا چھوٹا بھائی کالج میں پڑھتا ہے۔ بڑا جذباتی سا ہے، لاڈلا بھی بہت ہے۔'' میں نے اس کی کبھی کوئی بات نہیں ٹالی لیکن اس کی پریشانی نے میری نیندیں اڑا رکھی ہیں۔ اور پریشانی کی وجہ، آپ کا منیجر، وہ داڑھی والا لڑکا ہے۔

''سوار؟'' ثمامہ کا حیرت سے منہ کھلا، ٹیک والے کا بار بار جان بوجھ کر تفصیل میں جانا یونہی نہی تھا۔

''یہ سوار جہاں پہلے کام کرتا تھا نا۔ ازم ہوٹل۔ وہاں کے منیجر کی لڑکی ہے کنعان۔ میرا بھا اس سے بہت پیار کرتا ہے۔ کرتی تو وہ لڑکی بھی لیکن پھر یہ سوار ان دونوں کے بیچ آ گیا۔ کچھ ا بہکا دیا اس لڑکی کو کہ میرے بھائی کی تو اب صور تک دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔ ویسے تو وہ کنعان مجھے اپنے بھائی کے لیے زیادہ پسند نہیں تھی۔ دو آوارہ لڑکیاں ہیں۔ لیکن میں بھائی کی وجہ سے مجب تھا۔ پہلے تو جب وہ چھوڑ گئی، میں خوش ہوا کہ چلو جا چھوٹ گئی، لیکن اب اپنے بیمار بھائی کی حالت د ہوں تو شدید غصہ آتا ہے اس سوار پر، اس کی وجہ میرا بھائی بستر پہ آ گیا۔'' وہ دانت کچکچاتے غصے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

''لیکن مجھے یہ سب بتانے کا مطلب؟'' ثما اب ذرا اکھڑے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

الجھی گرہ تو ویسے بھی خود بخود کھل گئی تھی۔ اب اپنے دماغ میں ایک نئی اکھاڑ پچھاڑ شرو ہوگئی۔ سوار کی میٹھی موبائل گفتگو، ازمیر ہوٹل ذکر پر مبہم مسکراہٹ، بک شاپ جاتے اس گلا چہرے والی لڑکی سے بات کرنا۔ سب کچھ جیسے پہ رکھا نظر آنے لگا۔

''آپ اس کے ساتھ دکھائی دیتی ہیں، مجھے اس پہ بھروسا کرتی ہوں گی، ذرا ہوشیار کر دوں۔''

''مجھ سے ہمدردی کی وجہ؟'' ثمامہ طنزیہ ہنسی۔

''کوئی نہیں، بس میں چاہتا ہوں کوئی ا بھروسے کے قابل نہ سمجھے۔''

''اگر تم سچ بتا دو تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔ ک دنوں سے ہمارے پیچھے لگے ہو، جبکہ ہم دونوں تم واقف نہیں۔''

''بغیر جانے کچھ نہ کہیں باجی۔'' وہ کچھ غصہ گیا۔ ''آپ مجھے واقعی نہیں جانتی تھیں، لیکن

داڑھی والا، اس روز زبردستی میری ٹیکسی میں گھس آیا اور دھمکیاں دینے لگا۔ ایک بار پھر کہہ رہا ہوں میڈم، اس کی بھولی صورت پہ مت جائیں۔ لفظوں کی جادوگری جانتا ہے۔ اوپر سے صورت اللہ نے بھلی دے دی۔ باقی آپ کی اپنی مرضی۔ اور یہ جو آپ بار بار مجھ پہ شک کر رہی ہیں۔ تو سنیں۔ سینہ ٹھونک کر کہتا ہوں، ابھی جا کر اسے بتا دیں کہ جمشید ٹیکسی والا ملا تھا۔ پوچھیں اس سے کیا دھمکی دے کر نہیں گیا اور کیا اس کنعان کو محبت کے جال میں پھانسا بھی جھوٹ ہے۔ میں تو اپنا پتا ٹھکانا تک بتانے کو تیار ہوں، اس میں ہے ہمت آپ کے سامنے سچ بولنے کی۔" جمشید نے جوشِ جذبات میں پوری تقریر کر ڈالی۔ ثمامہ نے اس بار خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"اور ہاں۔" جمشید نے اپنی ٹیکسی کا دروازہ کھولتے پلٹ کر ثمامہ کو دیکھا۔ "آپ کو بتانے کی اصل وجہ یہ ہے میں چاہتا تھا اس کی اصلیت جان کر آپ اسے نوکری سے نکال دیں۔ دیکھنا چاہتا ہوں بے روزگار نکمے لڑکے کے ساتھ کتنے دن چل پاتی ہے اس چلتر لڑکی کی دوستی۔" جمشید نے صاف گوئی سے ثمامہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اقرار کیا اور جھٹک سے ٹیکسی کا دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گیا۔

لیکن بے چینی سے لب چباتی ثمامہ، باقی ہر بات فراموش کر چکی تھی۔ کیونکہ یہ حقیقت تو جمشید بھی نہیں جانتا تھا کہ میڈم اس سوار پر صرف بھروسا ہی نہیں محبت کرنے کی بھول بھی کر بیٹھی ہے۔ لیکن یہ بات صرف ثمامہ جانتی تھی کہ محبت بھی ہمیشہ اس نے کھلی آنکھوں کے ساتھ کی تھی، اپنا مفاد مدنظر رکھتے ہوئے۔ اندھی محبت کی اس کی لغت میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔

گاڑی میں ہوٹل روانہ ہوتے ذہن اب کچھ اور طرح کی سوچوں کی آماجگاہ بنا تھا۔ سوار کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اور اس کی اصلیت کیا ہے۔ جاننا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

☆☆☆

یہی تھی وہ حقیقت جس نے کئی دنوں سے میری نیند، میرے ہوش اڑا رکھے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں دھرے افسردہ و مغموم سی بیٹھی تھی۔ آدی نے پرسوچ انداز میں لب چبائے۔

مرد، دوسری کیا تیسری اور چوتھی شادی بھی کیا کرتے ہیں، ہمارے مذہب و معاشرے میں نہ یہ معیوب ہے نہ خلافِ شرع، یہاں بے شمار ایسے گھر ہوں گے جہاں سوتنیں مل کر رہتی ہیں۔ آپ زیادہ ڈیپ نہ لیں اس معاملے کو۔

"تم ٹھیک کہتے ہو آدی، لیکن تعلق میں دھوکا تو کسی بیوی سے برداشت نہیں ہوتا۔" وقاص نے مجھے اندھیرے میں کیوں رکھا۔

"آپ کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔ آئی مین، ان کی سچائی پہلے پتا کیوں نہیں چل سکی؟" وہ واقعی بہت ذہین تھا۔ شازمہ کا مقصد تو عبدل کی ہمدردی لینا تھا۔ ایسے سوال کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔ تھوک نگل کر بمشکل خود کو سنبھالا۔

"یہاں بھی ہم سے دھوکا ہو گیا۔" اس نے ایک مصنوعی آہ بھری۔

"دراصل میرے بھیا کے ایک دوست نے اس رشتے کی بات کی۔ تمام تر ذمہ داری وہ خود پر لینے کو تیار ہو گیا تو بھیا بھی چپ ہو گئے۔ خود چھان بین کرنے کے بجائے دوست پر بھروسا کر لیا۔"

"تو پھر آپ نے اپنے بھائی کو ان کی اصلیت بتائی۔" عبدل نے پھر ایک سوال کر کے شازمہ کو گڑبڑا دیا۔

"نن...... نہیں آدی۔ وہ...... اصل میں میرے بھیا بہت بیمار ہیں۔ انہیں کینسر ہے، میں ان کی پریشانی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔"

"ہوں، صحیح۔" وہ لب بھینچے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

"بس اسی لیے آگے پڑھنے کا ذہن بنا لیا۔ کل کو بھائی کے پاس ہمیشہ کے لیے جانا پڑے تو کم از کم اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں۔"

''ایسا کچھ نہیں ہوگا، ان شاء اللہ حالات آپ کے حق میں ہو جائیں گے۔'' وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تو شازمہ گھبرا اٹھی۔

''کل آؤ گے آدی؟''

''کل.....'' اس نے اچنبھے سے بھابھی کو دیکھا۔ ''یہ جتنا کام میں آپ کے ذمے لگا کر جا رہا ہوں، یہ ایک ہفتے میں آپ سے تیار ہوگا۔ میں تب ہی چکر لگاؤں گا۔'' آدی نے ان ڈائریکٹ اسے ہفتے کے ہفتے آنے والی بات یاد دلائی اور باہر نکل آیا۔ پہلے ہی وہ اس مخمصے میں تھا کہ آمنہ بھابھی کو ضرور اپنے یہاں آنے کے بارے میں بتا دے۔ پہلے تو وہی خود اسے بھیجتی تھیں کبھی سودا سلف لانے تو کبھی لیب کا کوئی کام، تب شازمہ بھابھی آمنہ کو ہی کال کیا کرتی تھی اس لیے اسے سب پتا ہوتا تھا۔ اور آدی بھی بے فکری سے چلا آتا تھا لیکن اب تو شازمہ ڈائریکٹ اسے بلانے لگی تھی۔ وہ کچھ اسی وجہ سے بھی ان ایزی محسوس کر رہا تھا۔ دل میں ارادہ کیا کہ گھر جا کر بھابھی کو سب سے پہلے انفارم کرے گا اور ان کی مرضی کے مطابق ہی آگے بڑھے گا۔

☆☆☆

ڈھولا اکھیاں تیئں نال لائیاں
نہ کر، وے بے پروائیاں
جھنگ دیاں ماڑیاں
وِچ پے تیتر بلیندے نے
رکھ پیاو سدے،
اساں تیکوں ودے وے گولیندے ہیں

''رب نواز، ذرا آواز تو اونچی کرنا یار۔'' سوار نے پھولدار تکیہ پیٹھ کے پیچھے جماتے مسکرا کر رب نواز کو دیکھا۔ فخری ٹرے میں چینک اور پیالیاں لیے قریب آیا۔

''آج تو گانے سننے کا شوق ہو رہا ہے سوار بھائی۔''

''ہاں یار۔'' سوار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''پہلے دن تمہارے ان ہی گانوں نے تو ہوٹل کی طرف کھینچا تھا۔''

''ایسے پھٹیچر ہوٹل پر رکنے کی اور کوئی وجہ ہو بھی کیسے سکتی ہے۔'' فخری نے ناک سکوڑی۔ ''اونچی آواز میں گانے بجا کر مسافروں کو بلانا رب نواز اور نانا کی اپنی سازش ہے۔'' فخری نے اس بار سوار کے کان کے پاس کھسر پھسر کی تو سوار کا بے ساختہ بڑا جاندار قہقہہ نکلا۔

''ابھی بتاتا ہوں تمہارے نانا کو۔''

''ان ہی کو بلانے جا رہا ہوں۔ اندر گھر گئے ہیں کھانا کھانے۔''

''اچھا کھانا تو آرام سے کھانے دو۔ اور سنو، یہ گانا ذرا دوبارہ لگا دو۔''

''جی بھیا۔'' دور جاتے فخری نے ہاتھ ہلایا اور سوار نے مسکراتے ہوئے جیب سے موبائل نکال کر کنعان کا نمبر ڈائل کیا۔

''واہ۔ آج تو اس ٹائم فارغ۔'' کنعان نے مسکراتے ہوئے اس کی کال اٹینڈ کی ''یا پھر کوئی کام ہے؟''

''اچھا واہ۔'' سوار نے ہنس کر واہ پہ زور دیا۔ ''اور آخری بار آپ نے میرا کون سا کام کیا تھا؟''

''ہاہاہا۔'' وہ بری طرح شرمندہ ہوگئی، جواب بھی بن نہیں پایا۔

''اچھا وہ چھوڑو، یہ بتاؤ کبھی سرائیکی میوزک سنا ہے؟''

''سرائیکی۔ مطلب پنجابی؟'' کنعان نے اپنی دھن میں نجانے کیا اخذ کیا، سوار نے بے یقینی سے موبائل کو دیکھا۔

''ترکی، افغانستان کا تو مجھے نہیں پتا لیکن پاکستان میں سرائیکی کو پنجابی کوئی نہیں کہتا۔''

''آں۔ ہاں ہاں۔'' وہ ایک بار پھر شرمندہ ہوگئی۔ ''میرا مطلب ہے ایک جیسی لگتی ہیں۔''

''جسے نہ آتی ہوں، ہاں اسے لگ سکتی ہیں۔'' سوار پھر باز نہیں آیا۔

''ہاں تو نہیں آتی۔'' اس بار وہ بھی برا منا گئی

''ہم کشمیری ہیں اصل میں۔ یہ اور بات کہ مجھے کشمیری بھی نہیں آتی۔'' وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''یہی امید کر رہا تھا نالائق، چلو خیر وہ بھی بعد میں سنواؤں گا۔'' سوار نے سامنے سے میاں جی کو آتے دیکھا تو اجازت لینے کی ٹھانی۔
''کیوں آپ کی میڈم صاحبہ آ گئی ہیں؟'' کنعان نے چھیڑا۔
''نہیں، میاں جی کے پاس آیا ہوں۔'' فارغ تھا تب ہی تمہیں کال ملا لی۔'' ویسے بہت جلد آپ سے تو نہیں، آپ کے والد صاحب سے کام پڑنے والا ہے، دعا فرماتی رہیے گا نیک خاتون۔''
''ہاں۔ کیا...... ابو سے کام۔'' وہ پوچھتی رہ گئی۔ سوار نے ہنس کر موبائل آف کر دیا۔ اب اتنا تجسس تو بنتا تھا۔
''آؤ بھئی، بڑے دنوں بعد شکل دکھائی، کہاں رہ جاتے ہو یار۔'' میاں جی بڑے زور سے بغل گیر ہوئے۔
سوار ان کے ملنے کے انداز سے ہی جان جاتا کہ وہ اسے کتنا مس کر رہے ہیں۔
''بچے، ماں باپ کو نظر آتے رہیں تو وہ ہشاش بشاش رہتے ہیں۔'' میاں جی نے سامنے کی کھاٹ سنبھالتے مسکرا کر بات آگے بڑھائی۔
''ابھی فخری نے گھر آ کر تمہارے آنے کا بتایا تو میری عجلت دیکھ کر اس کی نانی شکوہ کرنے لگی کہ اپنے آپ ایک بیٹا بھی بنا لیا اور اب اس کی محبت میں بھاگے دوڑے بھی پھر رہے ہو، کبھی مجھے بھی ملواؤ کہ تمہارا بیٹا میرا بھی کچھ لگتا ہے۔ کہتی ہے کھانے کے لیے اندر بلا لو۔''
''کھانا تو کھا چکا ہوں میاں جی۔ اور آپ کے فخری کی مہربانی سے چائے بھی پی لی۔ ہاں دعا لینے ضرور جاؤں گا۔ مجھے بھی ماں سے ملنا ہے۔'' سوار کا موڈ تو پہلے ہی بہت خوش گوار تھا۔ میاں جی کی محبت کی مٹھاس نے اسے کئی گنا بڑھا دیا۔
''ایک دن تم نے کہا تھا سوار کہ میاں جی یہاں سے چلے تو نہیں جائیں گے، لیکن اب تو میرا یہی حال ہے، زیادہ دن تم اگر شکل نہ دکھاؤ تو مجھے وہم اٹھنے لگتے ہیں کہ کہیں شہر نہ چھوڑ گیا ہو۔'' میاں جی کچھ سنجیدہ ہو گئے۔
''جسے فقط روپیہ جمع کرنے کی چاہ ہو میاں جی، ان کے لیے جگہیں، لوگ، رابطے تعلق کچھ خاص معنی نہیں رکھتے۔ وہ آگے بڑھنے کی خواہش میں دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن واللہ۔'' اس نے سر کو شدت سے نفی میں ہلایا۔ ''سوار۔ میں اب نئے لوگوں، نئی جگہوں کو خود میں سمانے کی قطعاً تاب نہیں۔''
''تم اپنی جگہ ٹھیک ہو سوار۔ لیکن لوگ بھی غلط نہیں ہوتے جانتے ہو کیسے......'' وہ اب بغور اسے دیکھ رہے تھے، سوار خاموش رہا۔
''جس کا اپنا کوئی سہارا نہ ہو اس کے لیے پوری دنیا سہارا ہوتی ہے، تب ہی وہ جگہوں، لوگوں اور رابطوں کو اتنی شدت سے لیتا ہے۔ لیکن جس کے پاس اپنا خاندان ہو اس کی ترجیح سہارے نہیں ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔ تمہیں بھی ان عارضی سہاروں کے بجائے اپنا گھر بنانے کے بارے میں سوچنا ہوگا۔''
''کیا آپ سے تعلق بھی ایک عارضی سہارا ہے؟'' سوار حیران ہوا۔
''ہاں سوار۔ لیکن یہ بات تمہیں تب سمجھ میں آئے گی جب گھر بار والے ہو جاؤ گے۔ جب ایک مضبوط سہارا مل جائے گا تب ہم دوسرے درجے پر آ جائیں گے۔ قدرت کی قائم کردہ یہ آگے ہی آگے کو جاتی ایسی ندی ہے جسے پیچھے کا راستہ نہیں معلوم۔''
''تم یہاں سے نہیں جانا چاہتے بے شک نہ جاؤ، خوشی کی بات ہے لیکن اپنے یہاں کے قیام کو مضبوط کرنے کے لیے اب تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔''
''یہ تو میں بھی چاہتا ہوں میاں جی۔'' دونوں ہاتھ آپس میں پھنسائے آگے کو جھک کر بیٹھتے وہ بھی ایک دم سنجیدہ تھا۔
''تو پھر بسم اللہ کرو۔''

''کیسے میاں جی۔'' سوار کے لہجے میں عجیب یاسیت تھی۔

میاں جی کی سمجھ میں کچھ آیا کچھ نہیں، پھر ایک گہرا سانس بھر کر اسے دیکھا۔

''کیا رکاوٹ ہے؟''

''اکیلے منہ اٹھا کر کیسے رشتہ مانگنے چل پڑوں۔ اور فرض کرو چل بھی پڑوں تو کیا توجیہہ پیش کروں اپنے اکیلے پن کی، کیا اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ والدین سے کچھ اختلافات ہیں؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے، کافی ہوگا؟''

''میاں جی۔'' سوار کی آنکھوں میں اچانک ایک خیال سے چمک ابھری۔ ''آپ چلیں گے میرے ساتھ۔''

''ضرور چلوں گا سوار۔ لیکن پہلے تمہیں سنوں گا۔'' وہ بڑے تدبر سے اور صاف گوئی سے بولے تھے۔ سوار بری طرح حیران ہوا، شاید ایسے جواب کی میاں جی سے توقع نہیں تھی۔ لیکن اس نے چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہ اور بات کہ میاں جی سے چھپانا مشکل تھا۔

''بیٹیاں بیاہنا مذاق نہیں ہوتا سوار۔ میں رفیق صاحب کی نظر میں کوئی مضبوط گارنٹی نہیں ہوں، جبکہ اتنے ہی عرصے سے تو وہ خود بھی تمہیں جانتے ہیں۔ اس لیے گھر کھڑا کرنا ہے تو صرف سچ کی بنیاد پر۔ صرف سچ۔'' وہ متانت سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ سوار بس سر ہلا کر رہ گیا۔ سارا جوش، ساری پھرتی ہوا ہوگئی، کیونکہ سچ بتا کر اسے انکار ہی سننا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے بھابھی۔ سکینہ آج کل نظر نہیں آتی۔ کیا پھر چلی گئی۔'' عبدل آج تیسری مرتبہ اسے پڑھانے آ رہا تھا۔ وہی ہفتے میں ایک بار آ کر اس کے ذمے کام لگا جانا، آمنہ بھابھی سے اس نے بات کرلی تھی اور انہوں نے بڑے خوشی خوشی اسے شازمہ کو پڑھانے کی اجازت دی تھی، لیکن ہر بار انہیں اکیلا پایا تو آج پوچھ ہی لیا۔

''ارے نہیں آدی۔'' شازمہ نے مسکرا کر بالوں کی چٹیا آگے ڈالی۔ ''صبح سویرے گھر چلی جاتی ہے، پھر اس کا چھوٹا بھائی پانچ بجے کے قریب چھوڑ جاتا ہے۔ ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے کاموں میں۔'' وہ کتابیں لے کر آدی کے پاس آ بیٹھی۔

عبدل نے سخت بے چینی محسوس کی۔ بھابھی نے کچھ دن ہوئے کمرے سے سنگل صوفے نکال کر سب ہی ٹوسیٹر اور تھری سیٹر رکھ دیے تھے۔ اور کتابیں لے کر وہ اس کے قریب آ بیٹھتی۔ آدی کو یہ حرکت اچھی تو بالکل نہ لگتی لیکن مروت میں مارا جاتا۔ اور یہ بھی عبدل کی اپنی ہی کمزوری تھی، ورنہ زندگی کے کچھ معاملات میں اصول بنا لینا اچھا رہتا ہے۔ محض مروت میں آ کر چپ رہنا بعد میں کیسے بھیانک نتائج سامنے لا سکتا ہے۔ یہ بات وقت کو ہاتھ سے کھو دینے کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔

''اس ہفتے آپ کی اسپیڈ ماشاءاللہ کافی اچھی رہی۔'' وہ اس کے بنائے نوٹس دیکھ رہا تھا۔ ''کافی محنتی اسٹوڈنٹ ہیں آپ۔ وہ لطافت سے مسکرایا۔

''تم قابل استاد ہو، یہ کہنا چاہیے۔'' وہ شوخی سے ہنسی۔

''آپ نے بہت ٹائم پر ایک اچھا فیصلہ کرلیا۔ پڑھائی میں مصروف ہو کر آپ میں بہت اچھی تبدیلیاں آئیں گی۔''

''ویسے ایک معاملے میں تو وقاص کی بھی ممنون ہوں۔'' وہ اسے دیکھتے اب معنی خیزی سے مسکرا رہی تھی۔

''یوں تو نرے دکھ ہی دیے ہیں مجھے وقاص نے۔ لیکن اس کی وجہ سے ایک اچھے اور مخلص دوست سے مل پائی ہوں، ورنہ کہاں تم ایک الگ شہر کے اور کہاں میں دوسرے شہر کی۔'' وہ اسے محویت سے تکتے اپنی کہے جا رہی تھی۔

عبدل نے گھبرا کر نظریں کتاب پہ جمائیں۔ وہ کبھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ بھابھی سے غیر ضروری گفتگو

کر... لیکن وہی پھیلنے لگتی۔
"آپ کو اگلے ہفتے کا کام سمجھا دوں۔" اس نے بھابھی کے گھورنے سے گھبرا کر... یہ پچھ لکھنا شروع کر دیا۔
"آدی۔" وہ دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں ہاتھ ... ٹھوڑی کے نیچے دیے اسے دیکھے ہی جا رہی تھی۔ اس نے بے بسی سے دیکھا۔
"بدلی تو واقعی بہت اچھی آئی ہے۔" وہ اسے شوخ مسکراتی نظروں سے بڑی خاص ادا کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔
"پہلے وقاص کا انتظار کرتی تھی، دنوں، ہفتوں، پہروں، راتوں۔ اب تمہارا کرتی ہوں۔ پہلے اسے سوچا کرتی تھی، اب تمہیں سوچتی ہوں۔ پہلے اسے چاہتی تھی، اب تمہیں۔"
"پلیز بھابھی۔" وہ گڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا، جتنا سن لیا تھا وہ بھی بہت زیادہ تھا۔ ٹانگیں اگرچہ گھبراہٹ کے مارے لرزنے لگی تھیں، کہ اسے ایسی باتوں کی قطعاً عادت نہیں تھی۔ لیکن اپنا اعتماد بحال کرنے کی تگ ودو میں تھا، جب شازمہ نے کھینچنے کے انداز میں اسے دوبارہ بٹھالیا۔ عبدل نے گھبرا کر نظریں پھیری۔ وہ چہرا اس کے قریب کیے اسے کچھ ادا دیتی نظروں سے دیکھ رہی تھی
"میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا آدی؟" اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ عبدل کو بٹھا لینے کے بعد دونوں ہاتھ گود میں رکھے اب وہ دکھی اور مغموم نظر آنے لگی تھی۔
"کتنی خوشی سے میں اس گھر آئی تھی۔ اسے چاہا... وارا تھا۔ وقاص کی سنگت میں یہاں عمر بھر رہنے کے خواب دیکھے تھے۔ نہ اس سے دوری کا کبھی تصور کیا، نہ کسی اور کو اس دل میں جگہ دینے کی بات سوچی۔ وقاص کی دی چوٹ سے ذہن ہٹانے کے لیے خود کو پڑھائی کی طرف مائل کیا۔ ایسے میں تم دل کے قریب آئے، کیسے تمہیں سوچنے لگی پتا ہی نہیں چلا۔ دل پہ اختیار کھونا کیا ہوتا ہے، پہلی بار

جانا۔ لیکن۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے آدی۔ مجھے بچا لو اس طوفان سے۔" اس نے کن انکھیوں سے آدی کو دیکھا جو سامنے میز پر نظریں گاڑے کچھ سوچ رہا تھا۔
شازمہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر وہ رک گیا ہے تو اگلے قدم پر پوری طرح یہاں جم بھی جائے گا، منہ بسورتے ہلکی ہلکی سسکیاں لیتے وہ اس کے کندھے سے آ لگی۔ اور بس...... عبدل کی برداشت کی بھی یہی حد تھی۔ وہ اسے جھٹک کر سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بنا اس کی طرف دیکھے دروازے میں جا کھڑا ہوا۔
"اگر واقعی آپ نے کچھ عرصہ پہلے یہ سب جانا بھابھی۔ تو آپ کو محتاط رہنا چاہیے تھا نہ کہ اپنی بے اختیاری دیکھتے ماحول کو بھی اسی رنگ میں ڈھال لیا۔ نہ آپ مجھے پڑھانے کا کہتیں، نہ گھر بلاتیں۔ انسان کو اپنے کمزور جذبوں پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بہرحال اچھا ہوا آپ نے مجھے بتا دیا۔ اب میں خیال رکھوں گا۔" وہ اپنی نظریں دوسری جانب رکھے گویا ہوا اور پھر باہر نکل گیا۔ شازمہ البتہ دیدے پھاڑے اس غیر متوقع ردعمل پر اس جانے والے کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔
عبدل ایک عجیب سا بوجھ اور خلفشار کی کیفیت لیے ان کے گھر سے نکل کر اپنی گلی میں داخل ہوا تو گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوتے عمار نے رک کر بھائی کو دیکھا۔
"کہاں سے آ رہے ہو؟" وہ بائیک اندر لے آتے اس سے پوچھنے لگے۔
"جی، وہ شازمہ بھابھی کو اسٹڈی میں کچھ ہیلپ چاہیے تھی تو ان ہی کے پاس گیا تھا۔"
"شازمہ۔" انہوں نے جیسے دماغ پہ زور دیا۔ "وہ آمنہ کی سہیلی۔ وہ تو غالباً اکیلی رہتی ہے نا؟" وہ بائیک کھڑی کر کے اس کے ساتھ اندر جانے لگے۔
"جی، ایک بچی ہوتی ہے ساتھ۔" عبدل کا موڈ پہلے ہی آف تھا، اوپر سے بھیا کا انٹرویو۔
"تمہیں محتاط رہنا چاہیے آدی۔ محلے والے

باتیں کر سکتے ہیں، جوان اور خوب صورت عورت ہے۔کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی۔" بھیا نے تو دو جملوں میں ہی لتاڑ دیا۔آدمی کا سر چکرانے لگا کہ اتنے دنوں سے تو اس کی بھی یہی کوشش تھی۔

"جی۔" اس نے لمبی بحث سے بچنے کے لیے فوری طور پر پیچھا چھڑایا، ویسے بھی اس کا کہاں ارادہ تھا دوبارہ اس کے ہاں جانے کا۔

☆☆☆

"ماما کہانی سنائیں نا۔" ثمر نے کوئی تیسری مرتبہ اس کا پلو کھینچ کر متوجہ کیا تھا۔

"پلیز ثمر۔آج نہیں بیٹا۔ماما بزی ہیں۔" اس نے تھک کر نظریں لیپ ٹاپ سے ہٹائیں۔دھیان کسی اور جانب منتقل ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"نانو کے پاس چلا جاؤں سننے؟" ثمر نے اجازت چاہی۔

"ہاں بیٹا، ان ہی سے سنو۔" ثمامہ سخت اکتائی ہوئی سی تھی۔ثمر فوراً باہر بھاگ گیا۔

ثمامہ نے ایک گہری سانس لیتے دوبارہ اسکرین کی طرف دیکھا۔دس پندرہ منٹ کی تلاش کے بعد بالآخر وہ سوار کی سی وی تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ہوٹل کے تمام عملے کا ریکارڈ یہاں محفوظ تھا۔پچھلے دو دن ہوٹل میں انتہائی مصروف رہنے کی وجہ سے وہ یہ اہم ترین کام نہیں کر پائی تھی۔اس نے سی وی سامنے نکال کر سوار کا ایڈریس، والد کا نام وغیرہ ایک پیپر پر لکھے اور اب اگلے مرحلے کی تیاری تھی۔اس نے ایک بار دل ہی دل میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی اور پھر ایک طویل سانس کھینچ کر موبائل میں سے ایک نمبر نکالا اور دوسری گھنٹی پر ہی ثمامہ کو ایک جانی پہچانی نسوانی آواز سنائی دی، اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" حیرت سے جواب آیا۔"جی کون؟"

"اچھا واہ، جی کون۔" ثمامہ نے مصنوعی غصے سے دہرایا۔"جی کون کی بچی، ثمامہ ہوں، ثمامہ ابراہیم۔"

"اوہ۔ثمی۔" جواباً ایک شرمندگی بھرا قہقہہ سنائی دیا۔"سوری یار، بھئی کیا کریں۔جب سے موبائل فون آئے ہیں ہم آوازوں سے زیادہ ایک دوسرے کو نمبروں سے پہچاننے لگے ہیں۔نیا نمبر دیکھ کر لہجہ خود بخود محتاط ہو جاتا ہے، خیر تم سناؤ، اتنے لمبے عرصے کے بعد۔ہوتی کہاں ہو آج کل......اور میرا نمبر......"

"سب بتاتی ہوں بابا، سانس تو لو۔" ثمامہ ہنسنے لگی۔

سویرا اس کی اسکول زمانے کی دوست تھی اور پرانی محلے دار بھی۔بارہویں جماعت تک دونوں کا ساتھ رہا، پھر سویرا تو بیاہ کر ہری پور چلی گئی اور ثمامہ ابا کی وفات کے بعد بالکل الگ حالات کے شکنجے میں۔

سوار کا تعلق ہری پور سے ہے، یہ بات تو وہ جاب کے آغاز سے ہی جانتی تھی، اور اب اس کی سی وی سے مکمل ایڈریس حاصل کر لینے کے بعد اسے پہلا خیال سویرا کا آیا۔کیونکہ وہ بھروسے مند بھی تھی اور برسوں سے ہری پور میں تھی۔سویرا کا نمبر بھی اسے پرانے محلے کی ایک دوست سے ملا تھا۔کافی دیر تک سویرا سے یہاں وہاں کا حال احوال کر لینے کے بعد ثمامہ نے اسے سوار کی مکمل تفصیل دیتے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا کہا۔سویرا سے اس نے یہی کہا کہ وہ اپنے نئے ہوٹل کا عملہ چننے میں احتیاط سے کام لے رہی ہے اور سب کا بیک گراؤنڈ جاننا چاہتی ہے۔سویرا نے بھی بغیر تجسس میں پڑے حامی بھر لی۔فون رکھ کر ثمامہ نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔ذہن پچھلے دو دنوں سے شدید انتشار کا شکار تھا۔جمشید کی باتیں اور سوار کا رویہ آپس میں گڈمڈ ہو کر بری طرح کنفیوژ کر رہے تھے۔اور اس کنفیوژن کے حل تک اس کا چین سے رہنا محال تھا۔

شب و روز آج کل جس کے تصور سے سجے

..اس کی حقیقت جاننے سے بڑھ کر کوئی اور معاملہ اہم ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اس کے متعلق جان کر ہی وہ آگے کا لائحہ عمل تیار کر سکتی تھی۔ اسے جو ایک گلابی ...بل چمٹ گئی تھی۔ اس سے دور کرنے کی کوئی ...یب سوچنا تھی۔ تبھی وہ اپنے خوابوں کے شہزادے کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتی تھی۔۔ اسے اپنی بے ...بت کا احساس دلا سکتی تھی، وہ اب بیٹھے بیٹھے ہی ...یں موند کر حال کے ہر جھنجٹ، ہر کشمکش سے دامن چھڑا کر خیالوں کی سہانی وادی میں پھولوں کی پتیوں پہ پاؤں رکھتی اپنے محبوب کے بڑھے ہوئے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ دھرنے کی کوشش میں چلتی چلی جا رہی تھی۔ ''مسکراتے ہوئے پاس تو بلا رہا تھا لیکن دھیرے دھیرے اپنے قدموں کو پیچھے ہٹاتے، اس سے دور جاتے، اسے مزید بے چین کرتے۔ نجانے کیوں۔

☆☆☆

''آپ نہیں چل رہیں اماں؟'' کنعان نے ...ت میں ہیئر برش کرتے ایک نظر تسلی سے ناشتا ...تی اماں کی طرف دیکھا اور دوسری باہر آسمان پر، گزشتہ روز سے سورج نے منہ نہیں دکھایا تھا۔ آج بھی گھیرے کالے بادل، وہ بھی دن بہ دن بڑھتی سردی کے ساتھ۔ کنعان کا منہ بن گیا۔

''بی بی اسکول سے دو روز کی چھٹی پر ہے، اس لیے ابھی تو گھر میں ہوں دو دن۔''

''او اچھا۔'' کنعان نے کوٹ شوز پیروں میں پہنائے۔ ''اتنی سردی میں نکلنے کو دل بھی کس کا چاہتا ہے۔ آپ کمرے کا ہیٹر آن کر لیں اور ٹی وی ...لیں۔'' اس نے چائے کے گرم گھونٹ بھرتے ابو کے کمرے میں جھانکا جب سے سرما آیا تھا اب وہ بھی ہوٹل کے لیے ذرا دیر سے نکلنے لگے تھے۔ کنعان نے ان کو خدا حافظ کہا تو وہ شال اپنے گرد لپیٹتے برآمدے میں نکل آئے۔

''دعا کیجیے گا ابو، آج سے ماہانہ ٹیسٹ شروع ہو رہے ہیں۔ بس پھر ٹیسٹ ختم ہوتے ہی چھٹیاں۔''

''اللہ تمہیں کامیاب کرے۔'' انہوں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''اور دیکھیے۔ چھٹیوں میں مجھے کوئی صبح سویرے نہیں اٹھائے۔'' اس نے نکلتے نکلتے تنبیہہ کی اور رفیق احمد اور اماں ہنس پڑے۔

''جیتی رہے، خوش رہے۔'' اماں دوپٹا سر پہ جماتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

''دعا کیا کریں بوا، اللہ پاک نصیب اچھے فرمائے۔'' وہ کھلے خالی دروازے کو دیکھتے کھو سے گئے۔

''میری تو ہر وقت دعا ہے، اللہ پاک بٹیا کو خوب سکھ عطا کرے، آپ بھی اب کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر بسم اللہ کریں۔'' وہ میز سے برتن اٹھا کر دوبارہ کچن میں چلی گئیں۔ اور رفیق احمد اپنے آپ میں مسکراتے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

''اچھا لڑکا تو دیکھ رکھا ہے بوا، سمجھ دار ہے، لائق ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنی کنعان کو پسند بھی کرتا ہے، بھلے رویے سے ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن رفیق احمد بھی گھاگ نہیں کہ اتنی سی بات سمجھ نہ سکے۔ اگلی ملاقات صاحبزادے سے اسی مشاورت کے سلسلے میں کرنی پڑے گی۔'' وہ ہنوز مسکراتے پیروں میں جرابیں پہننے لگے۔

ٹھیک اسی وقت جب رفیق احمد اسے دل ہی دل میں یاد کر رہے تھے وہ ازمیر ہوٹل کے ریسپشن پہ کھڑا صدیق سے اجازت لے رہا تھا۔

''رفیق سر سے ان شاء اللہ اگلی بار ملوں گا۔ اتنی ٹھنڈ میں انہیں ڈسٹرب مت کرو۔'' سوار نے اسے کال سے منع کرتے مصافحہ کر کے باہر کی راہ لی۔

کنعان اور دیا ابھی ابھی ہوٹل کے سامنے سے گزری تھیں۔ اور آج تو وہ بالخصوص کنعان کو دیکھنے کی خاطر اتنی دور تک آیا تھا۔ رفیق سر سے ملاقات کو آئندہ پر ٹالتے اس نے بے خبر حسینہ کا پیچھا لیا جو ہوٹل کی طرف ایک نگاہ غلط بھی ڈالنے کی زحمت نہ کرتے سیدھی آگے نکل گئی تھی۔۔ اور جی پی او تک کا یہ مختصر ساتھ وہ ہرگز نہیں گنوانا چاہتا تھا۔۔ بل کھاتا گول

راستہ آج بھی سنسان پڑا تھا۔ دائیں ہاتھ پہ ہوٹلوں کی لائن اور بائیں جانب جنگلے سے نیچے درختوں بھرا جنگل، جس میں کہیں کہیں بادل اتر آئے تھے۔

"سلام عرض ہے گرلز۔" اس نے چند بڑے بڑے قدموں میں ان دونوں کو جالیا۔ بیک وقت ہی دونوں چونک کر مڑی تھیں۔ کنعان کی حیرت بھری براؤن آنکھوں میں ڈوبنا بڑا ہی پرلطف تھا اس لمحے۔

"ارے سوار بھائی۔ آپ یہاں؟" دیا خوشی سے چہکی۔

"جی۔" اب وہ ان کے ہم قدم چلنے لگا تھا۔

"یہاں جی پی او کسی کام سے آیا تھا سوچا سب سے ملتا جاؤں۔"

"بہت اچھا کیا، میں تو اکیڈمی ختم ہونے کے صدمے سے ابھی نکلی بھی نہیں۔ آپ کو دیکھ کر سچی کوکنگ کلاس کی یاد آ گئی۔"

"اچھا۔ اور...... آپ کو کیا یاد آیا مجھے دیکھ کر؟" اس نے اچانک ہی گردن موڑ کر کنعان کی آنکھوں میں دیکھا، جس نے پہلے تو خوب گھور کر دیکھا پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی، حیران کرنے میں کیسا ماہر تھا۔ اور اب چلتے چلتے احساس بھی نہیں ہونے دیا اور دونوں کے درمیان آ گیا۔

"ویسے حیرت ہے دیا جی۔ آپ کو کوکنگ کلاس کی یاد آئی، مجھے تو یہاں کے ماحول میں صرف اپنی ریسپشن کی جاب یاد آتی ہے۔"

"تو دوبارہ کیوں نہیں کر لیتے؟" کنعان کی زبان کھجائی۔

"دیکھا دیا جی۔ لوگ ہماری منیجری سے جلتے ہیں۔" منہ ہی منہ میں زوال کی بددعائیں دی جا رہی ہیں۔ وہ شکوہ کرنے لگا اور کنعان کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

سوار نے پھر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی۔ کتنے مہینوں بعد اسے یونیفارم میں دیکھا تھا۔ وہ سی گرین کڑھائی کی سفید چادر اوڑھے معصوم تتلی دنوں ہی دنوں میں قریب آئی تو دیکھتے ہی دیکھتے دونوں زمینی فاصلوں کا شکار ہو گئے۔

آج سرما کی مناسبت سے اس نے سفید یونیفارم کے اوپر بلیک سوئٹر پہنی تھی اور اپنے گرد براؤن کڑھائی والی بلیک چادر لپیٹ رکھی تھی۔ شہد سی چمکتی آنکھیں ہر قسم کے کاجل سرمے سے پاک تھیں۔ ہیئر اسٹائل بھی حسب عادت تبدیل لگ رہا تھا، ساری چھوٹی بڑی لٹیں الٹی مانگ نکال کر سلیقے سے کان کے پیچھے جمی تھیں۔ سوار نے ایک ہی تفصیلی جائزے میں آنکھوں کو سیر کیا۔

کنعان نے خود پر جمی نگاہوں کو محسوس کرتے تنبیہا نظر اٹھائی لیکن اس کی شرارتی سی مسکراہٹ نے سنجیدہ نہیں رہنے دیا۔ دونوں بیک وقت ایک جیسا مسکرائے تھے۔ اور چھوٹی سی اس مسکراہٹ میں دوستی، آشنائی، ربط انڈر اسٹینڈنگ کے سب ہی رنگ نہاں تھے۔ دیا ہلکا سا کھنکاری۔

"تو سوار بھائی۔ پھر ملے آپ رفیق انکل سے؟"

"جی نہیں۔ ابھی وہ نہیں آئے تھے۔ کیوں کنعان بی بی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا سرکی؟" اس نے بائیں ہاتھ چلتی کنعان کے اپنی سائیڈ پہ جھولتے بیگ میں چپکے سے کچھ اڑسا۔

"جی، بس تیار ہو رہے تھے۔" اس بار کنعان نظر نہ ملا سکی۔

"اب تو مل ہی لیں انکل سے۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔" دیا اب گول گول آنکھیں نچا کر کہہ رہی تھی، سوار مسکرا دیا۔

"نہیں ہونے دیں گے ان شاء اللہ۔ لیں جی جی پی او آ گیا۔" سوار نے اپنے قدم وہیں روکے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر الوداعی نگاہ ڈالی، دیا آگے چلی گئی تھی۔

"اللہ حافظ۔"

"ہوں۔ اللہ حافظ۔" دونوں ہاتھ لیدر جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ وہیں قدم جمائے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''بہت اچھے، بہت پیارے دوست عبدالعلی۔

تمہاری اس نالائق اسٹوڈنٹ اور بہت بری دوست کے پاس معذرت کرنے کے لیے الفاظ اگرچہ بہت زیادہ ہیں کیونکہ میرا قصور بھی بہت بڑا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے آدی کہ تمہاری ناراضی کے مقابلے میں سب ہی الفاظ بہت چھوٹے بہت معمولی لگ رہے ہیں۔ بس مختصراً یہی کہنا چاہتی ہوں کہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔ کال یا میسج پر تمہارا سامنا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی، ویسے ایک وجہ اور بھی ہے وہ میں تمہیں آخر میں بتاؤں گی۔ اور تمہیں خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے کچھ باتوں کی وضاحت کرنی تھی۔

تمہارا کہنا بالکل درست ہے آدی کہ اگر میں جان چکی تھی کہ میرا دل باغی ہو رہا ہے تو مجھے وہیں رک جانا چاہیے تھا۔ انسان خود کو غلط راستے پر جانے سے تبھی بچا سکتا ہے جب وہ اپنے قدموں کو روک لے۔ میں بھی چاہتی تو ایسے مواقع پیدا نہ کرتی لیکن یہ بات اس کے لیے کہنا بہت آسان ہے جو خود اس حالت سے نہ گزرا ہو، تم اگر اس روز مجھے نہ ٹوکتے تو نجانے میرے قدم بھی کہاں جا کر رکتے

لیکن پچھلے کچھ ہفتوں میں وقاص کی دی چوٹ نے مجھے رات رات بھر انگاروں پہ سلایا ہے، تکلیف اتنی شدید تھی کہ مر جانے کو دل کرتا تھا۔ اور ایسے بیزار اُچاٹ دل کی راہوں سے کب تمہارا گزر ہوا میں تو سمجھ ہی نہیں پائی اور جب تک سمجھ میں آیا، میں مر جانے کی اس کیفیت سے خود بخود نکل آئی تھی۔ نہ راتوں کو جاگنا عذاب لگ رہا تھا نہ دن سلگتے صدیوں جیسے۔ تمہاری آمد جب میرے سارے دکھ درد چرا لے گئی تو بتاؤ میں کیسے اپنے قدموں کو لگام دیتی۔

''لیکن یہ بھی سچ ہے کہ آدی کہ یہ سارے خیالات بھی تمہارے سمجھانے سے پہلے تک کے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ میں غلط کر رہی تھی اور مجھے اپنے آپ کو یہیں روکنا ہوگا۔ اب تم نے احساس دلایا تو ہاں۔ اب یہ بات میں سمجھ سکتی ہوں کہ خود کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے فاصلہ قائم رکھنا پڑتا ہے۔ عملی طور پہ خود کو ثابت کرنا پڑتا ہے۔ اور آج اسی لیے سب سے پہلے میں نے تمہارا نمبر اپنے موبائل سے ہٹا دیا۔ حالانکہ تم جیسے اچھے دوست کو میں کبھی کھونا نہیں چاہتی، تمہاری بدولت میرے اندر بہت اچھی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اور اگر یہ دوستی کچھ اور طویل ہوتی تو نجانے میں کتنا سدھر جاتی۔ تم نے ایک دن کہا تھا اگر میں صبر اور حوصلے سے وقاص کا انتظار کروں تو حالات میرے حق میں ہو جائیں گے۔ میں کہتی ہوں صبر اور حوصلہ کیوں آدی میں تو وقاص کے لیے اپنے دیدہ و دل فرش کرنے کو تیار ہوں لیکن اب ایسی اچھی باتیں مجھے کون سمجھائے گا۔ تم دور چلے گئے تو شازمہ کو صرف خودکشی ہی اپنے مسئلوں کا حل دکھائی دے گی۔ لیکن خیر میں تمہیں دوستی پر مجبور نہیں کروں گی۔ بس تم میری غلطی پر مجھے معاف کر دینا۔

اب میں موبائل فون پر تم سے کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہتی، تم بھی مجھے اپنا جواب میسج یا کال کر کے مت بتانا، ورنہ اس بار شاید میں ڈیلیٹ نہ کر سکوں۔ بس تم سے ایک آخری التجا ہے کہ اگر تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہو تو آج رات بس تھوڑی دیر کے لیے چھت پر آ جانا، میں تمہیں ایک نظر دیکھ کر پلٹ جاؤں گی، اسی خوشی سے سرشار کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔ میرا خط پڑھ کر پھاڑ دینا آدی، شازمہ کبھی تمہارا برا نہیں چاہ سکتی۔ اللہ حافظ۔

دعاگو، شازمہ۔''

ایک گہرا سانس لے کر عبدل نے پیپر دوبارہ تہ کیا، لیکن پھر ایک خیال آنے پر اسی تہ کیے ہوئے پیپر کے کئی پرزے کر کے دوبارہ جیب میں ہی رکھ لیا، کمرے کی ڈسٹ بن کے حوالے کرنا بھی بے وقوفی تھی۔ شازمہ بھابھی ابھی کچھ دیر پہلے ان کے ہاں آئی تھیں۔ کچھ دیر آمنہ بھابھی کے پاس بیٹھی رہیں پھر کتاب لے کر کچھ پوچھنے کے بہانے اس کے

کمرے میں آ کر اسے یہ خط دے گئی تھیں۔ آدی نے سر جھٹک کر اپنا دھیان دوبارہ موبائل میں لگانا چاہا لیکن ذہن اب بھابھی کی لکھی باتوں میں بھٹکنے لگا تھا۔ بھابھی کی معذرت اور غلطی کو تسلیم کر لینے کی بات سے جہاں ایک گونہ سکون محسوس ہوا تھا وہاں آخری چند سطور نے دل بری طرح بھاری اور بے چین کر دیا۔ آخر میں ضرور انہوں نے ایسا کچھ لکھنا تھا جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے عمل کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اب اگر وہ چھت پر نہ جائے تو شازمہ بھابھی یہی سمجھنے والی کہ آدی نے اسے معاف نہیں کیا اور پھر ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی اور طریقے معافی مانگنے کی کوشش کرے گی۔ اور ان کی مزید کسی حرکت کا وہ ہرگز متحمل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اسے یہ معاملہ یہیں ختم کر کے آئندہ کبھی ان کی صورت بھی نہیں دیکھنی تھی...... اور...... اور اس کے لیے آج رات اس کا چھت پر جانا ضروری تھا۔ عبدل نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بادل ناخواستہ ذہن بنانے کی کوشش کی۔

☆☆☆

"خیریت۔ آج تو بڑے جلدی اٹھ گئیں؟"

امی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ثمامہ بازو سیدھے کر کے جمائی لیتے چھوٹی ٹیبل کے نزدیک آ بیٹھی۔

"بس آنکھ جلدی کھل گئی، دوبارہ سونے کو جی نہیں چاہا۔" ثمامہ ایک خیال سے اپنے آپ میں مسکرائی۔ کچن میں وہ نیم گرم پانی کے چند گھونٹ پینے آئی تھی۔ اسے اپنا گلا صاف کر کے کسی کو کال کرنی تھی۔

"ناشتا؟" امی اسے واپس جاتے دیکھ کر پلٹیں۔

"جی بنوا دیں۔" وہ کہہ کر کمرے میں واپس آئی۔ موبائل ہاتھوں میں لے کر جملے ترتیب دیے۔ اسے سوار کو اس کی برتھ ڈے وش کرنی تھی۔ وہ بھی کسی گلابی چڑیل کے وش کرنے سے پہلے۔

"السلام علیکم میم، گڈ مارننگ۔" سوار کی زندگی سے بھرپور آواز میں پیچھے چڑیوں کی چہچہاہٹ اور لوگوں کا ملا جلا شور تھا۔ سوار کی آواز میں بھی پھولی سانسوں کا عنصر شامل تھا۔

"کہیں باہر ہیں سوار؟"

"جی میم۔ مارننگ واک کا موڈ بنا تو مال روڈ پر جی پی او تک آ گیا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"جی پی او۔" ثمامہ کا دل ٹھٹک کر رکا۔ "از میر ہوٹل۔" وہ بے ساختگی میں بول بھی گئی اور سوار اس کی ذہانت پر متعجب ہو گیا۔ نہ صرف اس نے ہوٹل کا نام یاد رکھا تھا بلکہ جی پی او کہتے ہی وہ یہ بھی سمجھ گئی۔

"جی میم، دوستوں سے ملنے چلا گیا تھا۔" وہ کنعان کے تصور سے مسکرا رہا تھا۔

"ہوں، بہت اچھا کیا۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ "کاش میں بھی صبح سویرے کی اس صحت بخش واک میں شامل ہوتی۔"

"جی بالکل میم۔ وہاں آپ کی طرف پنڈی پوائنٹ پہ تو اور بھی سکون ہوتا ہے، اگلی صبح نکلا جا سکتا ہے۔"

"تو آپ کے از میر ہوٹل کی طرف کیوں نہیں، کیا میں آپ کے دوستوں سے نہیں مل سکتی؟"

"کیوں نہیں میم۔" وہ جھینپ گیا۔ "لیکن آج ادھر کچھ کام تھا۔ اس لیے جانا پڑا۔"

"ہاں بھئی، سالگرہ کے دن دوستوں سے میل ملاقات کرنے کو دل تو چاہتا ہی ہے۔" وہ شوخی سے کھلکھلائی اور سوار نے حیرت سے ڈاڑھی کھجائی۔ "انہیں تو الہام بھی آتے ہیں۔ ایک اپنی وہ بے فکری شہزادی ہے شبہ تک نہیں گزرا ہوگا مہارانی کو کہ آج کی میری آمد کسی خاص وجہ سے ہوگی۔"

"سالگرہ مبارک ہو سوار۔ اس دن سمیت ہر آنے والا دن آپ کی زندگی میں پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو۔"

"آمین۔ بہت شکریہ میم۔"

"ویسے مجھے آپ کی سی وی سے پتا چلا۔ چلیں پھر ہوٹل پہنچ کر اچھی سی چائے تیار

رکھیں۔ میں بھی آرہی ہوں۔" وہ بشاشت سے مسکرائی اور فون بند کر کے وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔ تیاری کے دوران بھی اس کے دماغ میں بہت کچھ چل رہا تھا۔ پہلے تو اس نے صرف یہ سوچا تھا کہ سوار کو ڈنر پہ لے جا کر حیران کرے گی لیکن اب سوچ رہی تھی کہ ڈنر کو بھی بہت "خاص" ہونا چاہیے۔ سویرا کی معلومات کے انتظار میں بیٹھی تو نہیں بیٹھی ہی نہ رہ جائے۔ وہ کنعان تو کچھ زیادہ ہی فاسٹ لگتی تھی۔ جلد از جلد اگر اس نے کوئی اسٹیپ نہ لیا تو بہت دیر ہو جائے گی۔

☆☆☆

شدید سردی کی رات میں جبکہ مری مال روڈ کی رونقیں بھی تقریباً ماند پڑ چکی تھیں۔ ثمامہ، سوار کے مقابل ہلکی روشنیوں والے اس ریسٹورنٹ کے کونے والی ٹیبل پر بیٹھی تھی اور یہ ٹیبل ایک کیبن کے اندر تھی جو صرف فیملیز کے لیے مخصوص تھا۔ سوار کی گھبراہٹ دیکھتے ثمامہ نے ہلکی پھلکی گفتگو شروع کی اور ڈنر آرڈر کر دیا، کھانے کے بعد اس نے کافی آرڈر کی تو سوار نے بے ارادہ گھڑی کی طرف دیکھا۔ ثمامہ دھیرے سے مسکرائی۔

"کچھ کام ہے سوار۔"

"او نہیں میم، اس وقت کیا کام ہونا ہے۔" کندھے اچکا کر رہ گیا۔ صبح سویرے کنعان سے مل آنے کے بعد پورا دن انتہائی مصروف گزرا تھا۔ آج سارا دن اس سے بات تک نہیں ہوئی تھی، نہ ہی اس نے کوئی رابطہ کیا تھا۔ اور آج کے اتنے اہم دن پر وہ اب تک اسے بتا ہی نہیں پایا تھا کہ آج اس کی برتھ ڈے ہے۔ کاموں کے دوران بھی یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتا رہا کہ رات کو آرام سے کمرے میں جا کر بات کرے گا۔ پر یہ ثمامہ میڈم۔ صبح سویرے ناشتے پر وش کرنے سے ان کا دل نہیں بھرا تھا، اب زبردستی ڈنر پر لے آئی تھیں۔ اب تو نوریز اور آصف سمیت ہوٹل کے کئی دوسرے ورکر بھی باتیں بنانے لگے تھے۔ نجانے ثمامہ کو کچھ دکھائی کیوں نہیں دیتا تھا۔ سوار نے اس جانب دھیان دلانے کے لیے خود کو آمادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ بول پڑیں۔

"میں اپنے آپ کو مشکل اور سمجھ میں نہ آنے والی چیز سمجھتی تھی سوار، لیکن آپ تو مجھ سے بھی زیادہ کمپلیکٹڈ ہیں۔" وہ ایک کہنی ٹیبل پر ٹکا کر بڑی دلکش مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سوار نے تعجب سے نگاہ اٹھائی، چاکلیٹ براؤن اور پیچ کنٹراس کے ابسٹرک پرنٹ کے ساتھ کھلے بالوں کو اسٹریٹ کر کے شانوں پر ڈالے لائٹ براؤن میک اپ کے ساتھ وہ آج بھی انتہائی دلکش لگ رہی تھی۔ اس کی ساحروں جیسی آنکھیں ان گنت پیغاموں سے بھری تھیں۔ ثمامہ نے خود کی طرف آتی اسکی نظروں کو محسوس کرتے اپنی آنکھیں دوسری جانب پھیر لیں، تاکہ وہ اس کی طرف دیکھے تو دیکھتا ہی رہے، اور جب دیکھے گا تو سراہے گا بھی ضرور، عنقریب سوچنے پر بھی مجبور ہوگا۔

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں میم۔" سوار نے اسے متوجہ کیا تو وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"میں نے بارہا آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، لیکن آپ اپنی ضد چھوڑنے کو کبھی تیار نہیں ہوئے، آپ کو واقعی لگتا ہے میں ایک اچھی دوست ثابت نہیں ہو سکتی؟"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ شرمندہ ہوا۔ "میں رئیلی آپ کو دوست سمجھتا ہوں۔"

"ہاں لیکن اب میں نہیں سمجھتی۔" وہ دلآویز سا ہنسی۔

سوار نے خیالوں میں دانت کچکچائے۔ یہ عورتیں ناں، جو کر جھتی ہیں مردوں کو، سرکس کی رسی پہ چلائے رکھتی ہیں۔ وہ بھی ایک ٹانگ پر۔ اور دائیں بائیں موت دیکھ کر بھی بے چارہ چلنے پر مجبور۔ کنعان کے دن بھر کے رویے پر حیرت کم نہیں ہوئی تھی کہ اب یہ اتری تھیں میدان میں۔ وہ سنجیدہ صورت لیے جبراً سننے پر مجبور تھا، صورت پہ صاف صاف لکھا تھا،

فرمائیے، اب آپ بھی کہہ دیجیے اپنے دل کی بات۔
ویٹر نے آکر کافی سرو کی اور اس کے جاتے ہی دونوں ہاتھ کپ کے گرد جما کر جیسے اس کی گرمی کو اپنے اندر اتارا۔
''میں نے اپنے ماضی سے متعلق آپ کو ہر بات سے آگاہ کیا تھا سوار، میں یہ تو نہیں کہتی کہ تکلیفوں اور غموں کے پہاڑ ٹوٹے مجھ پر، کرائسس کا سامنا تو ہر کسی کو لائف میں ہوتا ہی ہے۔ مجھے بھی تھوڑی بہت جدوجہد کرنی پڑی لائف میں، اس کے بعد یہ مقام حاصل ہوا۔ بلکہ جب یہاں تک پہنچ گئی تو شروع کا عرصہ یہی لگتا کہ بس یہی میری زندگی کا مقصد اور میری منزل تھی۔ لیکن یہ بھی انسان کی وقتی بھول اور غلط فہمی ہوا کرتی ہے کہ اس نے سکون اور ٹھہراؤ کو پالیا ہے۔ کیونکہ خواہشات ہمارے گلے میں پڑا وہ طوق ہیں جس کا قبر سے پہلے اترنا ناممکن ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر سیٹ ہوگئی تو امی کی طرف سے یہ پریشر بڑھنے لگا کہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچوں، ان کا کہنا تو یہ بھی تھا کہ یہاں اب کئی بڑی اور اونچی فیملیز سے اچھی جان پہچان ہوگئی ہے تو مجھے اپنی حیثیت سے کچھ اور اوپر نظر رکھنی چاہیے۔''
ثمامہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے کافی کے ہلکے ہلکے سپ لیتی بڑے ریلیکس موڈ میں اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ سوار بھی کافی سے لطف اندوز ہوتے بغور اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اور دوستی کا یہ یک طرفہ تعلق بھی خوب تھا۔ ثمامہ اکثر ہی اپنے پرسنلز اس سے ڈسکس کرلیا کرتی۔ ہوٹل کے آفس میں بیٹھے اس سے عادل کے کالج، ثمر کے اسکول، والدہ کی صحت، اور ہوٹل کے معاملات سے متعلق کئی باتیں کیا کرتی۔ آج بھی اسے یہی لگ رہا تھا کہ شاید اس نے اپنی زندگی سے متعلق کچھ فیصلہ کرلیا ہے اور وہ اس دوست نما مشیر سے صلاح چاہتی ہے۔
''میری جڑیں متوسط سے بھی ذرا نچلے طبقے سے جڑی ہیں، اور میں جتنی اونچائی پر بھی پہنچ جاؤں سوار، اپنی اصل کو فراموش نہیں کرسکتی، نہ کرنا چاہتی ہوں۔ انسان کے زندگی گزارنے کے طریقے پر غور کیا جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ ظاہری سکون بلاشک وشبہ دولت میں رکھا ہے۔ لیکن جو دلی اور روحانی سکون کی بات کی جائے تو وہ سوائے محبت کے کوئی شے پورا نہیں کرسکتی۔ میرے لیے مادی اشیاء کا حصول اب کوئی مسئلہ نہیں رہا، اللہ کی مہربانی سے سب کچھ حاصل ہے۔ لیکن یہ دلی سکون۔'' اس نے لمحے کو نظر سوار کی جانب اٹھائی۔
''میں نے بہت غور کیا ہے سوار۔ میں کسی کلف لگے انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، مجھے باقی کی زندگی کسی اپنے جیسے انسان کے ساتھ گزارنی ہے، جو نہ صرف میرے جیسا ہو، بلکہ مجھے سمجھتا ہو، میرا دوست ہو۔''
ثمامہ نے کپ سامنے میز پر رکھا۔ لاکھ پراعتماد سہی، بہر حال ایک عورت تھی، اس پر ستم یہ کہ دل کی بات آج کھل کر کہنے پہ مجبور تھی۔ بالآخر بڑی دقت سے چند الفاظ کا انتخاب کرتے ٹیبل پہ رکھے واز کو دیکھ کر کہنا شروع کیا۔
''میں نہیں جانتی سوار۔ آپ اس بیوہ اور ایک بچے کی ماں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں، لیکن میں اپنے پارٹنر کی تمام خوبیاں صرف آپ کی ذات میں دیکھتی ہوں۔''
''جی؟'' وہ یقین نہ آنے کے انداز میں بس یہی کہہ پایا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عبادت شاہ

جنجال پورہ



"ارے بھئی میں اپنی بیٹی نہیں دوں گی ایسے لوگوں میں۔ غضب خدا کا بڑے تایا کے گیارہ بچے، منجھلے کے نو اور اس سے دو چھوٹوں کے بھی چار چار بچے۔ پتا نہیں ان کے خاندان میں وقفے کی گنجائش نہیں تھی یا سب نے گھر میں ہی ٹیم بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا کہ پاکستان کو بڑی ضرورت ہے۔"

ثریا بیگم نے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھے اختر صاحب نے اپنی مسکراہٹ اخبار کے پیچھے چھپائی تھی۔ جب کہ ندرت جہاں نے بے ساختہ پہلو بدلا تھا کیونکہ یہ گوہر فشانیاں ان کے میکے کے بارے میں ہورہی تھیں۔

"اور یہ تم کیا منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھی ہو۔ جاؤ سفیر کے آنے کا وقت ہورہا ہے، کچھ میاں کا بھی سوچ لیا کرو۔ اب تمہارے خاندان کی طرح یہاں خدمت گاروں کی ریل پیل نہیں ہے۔" انہوں نے گویا ندرت کے ضبط کا اور امتحان لیا تھا۔ وہ اٹھ کر کچن میں آگئی اور چاول چڑھا کر وہ سوچنے لگی کہ گھر فون کرکے بتادے۔

"شامی بھیا! آپ نے غلط جگہ پر دل لگالیا۔" وہ دل ہی دل میں بھائی سے مخاطب تھی۔ اسے حقیقت میں بھائی پر پیار بھی آرہا تھا اور ترس بھی، اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ اس کی ساس اب اپنے جیتے جی رشتہ نہیں کرنے والی۔

☆☆☆

"یار! تمہاری اماں جان کو مسئلہ کیا ہے، یہ بھی کوئی بات ہے بھلا اعتراض کرنے والی۔ تم نے میرے ساتھ رہنا ہے یا میرے خاندان والوں کے ساتھ۔ آج کل لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکا کیا کرتا ہے؟ جاب کیسی ہے؟ اور آنٹی نے کس بات کو جواز بنا کر انکار کیا ہے۔"

کافی ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھتے ہوئے اختشام ملک پھٹ پڑا تھا جب کہ حنا نے خاموشی سے اس کی بات سن کر سر جھکا کر ناخن کترنے شروع کردیے تھے۔ ایک تو وہ ثریا بیگم کی ضد کی وجہ سے پریشان تھی اور اوپر سے اختشام کا رویہ اسے اور ہرٹ کررہا تھا۔

"اچھا سوری یار!" وہ اسے ہرگز دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ "حنا!" اس نے حنا کے ہاتھ تھامے جنہیں حنا نے آہستگی سے چھڑالیا تھا۔ "اب ناراض ہوجاؤ گی، تو یہ جو ایف ایم 91 میں مہران آرہے کی آواز سن کر تم یہ کافی پینے کے لیے بے چین ہوجاتی ہو، یہ کافی ٹھنڈی ہوجائے گی۔" اختشام نے دانستہ بات کو بدلا۔

"بندہ بات کرنے سے پہلے سوچ لیتا ہے، کچھ بھی ہو وہ میری ماں ہیں اور شامی! تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم پاکستان کے چھوٹے سے شہر ڈیرہ اسماعیل خان کے چھوٹے سے قصبے دین پور کے رہائشی ہیں، جہاں آج بھی ستر فیصد مائیں بیٹیاں وہاں بیاہنا چاہتی ہیں جہاں سسرال کم سے کم ہو۔" حنا نے کافی کا مگ ہاتھ میں تھامتے ہوئے اسے حقیقت بھرا آئینہ دکھایا تھا۔

"کچھ بھی ہو، میں تو تمہیں ہی اپنے گھر کی مالکن بناؤں گا۔" شامی نے بل ادا کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

"دلی ابھی دور ہے میرے دوست۔" حنا نے اسے چڑایا تھا۔

"آج کل کوئی چیز دور نہیں، جب فون پر دبئی رہنے والوں کے پاکستان میں نکاح ہوسکتے ہیں۔ پاکستان اور انڈیا میں کرتار پور بارڈر کھل سکتا ہے تو ہماری شادی بھی ہوجائے گی۔ سفیر بھائی سے بات کرنی پڑے گی۔"

حنا نے روڈ پر آتے ہی رکشہ کو ہاتھ کا اشارہ کیا تھا۔

"میں تمہیں ڈراپ کردوں گا یار!"

"جی نہیں، میں کوئی ایشو نہیں چاہتی کہ شکوران بوا یہ کہتی پھریں کہ ہائے ہائے کیا زمانہ آگیا ہے، لڑکی شادی سے پہلے ہونے والے میاں کے ساتھ سیر سپاٹے کررہی ہے۔ کل یونیورسٹی میں ملتے ہیں بائے۔" رکشہ نظروں سے اوجھل ہوا تو شامی نے ٹھنڈی سانس بھری اور بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

☆☆☆

اختیار میاں کی حویلی بہت بڑی تھی، کشادہ اور کھلی مگر اس سے زیادہ تو ان کے اہل خانہ تھے جو بامشکل حویلی میں سماپاتے۔ ان کی چار بیٹے تھے، بیٹی کوئی نہیں تھی۔ بڑے وحید صاحب اور ان کی بیگم اقصیٰ خاتون کے ماشاءاللہ سے دس بیٹے تھے اور بیٹی کی خواہش میں

انہوں نے گیارہویں بچے پر اکتفا کیا مگر قدرت نے آخری تحفہ ان کو احتشام ملک کی صورت میں دیا تو دونوں نے دیر سے سہی قدرت کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ دوسرے نمبر پر اظہار صاحب تھے، نو بچے تھے ان کے، صرف دو بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ جن میں سے ماہا اور سوہا جڑواں تھیں اور بچپن سے ہی عماد اور صارم سے منسوب تھی۔ حاکم صاحب کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں جب کہ احمد صاحب کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

اس خاندان کے سب بچے آپس میں منسوب کر دیے گئے تھے مگر پہلی بار ندرت کی شادی سفیر خان سے خاندان سے باہر کی گئی تھی۔ یوں تو ندرت کے اپنے دو بھائی تھے مگر احتشام اسے سگے بھائیوں سے زیادہ عزیز تھا سو وہ ہر معاملے میں اسے سپورٹ کرتی۔ اگرچہ ندرت کی شادی کے وقت گھر میں کشیدگی تھی مگر ندرت خود اس ماحول سے فرار چاہتی تھی سو فیصلہ اس نے اپنے حق میں کروالیا۔

شادی کے بعد احتشام ہی زیادہ تر ندرت کے گھر جاتا تھا۔ کیونکہ اس کی زیادہ تر ہم آہنگی ندرت کے ساتھ تھی۔ گو کہ ثریا بیگم ندرت کے میکے سے آئے ہوئے کسی بھی فرد کو اتنی اہمیت نہیں دیتی تھیں مگر احتشام عرف شامی ندرت کی وجہ سے ایسی باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیتا تھا۔ عماد اور صارم سے وہ اتنی فرینک نہیں تھی، دونوں بھائی بھی بس خاص مواقع پر اس کے ہاں آتے تھے۔ ندرت خود بھی میکے کم جاتی تھی حالانکہ اکلوتی بہن سمیرا کافی ناراض ہوتی تھی اس کے نہ آنے پر۔ سفیر کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا، وہ شکر بجا لاتی۔ حنا بھی صبح یونیورسٹی نکل جاتی اور سفیر آفس۔ ثریا بیگم کا موڈ ہوتا تو اس کے ساتھ باتیں کرتیں اور موڈ نہ ہوتا تو بس......

ندرت کے پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی تو اس نے گھر والوں کی دعوت کر ڈالی۔ ننھے منیب کی قلقاریاں گھر میں گونجنے لگیں۔

''اب اماں بن گئی ہو تو میرے حصے کی محبت اس گپلو کو نہ دے دینا۔'' احتشام نے منیب کو گود میں اٹھاتے ہوئے ندرت سے کہا تھا۔ ابھی وہ منیب اور ندرت سے باتوں میں مصروف تھا کہ ماہا اور سوہا اور سمیرا کمرے میں داخل ہوئیں۔

''بڑی باتیں ہو رہی ہیں، تھوڑی بہت مجھے بھی کرنے دو اپنے بھانجے سے۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''کرو بھئی باتیں، میں چلا باہر۔'' یہ کہہ کر وہ جیسے ہی نکلنے لگا، اپنے دھن میں اندر آتی حنا سے ٹکرا گیا۔

''اوئی اماں جی۔'' حنا بے ساختہ چیخی۔ احتشام گھبرا گیا، جیسے ہی حنا اٹھی اس کی نگاہ احتشام پر پڑی وہ الجھ سی گئی۔

''آپ تو شاید......'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر سوچ میں پڑ گئی۔

''جی جی، میں انگلش ڈیپارٹمنٹ والا شامی ملک ہی ہوں اور آپ غالباً ندرت آپی کی نند حنا ہیں۔ ویسے آئی ایم سوری، آپ کو شاید زیادہ چوٹ لگ گئی۔'' وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

رات گئی بات گئی والی بات ہوئی، محفل اختتام پذیر ہوئی تو سب گھر کی راہ چلے مگر احتشام ملک کی صورت ساری رات حنا کی نگاہوں میں گھومتی رہی۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں معمول کے مطابق چہل پہل شروع تھی۔ لہراتے آنچل، مسکراتے چہرے ہر طرف نظر آ رہے تھے۔

''واقعی یار! شامی ملک تمہارا رشتہ دار ہے۔'' فوزیہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''آہستہ بولو، لائبریرین تمہاری طرف ہی دیکھ رہا ہے۔ موٹی پہلے دیکھ لیا کرو، کہاں بیٹھے ہیں۔'' حنا نے غصے سے کتاب اس پر ماری تھی۔

''میرا مطلب ہے یار! تم نے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔''

''یار ایک تو بھیا کی شادی میں رش بہت تھا اور میں عین بارات والے دن شدید بخار کی وجہ سے جا نہیں پائی تھی اس وجہ سے مجھے پتا نہیں چلا اور بھابھی کے میکے والے اکثر کم ہی آتے ہیں۔'' حنا نے اسے بتایا۔

''چلیں اب پوائنٹ نکل جائے گا۔'' حنا نے کھڑے ہوتے ہوئے ذرا طنزاً کہا۔ فوزیہ اور وہ چلتی

ہوئی باہر نکل آئیں۔
پھر یہ اکثر ہونے لگا کہ احتشام ندرت کے پاس اکثر یونیورسٹی سے ہی آجاتا اور اسے بھی ساتھ لے جاتا اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی ہم آہنگی ہوتی گئی اور یہ محبت میں کب بدلی، انہیں پتا ہی نہیں چلا گو کہ حنا اتنی خوب صورت نہیں تھی لیکن اس کے چہرے پر سادگی تھی۔ احتشام نے سب سے پہلے ندرت سے بات کی۔
''کیا واقعی تم حنا میں انٹرسٹڈ ہو مگر شامی میرے بھائی، سفیر تو پھر بھی مان جائیں گے مگر آنٹی کا مشکل ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ حنا کی وجہ سے مان جائیں، ویسے تو حنا بہت اچھی لڑکی ہے لیکن اتنے بھرے ہوئے گھر میں ایڈجسٹ ہونا مشکل ہوگا اور چچا لوگ تمہیں علیحدہ گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔'' ندرت نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔
''اُفوہ، ندو آپی! آپ مجھے ڈرائیں تو مت اور مجھے نہیں پتا۔ آپ نے امی لوگوں سے بھی بات کرنی ہے اور یہاں بھی۔'' وہ گویا سب کچھ ندرت کے ذمے لگانا چاہتا تھا۔
''چلو میں پہلے سفیر سے بات کروں گی۔'' ندرت نے ہامی بھری تھی۔ ''اور تم نے ابھی گھر میں کوئی بات نہیں کرنی۔ مگر ندرت کو سفیر سے بات کرنے کا موقع نہ ملا اور وہ دفتری کام کے سلسلے میں دبئی چلا گیا اور ندرت نے شامی کی امی سے بات کی وہ تو جھٹ پٹ رشتہ لیے آگئیں مگر ندرت کے خدشات درست نکلے۔ ثریا بیگم نے انکار کردیا صاف انکار......

☆☆☆

''ناں مجھے بتاؤ ہمارے شامو میں کیا کمی ہے۔ سوہنڑا گبرو جوان، چٹا رنگ اور پڑھ بھی یونیورسٹی میں رہا ہے۔ ہم تو خوش تھے کہ چلو ندرت کا سسرال ہے، پر اس کی ساس نے تو صاف چٹا انکار کردیا۔ نا بھلا یہ کوئی تک بنی کہ کہہ دیا بھرا گھر ہے۔ ہے کیا ہمارے بچے بغیر نیبیــــوں کے پھر رہے ہیں یا آٹا پورا نہیں ہوتا۔ لو بھلا پوچھو ان سے۔'' اقصیٰ خاتون نے ندرت کو دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی باتیں سنائیں۔
''چاچی ان کی بیٹی ہے، اب ان کی مرضی ہے، ہم زبردستی تو نہیں کرسکتے۔'' ندرت نے منیب کو چارپائی پر لٹاتے ہوئے سبھاؤ سے ان کی بات کا جواب دیا۔
''تمہارا لاڈلا جب سے انکار سن کر آیا ہے، کمرہ بند کرکے پڑا ہے۔ کہتا ہے حنا کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔ لو بھلا مجھے تو اس لڑکی میں کچھ نہیں دکھائی دیا، بس خاموش، چپ چپ۔'' انہوں نے حنا کی شان میں قصیدہ پڑھا۔
''اس سے اچھا میں شکورن کی بھانجی ہی لے آتی، جو تیرے پڑوس میں رہتی ہے۔ تم نے سفیر سے بات کی؟'' انہوں نے ندرت سے پوچھا۔
''وہ کل آئیں گے مگر وہ بھی اپنی اماں کے خلاف تھوڑی جائیں گے۔''
''خیر سے اماں ابا کی طرف سے چکر لگا آئی ہو نا...... سمیرا تمہارے جانے کے بعد کہتی پھرتی ہے، چاچی آپ لوگوں نے میری بہن پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔'' اقصیٰ بیگم کے گلے پورے جہان سے تھے۔
''چاچی! سمیرا کو چھوڑیں۔ یہ بتائیں اگر میری ساس مان بھی جائیں لیکن انہوں نے الگ گھر کی فرمائش رکھی تو پھر......'' ندرت نے بات کو بڑے طریقے سے موڑا تھا مگر اقصیٰ بیگم کو تو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔
''ناں میں اس لڑکی کی وجہ سے اپنا پلا پلایا، جوان گبرو شہزادہ بیٹا خود سے جدا کردوں، نہیں مجھے بتا۔ کیا ہمارے خاندان میں ایسے بھلا کبھی ہوا ہے۔'' انہوں نے غصے سے پاس رکھی لسی کے دو گلاس چڑھائے۔ ندرت گھبرا کر اٹھی۔
''چاچی میں نے ویسے ایک بات کی تھی، انہوں نے کچھ نہیں کہا۔'' مبادا اقصیٰ بیگم سے کوئی بعید نہ تھا کہ پھر اس کے سسرال جاکر سنا آتیں۔
ندرت عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی، ادھر حنا کی صورت دیکھتی تو ترس آجاتا اور ادھر احتشام کی شکل پر بارہ بجے تھے۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر شامی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی جہاں وہ روشنی بند کیے لیٹا تھا۔ ندرت نے منیب کو اس کے اوپر لٹا دیا، جانتی تھی وہ اس

سے منہ نہیں موڑے گا۔
"ناراض ہو اپنی بہن سے؟" ندرت کی آواز بھرا گئی۔
"ارے نہیں، مجھے تو ذرا فلو ہو رہا ہے۔" وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس سے بے مقصد باتیں کرتے کرتے شام ہو گئی اور ندرت بوجھل دل کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔

☆☆☆

"ہائے ئی میں نے کیا سنا ہے، آپ نے ندرت کے بھائی کو بیٹی دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ویسے لڑکا تو اچھا ہے۔" شکورن بوا نے حیرت سے منہ پر انگلی رکھی۔
ثریا بیگم صحن میں کپڑے بکھرائے بیٹھی تھیں اور کچن میں سبزی بناتی ندرت نے یہ جملے بخوبی سنے تھے۔
"ناں میں نے لڑکے کی خوبیوں کے اچار ڈالنے ہیں۔ لڑکی بیاہ کر صرف لڑکے کے ساتھ نہیں جاتی، پورے سسرال سے نباہ کرنا ہوتا ہے اور ان کا گھر نہیں پورا کنبہ ہے۔"
"بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔ میں گئی تھی ایک دو دفعہ ان کے گھر، رش واقعی بہت بڑا ہوتا ہے۔"
"چاچی آپ نے پھر بھی اپنی بھانجی کے لیے ہمارے ہی گھر پر نگاہ رکھی ہوئی ہے۔" ندرت نے سوچا ضرور تھا مگر کہا نہیں کہ فساد شروع ہو جاتا۔ ابھی وہ لوگ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ سفیر آ گیا۔
"آپ نے بتایا نہیں آنے کا۔" ندرت اس کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے بولی۔
"اور خالہ! کیا حال ہیں آپ کے؟" ثریا بیگم نے شکورن بوا کو ٹلنے کا اشارہ کیا تھا مگر وہ سفیر کے بولنے پر مزید پھیل کر بیٹھ گئیں۔
"بس ٹھیک ہوں بیٹا! یہ بس جوڑوں کا درد کھا جاتا ہے۔" انہوں نے اپنے دکھڑے روئے تو ندرت نے غصے سے دانت پیسے کہ ابھی ان کو جوڑوں کے درد یاد آ گئے ہیں، ڈرامہ باز کہیں کی۔
"ویسے بیٹا! تم نے کیا سوچا ہے؟ حنا کا رشتہ کر دو گے اپنے سسرال میں؟" اپنے تئیں انہوں نے دھماکا کیا تھا۔
"سسرال میں مطلب؟" اس نے الجھن بھری نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا، جنہوں نے نظریں چرائیں۔
"لو تمہیں پتا بھی نہیں ہے۔ اپنے ندرت کے چچازاد بھائی کا رشتہ آیا ہے نا اپنی حنا کے لیے۔" وہ یہ کہتے ہی چلتی بنیں اور سفیر نے ندرت کی خاموشی کو آج پہلی دفعہ محسوس کیا تھا۔
"اماں کیا قصہ ہے یہ؟" انہوں نے خاموش بیٹھی ماں کی طرف دیکھا۔
"ہاں آئی تھیں اقصیٰ بیگم! رشتہ لے کر مگر میں نے انکار کر دیا ہے۔ تمہارے ابا کو اللہ بخشے وہ مجھے تو بھرے پرے خاندان میں بیاہ کر لے گئے تھے اور وہاں کے جھگڑوں کی وجہ سے محض دو ماہ بعد ہی ہم الگ ہو کر شہر آ بسے تھے۔" انہوں نے جواب دیتے ہوئے ماضی کا حوالہ دیا۔
"کیا آپ نے حنا کی مرضی پوچھی ہے اماں؟"
"حنا میری بیٹی ہے اور اس کا اچھا برا میں سوچوں گی اور یہ تم کیا آتے ہی کچہری کھول کر بیٹھ گئے ہو۔ جاؤ آرام کرو، یہ باتیں پھر کریں گے۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔ سفیر خان اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گئے اور ثریا بیگم نے اپنی حاضر جوابی کو داد دی تھی مگر انہیں کیا پتا تھا کہ کبھی کبھی ہم جو بھی سوچیں مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ نے لکھا ہوتا ہے۔

☆☆☆

"تم ذرا اختر ماموں کو فون کرو، وہی آ کر اماں کو سمجھائیں گے۔ اتنا اچھا لڑکا ہے احتشام، مجھے تو بہت پسند ہے۔" رات کو حنا سے بات کرنے کے بعد سفیر نے ندرت سے کہا۔
"ماموں کون سا امی کو قائل کر سکیں گے۔" ندرت نے پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا تھا۔
"چلو تم کیوں فکر کرتی ہو؟ اماں مان جائیں گی۔ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو، یہ چہرہ کھلا کھلا رکھا کرو۔" منیب کو جھک کر پیار سے بولتے ہوئے آفس کے

لیے نکل گئے۔
”حنا بغیر ناشتے کے کیوں یونیورسٹی جارہی ہو؟ چلو شاباش، ناشتا کرو۔“ حنا کے پژمردہ چہرے کو دیکھ کر ندرت کو دکھ ہوا۔
”بھوک نہیں ہے بھابی! یونیورسٹی میں کچھ کھالوں گی۔“ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی۔ دل تھا کہ بار بار بھر آرہا تھا، نہ وہ ماں کو سمجھا سکتی تھی، نہ احتشام کو جو ناراض نہ ہوتے بھی ناراض لگتا تھا۔ ایک بوجھل سی خاموشی تھی جو ان دونوں کے بیچ میں آگئی تھی۔ وہ ساتھ بیٹھتے تو کوئی بات نہ ہوتی کرنے کے لیے چونکہ انکار حنا کے گھر والوں نے کیا تھا سو وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتی۔

عجیب حالت ہے ان دنوں اپنی
خوشی خوشی نہیں لگتی، دکھ غم نہیں لگتا

ایس ایم ایس ٹون بجنے پر وہ اپنے خیالات سے چونکی۔ احتشام کا یہ میسج اسے اور اداس کر گیا، اس نے ریپلائی کیا۔

کبھی اعتبار الفت، کبھی ہم سے بدگمانی
تیری یہ بھی مہربانی، تیری وہ بھی مہربانی

جس وقت وہ یونیورسٹی میں داخل ہوئی، سرزبیر کی کلاس شروع ہوچکی تھی اور لیٹ اندر جانے کا مطلب تھا اپنی بے عزتی کروانا۔ وہ سرسید ہال کے سامنے چمن میں بیٹھ گئی اور کلاس ختم ہوتے ہی فوزیہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔
”آج لیٹ ہوگئیں تم۔“ اس نے حنا کی خاموشی نوٹ کرتے ہوئے بات کرنے میں پہل کی۔
”ہاں آج پوائنٹ مس ہوگیا تھا۔“ حنا نے گھاس کے تنکے اکھاڑے تھے۔
”احتشام بھی آج یونیورسٹی نہیں آیا۔“ فوزیہ کی اطلاع خاصی حیران کن تھی۔
”پہلے تو کبھی نہیں ہوا ایسا کہ اس نے چھٹی کی ہو اور مجھے نہ بتایا ہو۔“ حنا کو دکھ ہوا۔
”ہوسکتا ہے کوئی مسئلہ ہو؟“ فوزیہ نے اس کو تسلی دی۔
”تم فون کرکے پوچھ لو۔“
”میں کیوں فون کروں، وہ بتا نہیں سکتا تھا مجھے۔“ وہ پھٹ پڑی۔
”کیا ہوگیا ہے یار! کیوں اتنی تلخ ہورہی ہو تم؟“ فوزیہ اس کی پریشانی سے آگاہ تھی، اس لیے اسے حوصلہ دے رہی تھی۔
”پتا نہیں یار! مجھے خود نہیں پتا، آئی ایم سوری۔“
وہ منہ ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی تو فوزیہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
”حنا اٹھو، کینٹین میں چلتے ہیں۔ دیکھو یہاں سب دیکھ رہے ہیں، کیوں اپنا تماشا بنانے پر تلی ہوئی ہو۔“ فوزیہ نے اسے ٹوکا۔ کینٹین پہنچ کر فوزیہ نے کولڈ ڈرنک اور سموسے آرڈر کیے تھے اور اسے پانی دیتے ہوئے بولی۔
”اب بتاؤ، کیوں اتنی ٹینشن میں ہو تم۔“
”شکریہ فوزی۔“ وہ اب اپنی جذباتیت پر شرمندہ تھی۔ ”جب سے امی نے انکار کیا ہے احتشام مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کررہا۔“
”تو تم کرو اس سے بات یار! محبتوں میں انا کی گنجائش نہیں ہوتی ورنہ ان پر گرد پڑ جاتی ہے اور وہ صاف کرتے کرتے انسان ختم ہوجاتا ہے۔ مجھے اور نبیل کو دیکھو یار کبھی بھی درمیان میں انا کو نہیں آنے دیا۔“ فوزیہ نے اسے سمجھایا تو حنا کو اس پر بے ساختہ پیار آگیا۔
”کیا ہوا اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے؟“ اسے مسلسل تکتے دیکھ کر فوزیہ نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔
”دیکھ رہی ہوں تم اتنی سمجھ دار اماں کب سے بن گئی ہو۔“ حنا نے مسکرا کر کہا۔
”جب سے عشق کی چوٹ لگی غالب۔“ اس نے شاعرانہ انداز میں جواب دیا اور حنا کو ہنستے دیکھ کر اس کے دل نے بے ساختہ دعا کی کہ اس کی یہ دوست پگلی سی یوں ہی ہنستی رہے۔

☆☆☆

”سفیر کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔“ خبر سنتے ہی ندرت کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ حنا نے بروقت

عقل مندی دکھائی اور احتشام کو کال کر دی اور دو منٹ کے اندر پورا خاندان ہسپتال میں جمع ہو گیا۔ ندرت بیٹے کو لے کر ایک طرف بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور ثریا بیگم کی تسبیح کے دانے گر رہے تھے۔

''بہت سیریس حالت ہے مریض کی اور او پازیٹو خون کی اشد ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر نے ایمرجنسی روم کے باہر آتے ہوئے کہا۔

''یہ خون تو بہت کم لوگوں کا ہوتا ہے۔ ہائے میرے اللہ، اب کیا ہوگا؟'' ندرت نے ساس کی طرف دیکھ کر کہا جن کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔

''میرا خون او پازیٹو ہے آپی!'' عماد نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''اور میں سفیر بھائی کو خون دوں گا۔'' اس کی آواز نے گویا وہاں سب لوگوں میں نئی روح پھونک دی۔

''یہ وہ خاندان ہے جس سے بیٹی بھی میں نے دل سے نہ لی تھی اور وہاں رشتہ دینے سے انکار بھی کر دیا تھا اور یہ سارے لوگ کیسے ہماری تکلیف پر بھاگے چلے آئے ہیں۔'' ثریا بیگم کے اندر احساس ندامت جاگا۔

سفیر کے ڈسچارج ہونے تک سارا خاندان ان کے ساتھ رہا۔

''ویسے احتشام برا نہیں مگر اس کا خاندان......

ثریا بیگم جب تم پر مصیبت آئی تو یہی خاندان ساتھ تھا اور تمہاری بیٹی راج کرے گی راج۔'' کوئی ان کے اندر سے بولا تھا اور وہ فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

گھونگھٹ میں چھپی ہے گوری
دل میرا کر کے چوری
کنگنے کا مٹھیا ساؤنڈ سوہنڑے
تیرے آگے پچھے ماروں میں تو روا ند سوہنڑے

بلند آواز میں ڈیک پر گانا چل رہا تھا اور پورا گھر تیاریوں میں مگن تھا۔

''ماہم! میری ہیل والی جوتی نہیں مل رہی۔'' ماہا پریشان سی بھاگ رہی تھی۔

''ارے میرا دوپٹا کہاں گیا، ابھی تو یہی پڑا تھا۔'' سمیرا رو دینے کے قریب تھی اور پھر جلدی سے بھاگی کیونکہ مومن ندرت کے پاس بیٹھا اس کا دوپٹا مٹی پر رول رہا تھا۔

''ارے لڑکیوں جلدی کرو، بارات ٹائم پر لے جانا ہے۔'' اقصیٰ بیگم نے سب کو آواز دی تھی۔

روشنیوں سے سجے گھر میں میلے کا سماں تھا۔ آج حنا اور احتشام کی شادی تھی۔ ثریا بیگم مان گئی تھیں۔ براؤن شیروانی پہنے احتشام نیچے اتر رہا تھا، سب کی نظریں اٹھیں اور ماشاءاللہ کہا۔ اندر سے پھولوں کے ہار لاتے ہوئے چنبیلی عاشر سے ٹکرائی اور قہقہے گونج اٹھے تھے پھر بارات لے جاتے ہوئے سب نے خوب انجوائے کیا اور حنا کے گھر جاتے ہی ندرت اب اس کی نند بن گئی تھی۔

حنا بیاہ کر جنجال پورہ میں آ گئی تھی اور اس کی سماعتوں میں بس ایک جملہ گونج رہا تھا۔

''بیٹا وہ بھرا خاندان ہے، تم بہت سمجھ دار ہو۔ اس گھر کو تم نے اب خوش حال پورہ بنانا ہے۔''

پھولوں سے سجی سیج پر وہ بیٹھی احتشام کا انتظار کر رہی تھی کہ دروازہ کھول کر احتشام اندر آیا۔

''دیکھ لو میں نے تمہیں پا لیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی حنا کو پہنائی تو حنا نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''تمہیں پتا ہے سفیر بھائی کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا تھا مگر انہوں نے ڈاکٹرز کو کہا تھا کہ سیریس بتایا جائے۔ ڈاکٹرز بھی حیران تھے کہ ایسا پہلا مریض ہے جو خود یہ کہہ رہا ہے اور عماد نے بھی کوئی خون نہیں دیا۔''

احتشام انکشاف کر رہا تھا اور حنا سن رہی تھی۔

''آپ نے یہ سب مجھ سے چھپایا۔'' حنا کو دکھ ہوا تھا۔

''اگر نہ چھپاتا تو آپ اس وقت جنجال پورہ میں موجود نہ ہوتیں۔ حنا! ہم لوگ سوچتے نہیں، ہماری سوچ ہی ہمیں سب سے ملاتی اور جدا کرتی ہے کہ بیٹی اکیلے گھر میں جائے یا بھرے خاندان میں اس گھر کو گھر بیٹی نے بنانا ہوتا ہے۔''

آپ کا کیا خیال ہے؟

☆☆

ناولٹ

مصباح علی سید

کانچ سے سائبان

منہل اپنی نانی اور مما کے ساتھ رہتی ہے۔ برابر کے پورشن میں اس کے ماموں رہتے ہیں جن کے بیٹے شجی کو وہ پسند نہیں کرتی۔ کالج کے ایک ٹرپ پر جاتے ہوئے اس کی دوستی ذیاج سے ہوگئی ہے۔

الحمد لیگلی ملٹی نیشنل کمپنی ہے۔ اعظم لیاقت "الحمیدز" میں فنانس منیجر کے طور پر کام کر رہا تھا، اس کے نامناسب رویے کی وجہ سے عابس حمید نے اسے ہٹا کر ہائم انصر کو ترقی دے کر اعظم لیاقت کی پوسٹ اسے دے دی۔ اعظم لیاقت ذات کی نفی کرنے والوں سے تو تھا نہیں، اس نے جاب چھوڑ دی لیکن وہ وقتاً فوقتاً آفس میں ملنے کے لیے آتا رہتا ہے۔

یونیورسٹی میں ہائم انصر نے ردابہ کو پروپوز کیا لیکن ردابہ نے اپنی محتاط فطرت کی وجہ سے سختی سے انکار کر دیا۔ بعد میں ابا کے دوست کی بیٹی نکل آنے کی وجہ سے ہائم نے اپنی ماں نعیمہ خاتون کو ردابہ کے لیے رشتہ لے جانے پر مجبور کیا۔

ہائم اور ردابہ کی شادی ہوگئی لیکن نعیمہ خاتون کا پرانی رنجش کی وجہ سے ردابہ کے ساتھ سلوک اچھا نہیں ہے۔

زارا بھابھی کے بھائی طارق کی بیٹی نے دسویں میں ٹاپ کیا تو انہوں نے نعیمہ اور سب گھر والوں کو بھی بلایا۔ وہاں پر رابیل کی دوست ثریا کے بھائی شرجیل کو تانیہ پسند آگئی۔

آفس کی اہم فائل گم ہونے کی وجہ سے ہائم بہت پریشان ہے۔

چوتھی قسط

وہاں ہی ایک ٹیبل پر ردابہ نے ہائم کو ایک خوب صورت لڑکی کے مقابل بیٹھے دیکھا، پل بھر کو ردابہ کی زمین آسمان سب ہل کر رہ گئے تھے، منہ کھلا اور وقت تھم سا گیا، کوئی شام کے ڈھلتے ان سایوں کو طلوع فجر کہتا وہ مان لیتی لیکن ہائم کسی دوشیزہ کے ساتھ، وہ بھی ایسے دلفریب انداز میں یہ ماننا ممکن نہ تھا۔ مگر ... اپنی آنکھوں سے ان ہونی کو ہوتا دیکھ چکی تھی، خود پر ٹوٹے اس برے وقت کو کیسے جھٹلائے۔

ہائم وہ ہائم جس کی صبح، جس کی شام بس ردابہ تھی، وہ کسی حسینہ کے ساتھ شام منا رہا ہے، وہ بھی یہ کہہ کر وہ بزنس میٹنگ میں الجھا ہے، آہ۔

ہائم میز پر کہنیاں جمائے ہاتھوں کے اشارے سے لڑکی کو کوئی بات بتا رہا تھا۔ وہ لڑکی اس کی بات پر محظوظ ہوتی گردن پیچھے کو کر کے ہنسے جا رہی تھی۔ شانوں سے نیچے تک پھسلتے بھورے رنگے بال، دبلی پتلی، خاصی صاف رنگت کی مالک، نئے فیشن کی تراش خراش کا لباس پہنے، سلیقے سے بنی سنوری، ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس کی بات غور سے سننے کے لیے آگے کو ہوئی۔ ردابہ کا دل اچھل کر اپنی جگہ پر پھر سے گرا تھا، آنکھیں شفاف پانی سے دھندلانے لگیں۔ ہائم نے اس لڑکی کی لینز شدہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جیسے کچھ کہا تھا، پھر وہ مسکرا کر گردن ہلاتے پیچھے سیٹ بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، جتاتے سے انداز میں۔ سوئیاں ردابہ کے ہر مسام سے اندر

پیوست ہونے لگیں۔ ہائم اسے نروٹھے پن سے گھور رہا تھا، مگر وہ ہنسے جا رہی تھی۔ پل بھر میں ردابہ نے کیا سے کیا دیکھ لیا تھا۔ کیب والا اگلی گاڑی سے راستہ لینے کے لیے ہارن پر ہارن دے رہا تھا، مگر ردابہ کو ہر شور ہنگامے سے الگ صرف اس لڑکی کے لپ اسٹک زدہ مسکراتے ہونٹ، لینز سے جگمگاتی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ اثبات میں سر ہلاتا ٹانگ سے ٹانگ اتارتا کھڑا ہوا، اپنے والٹ سے ویٹر کو پے منٹ کی، موبائل، چابیاں، سمیٹتے ہوئے بھی مسلسل اس لڑکی سے کچھ کہتا رہا، اس نے کرسی چھوڑتے اپنا پرس اٹھا کر کندھے پر لٹکایا تھا۔

چیونٹی کی چال چلتی گاڑی سے ردابہ خود پر اترتی قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ گاڑی قدرے آگے بڑھی وہ لاشعوری طور پر گردن پھیرے پیچھے دیکھنے لگی۔ اب وہ دونوں چلتے ہوئے سڑک کے اس جانب آ گئے تھے۔ جہاں ہائم کی گاڑی کھڑی تھی۔ موٹا سا آیک آنسو آنکھ کے کنارے سے باہر اُمڈ آیا۔ کیب نے ٹرن لیا، آنسوؤں کی بے چینی گالوں پر تواتر پھسلنے لگی، کبھی ونڈو، کبھی بیک ویو مرر میں انہیں دیکھنے کی کوشش صرف لاشعوری تھی ورنہ وہ اس



منظر کو دیکھنا تو کیا سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔ اب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ منہل اس کی گود میں سر رکھے کب سے سو چکی تھی، اور ردابہ کی تو جانے کتنے عرصے کی نیندیں اب اڑ سی گئی تھیں۔ ہائم کی کچھ عرصہ سے مصروفیات، پریشان، گم صم، بلاوجہ غصہ اور نہ سمجھ میں آنے والی خاموشی کا سبب اب اُسے محسوس ہوا تھا۔

''اس روز الیاس کا بیٹا سیڑھی سے پھسلا تھا یا ہائم آپ کا دل۔''

بے ترتیب سانسوں میں اس کا ہونٹ بے طرح سے کچل کر کٹ چکا تھا، لیکن خون کا قطرہ منہ کے بجائے دل پر گرا تھا۔

''یار۔ کمی بیشی پر میری خاطر سمجھوتا کر لیا کرو۔'' ہائم کے الفاظ کسی چابک کی طرح لگے۔

''تو یہ طے ہوا ہائم۔ میرے سب سمجھوتوں، ساری برداشت کا کا نچوڑ یہ نکلا، تم ہاتھ سے پھسل گئے۔'' آنسو تھے جو ٹوٹ، ٹوٹ کر اس کے رخسار سے پھسلتے ٹھوڑی سے ٹپک جاتے۔

باقی سفر کیسے کٹا، کیب والے کو گھر کیسے بتایا، کچھ یاد نہیں تھا، خاموشی سے آ کر کسی بے حس ربوٹ کی طرح اپنے کاموں میں لگ گئی تھی، اور زندگی کہیں اسی برقی قمقموں سے سجے ریسٹورنٹ میں کھو گئی تھی۔

☆☆☆

''کیسی ہے فریدہ؟''

نماز سے فارغ ہوتے ہی نعیمہ کچن میں آ گئی تھیں۔ کھانے کے برتن نکالتی ردابہ نے اثبات میں سر ہلاتے آہستگی سے کہا۔

''پہلے سے بہتر ہیں۔''

وہ پلیٹیں لے کر باہر ٹیبل کی جانب بڑھنے لگی تب نعیمہ کو کہتے سنا تھا۔

''لیکن تمہاری شکل سے تو نہیں لگ رہا، تمہارا رنگ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے۔ اتنی چپ چپ کیوں ہو۔''

استفسار کرتے ہوئے سامنے کرسی پر بیٹھ گئیں۔ گرتی اٹھتی پلکوں کی نوک نے بمشکل پانی کو روکا، دل چاہا تھا کسی سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔

''بس ویسے ہی۔ سر میں درد ہے۔'' منہ سے اتنا ہی نکلا۔ نمکین پانی حلق میں رہنے سے سانس لینی بھاری ہو رہی تھی۔

نعیمہ نے سوالیہ نگاہ زارا بھابھی پر اٹھائی انہوں نے بھی شانے اچکا دیے جیسے کہا ہو۔

''پتا نہیں۔''

اُسے گھر آئے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا، کھانا میز پر لگا دیا تب ہائم کی گاڑی کا ہارن بجا۔ ضماد بھائی گیٹ کے قریب ہی تھے وہی کھول آئے۔ آج ہائم کا سب کو مشترکہ سلام کرنا، گھر میں قدم رکھنا، ردابہ کو بہت اجنبی لگا۔ کسی نے آہستہ کسی نے زور سے جواب دیا، لیکن اس کے ہونٹ کسی مردے کی طرح اکڑے خاموش رہے تھے۔ صرف ایک اچٹتی نگاہ ڈالی، پھر ڈشز کی جگہ بدلنے لگی۔ زارا بھابھی اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی تھیں، ضماد بھائی ان کے برابر چیئر کھینچ کر بیٹھ گئے۔

''کہاں اتنی دیر لگا دیتے ہو۔ یار، ایک رات کا کھانا اکٹھے کھاتے ہیں تم اس پر بھی انتظار کرواتے ہو۔ اب جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ، کھانا تیار ہے۔'' وہ گرم پلاؤ اپنی پلیٹ میں نکالنے لگے۔

''آج کل کلوزنگ چل رہی ہے۔ بہت بزی ہوتا ہوں۔''

''کس کی کلوزنگ، میری محبت کی تمہارے دل میں، یا زندگی میں ہی۔'' ردابہ نے دل میں سوچتے اُسے دیکھا وہ جھک کر بوٹوں کے تسمے کھول رہا تھا، پھر سیدھا ہوتے بوٹ ہاتھ میں لیے کھڑا ہوا۔

''آپ لوگ کھائیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ ردابہ فارغ ہو کر میرے لیے کافی بنا دینا۔''

وہ کمرے کی جانب بڑھتے، ایسے کہہ گیا تھا۔ اس کے لہجے میں بیزاریت، چال میں تھکن تھی۔

ردابہ کے ہاتھ میں پکڑا چمچہ پلیٹ میں سرک

گیا۔ پل بھر کے لیے ایسا لگا دل پر کوئی بھاری پہیہ پھیر گیا ہو۔ تکلیف بہت تھی نوالہ اندر تو کیا جاتا، اندر کا سب باہر آنے کو تیار تھا۔ اور آنکھوں کے گڑھوں میں محسوس ہوا کوئی گرم چشمہ پھوٹنے کو بے قرار ہو۔

☆☆☆

نعیمہ، زارا، ضماد معمول کی طرح تانیہ کے سسرال والوں کی باتیں کر رہے تھے۔ فریدہ کی بیماری کے سبب اُدھر دوبارہ چکر ہی نہیں لگا تھا۔ شرجیل کا بھائی اپنا کوئی اچھا بزنس شروع کر رہا تھا، اس لیے وہ بھی دوبارہ نہیں آسکے۔ فون پر اکثر بات چیت ہو جاتی۔ ایک دو بار ناہید (شرجیل کی ماں) نے اصرار بھی کیا تھا، اب نعیمہ چاہ رہی تھیں اس فرض سے جلد سبکدوش ہوں۔ وہ انہیں اپنے گھر باقاعدہ دعوت پر بلانا چاہ رہی تھیں، اور اسی بات کا ذکر جب ضماد سے کیا تو اس نے ہمیشہ کی طرح کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے، جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ہائم سے بھی مشورہ کرلیں۔'' ضماد نے فرائیڈ چکن پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''اس نے کیا مشورہ دینا ہے۔'' نعیمہ کے لہجے میں یک لخت ہی کہیں سے تلخی ابھر آئی۔ ''اُسے اپنے ہی کاموں سے فرصت نہیں ہے۔ مجال ہے جو ماں، بہن کے کسی کام کی جانب دھیان دے۔''

''چلیں جمعے کو انوائٹ کرلیں، باقاعدہ رسم ہو جائے گی۔ ہاں بھئی کیا خیال ہے۔''

ضماد نے بات بدلنے کو کہتے ہوئے زارا کو تائیدی نظروں سے دیکھا وہ ''ہاں'' میں سر ہلا رہی تھی، نعیمہ مسکرا دیں۔ تانیہ کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر تھیں مگر کان ان کی باتوں پر، خود بخود چہرے پر گلال اتر آیا۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلا اس حالت میں ردابہ بغیر کھائے خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ لیپ ٹاپ پر کچھ فائلز کھولے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ نیم تاریک کمرے میں چمکتی اسکرین اس کی روشن رنگت کو مزید روشن کر رہی تھی۔ ردابہ نے کافی لا کر اس کے قریب رکھ دی وہ ذرا کا ذرا متوجہ ہوا پھر ٹچ پیڈ پر انگلی پھیرنے لگا۔

''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔''

ردابہ کا رویہ اسے بنا نگاہ اٹھائے محسوس ہو جاتا تھا۔

''ہوں۔'' بند لبوں سے دھیما سا ہوں نکلا۔ وہ دوسری جانب سے بیڈ پر آبیٹھی۔

ردابہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہائم ٹیبل لیمپ روشن کر چکا تھا۔ کہیں اندھیرے کے سبب ردابہ کسی چیز سے ٹھوکر نہ کھالے، اتنی فکر کرنے والا اسے کیسے زمانے کی ٹھوکر پر رکھنے جا رہا ہے۔ ردابہ کو اس کا اپنے لیے یوں لیمپ آن کرنا آج چبھ سا گیا تھا۔

ہائم کو اس کی خاموشی کھلی تھی۔

''آنٹی تو ٹھیک تھیں۔ اُدھر، سب خیر تھی ناں یار!''

''جی۔'' بالوں کو لپیٹتے وہی یک لفظی جواب۔

اب کی بار اس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

''پریشان مت ہوا کرو۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی، تم بلاوجہ ہی ہر چیز دل پر لے جاتی ہو۔''

مختلف کیز دباتے اس کی توجہ بٹ رہی تھی، وہ کچھ دیر سنگار میز کے آئینے میں اس کا عکس دیکھے گئی۔

''پتا نہیں یہ اب بچے گا بھی یا نہیں۔'' ''تم اتنی جلدی بدل جاؤ گے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہاں تک کہ کوئی دبے پاؤں ہماری زندگیوں میں دراڑ ڈال دے گا، اور تم مصروفیت کا بہانہ بنا کر مجھے بے وقوف بناتے رہو گے۔ اندر سے تو تم وہی نکلے ناں، ایک ٹپیکل مرد۔ تمہارا بدل جانا صرف دل کیا میری جان لے لے گا ہائم۔''

سوچتے ہوئے اس کے سر کی نسوں میں ٹیس اٹھنے لگی، اس نے کمبل جھٹک کر کھولا اور دراز ہوگئی، ہائم نے نئی فائل کھولتے اُسے کہا۔

''کیا بات ہے ردابہ ڈیئر! بتاؤ ناں، موڈ کیوں آف ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے، کم از کم مجھے بتا تو دیا

کرو۔"

"کچھ نہیں۔ بس نیند آرہی ہے۔" اس نے کہنی آنکھوں پر رکھ لی۔

"اوہو، سو جانا، بس تھوڑا سا ورک رہ گیا ہے۔ پلیز۔"

اس نے اس کی کہنی نرمی سے اٹھائی۔ اس کی آنکھوں سے بہتا پانی دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا اور فوراً لیپ ٹاپ ہاتھ مار کر بند کر دیا۔

"تم رو کیوں رہی ہو۔ ہاں۔" لیپ ٹاپ ایک جانب رکھ وہ اس کی طرف جھکا۔ "کیا بات ہے، بولو۔"

"کچھ نہیں سر میں بہت درد ہے۔"

نمکین پانی نے آواز بہت بھاری کر دی۔ ہائم کے چہرے پر اچھی خاصی فکر تھی۔ اس کے سر کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔

"بی پی ٹھیک ہے تمہارا، چیک کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ بس ویسے ہی شاید نیند آرہی ہو۔" رداابہ اس وقت صرف تنہائی چاہ رہی تھی۔

اچھا سو جاؤ۔ کل یاد کروانا، ڈاکٹر سے ٹائم لے لوں گا۔ بہت دن ہو گئے، تمہارا چیک اپ نہیں ہوا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا نہ اس کا ہاتھ سر سے ہٹایا وہ مسلسل اس کا سر سہلا رہا تھا ہاں البتہ سر کے بالوں میں سرکتی اس کی پوروں کا لمس آج نرمی کی جگہ کسی ریگ زار کی مانند سخت کھردراہٹ کا تاثر دے رہا تھا۔

☆☆☆

وہ بہت تھکا دینے والا دن تھا، شرجیل کے گھر والے باقاعدہ رشتے کی دعوت پر مدعو تھے، کل فوزیہ کے ساتھ مل کر رداابہ نے سارے گھر کی تفصیلی صفائی کروائی تھی۔ صبح کا بہت سا وقت دوبارہ سے ڈسٹنگ کرنے میں گزر گیا تھا۔ اس دن کی بات آئی گئی اس لیے ہو گئی کہ ہائم کے رویے میں اس نے کوئی بھی چیز ہٹ کر محسوس نہیں کی تھی۔ رداابہ سے بات کرنے کا وہی نرم انداز، وہی خیال، سوچنے، کھوجنے پر بھی کچھ خاص سرا نہیں ملا، ہاں بڑی واقعی وہ رہنے لگا تھا۔

آج تو رداابہ کو اپنے نئے آنے والے بچے کو سوچنے کا ٹائم نہیں ملا تھا، ہائم کو کہاں سے سوچتی۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کاج کے بعد وہ زارا بھابھی کے پاس کچن میں آ گئی۔ اس دن ثمرین کو نعیمہ نے بطورِ خاص صبح سے بلا رکھا تھا۔ جب سے آئی ثانیہ کے کمرے میں گھسی اس کی تیاری میں مدد کر رہی تھی۔ وقفے وقفے سے نعیمہ کچن میں جھانک کر "اچھا سا پکانا، سب بہترین ہونا چاہیے، کوئی کسر نہ رہے بھئی۔" کی ہدایت کر جاتیں۔

زارا بھابھی پکانے میں بہت ماہر تھیں۔ ن دکھائی دینے والے چھوٹے چھوٹے کچن کے سارے کام رداابہ کر رہی تھی۔ اوپر سے طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن اس نے اپنی طبیعت کو نظر اندا ہی کیا، آرام تو رات کو بھی ہو سکتا تھا۔

جمعے کو اسٹور بند ہونے کے سبب ضماد بھائی گھ پر تھے۔ ہائم جلدی آنے کا کہہ گیا تھا۔ شام گہر ہو چکی تھی، مہمان آ گئے، مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا نعیمہ نے کوئی چھٹی بار رداابہ سے استفسار کیا تھا۔

"پتا کرو اس سے، کہاں رہ گیا۔ اور کتنی د لگے گی۔"

"امی میں کال کرتی ہوں وہ فوراً کاٹ د ہیں، ابھی ٹیکسٹ آیا ہے، آ جاتا ہوں۔"

"آ جاتا ہوں، آ جاتا ہوں، میرے تو ہر کا وہ ایسے ہی ٹالے جاتا ہے۔" جاتے جاتے نعیمہ ا سنا کر گئی تھیں۔

وہ گھر جانے کے لیے ہی نکل رہا تھا، پہلے ا پیون مل گیا۔ اسے دو دن کی چھٹی منظور کروانا تھی ہائم سنتے ہی گھور کر بولا۔

"یار آج کل آفس میں کام بہت زیادہ ہے تم روز چھٹی، روز چھٹی...... مسئلہ کیا ہے تمہار ساتھ۔ ابھی پچھلے ہفتے بھی تم دو چھٹیوں کے بعد آ تھے، ایسے کام کیسے چلے گا۔"

پیون نے منمناتے ہوئے اپنا ایسا مسئلہ

ے کی آواز میں آنسو بھی گھل گئے تھے۔
"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے کوفت سے
ادھا تھپکا۔ "لیکن اپنا مسئلہ ایک دن میں
وی کو سمجھا دو ایسے بات بات پر غلط الفاظ نہیں
"

کہہ کر آگے بڑھا اُدھر اگیزٹ پر رابعہ مل گئی،
کی پر لٹکائے، سن گلاسز بھورے بالوں پر
یٹھنے میں وہ بہت جلدی میں لگ رہی تھی۔
"اچھا کیا تم یہاں ہی مل گئے، میں تمہاری
آ رہی تھی۔ چلو جلدی، سر عابس کی جانب
"

"آج ضروری ہے کیا؟"
"ہاں ہاں۔ میں آج فری ہوں، اور اسپیشل
کے لیے وقت نکالا ہے۔ کل پتا نہیں۔"
گلاسز بالوں سے آنکھوں پر سیٹ کرتے
ہیں پھر وقت ملے نہ ملے۔"
لیکن آج مجھے گھر پر ضروری کام تھا، کل کسی
لیں گے۔" ہائم ٹیکسٹ کلیر کرتے ہوئے سمجھا

را خیال ہے مسٹر ہائم۔ یہ کام گھر کے کام
ضروری ہے۔ نوکری بچے گی تو تمہارا گھر
اور ویسے بھی میرے ہزبینڈ ایک دو دن میں
ہیں، پھر تو میں چلی جاؤں گی۔ آگے

نہ باہر کی جانب قدم اٹھائے، ہائم بھی
اتا اس کے پیچھے تھا۔ ڈرائیونگ کے
ا بیل ٹون بجی آخر اس نے ٹیکسٹ کیا۔
اتا ہوں، پلیز ویٹ۔"

☆☆☆

ان کھانا کھا چکے تھے، باتوں کے دوران گئی
کر ہوا، سب کی سوالیہ نگاہ رداب پر اٹھتی۔
کی والدہ سے ایک بار ملاقات مال میں
اس کے بڑے بھائی سے ابھی تک نہیں
نعیمہ دو بار ان کے گھر گئیں دونوں بار رضاد

ہی ساتھ ہوتے۔ آج طے تھا سب کی ملاقات ہو
جائے گی مگر وہ غیر حاضر۔
نعیمہ میں آج بہت عرصے بعد طنز کرنے، تند
نگاہ والی نعیمہ پھر سے جاگ گئی تھی۔ رداب بار بار ہونٹوں
پر زبان پھیرتی، پھر وہ نظر بچا کر لان میں نکلی۔ تاکہ
فون کر کے اسے یاد کروائے۔ چوتھی پانچویں ٹون پر
اس نے فون اٹینڈ کیا اور بہت زور سے ڈپٹ کر
بولا۔
"آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ رداب،
میں نے گھر ہی آنا ہے۔ راستے میں نہیں رہ جاؤں
گا۔" وہ ہونق زدہ رہ گئی آج سے پہلے ہائم اس کے
ساتھ ایسے بے رخی سے نہیں بولا تھا۔ اس نے فون
کان سے ہٹا کر حیرت سے اسکرین کو دیکھا مگر ہائم
کی آواز مسلسل اسپیکر سے آ رہی تھی۔
"دوبارہ تنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے،
اوکے۔ ہونہہ! تماشا بنا رکھا ہے میرا۔"
وہ بند فون کو دیکھے گئی، بند فون کی چمکتی اسکرین
اس کا منہ چڑانے لگی۔
ہائم گردن جھٹک کر فون اپنی پاکٹ میں رکھتے
عابس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

ہائم اور رابعہ کو یہاں آئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی،
ابھی چائے سے فارغ ہوئے اصل موضوع کی
جانب آئے ہی تھے کہ سیل نے ادھم مچا دی۔
"موبائل فون جانے کس خبطی کی ایجاد ہے،
پل بھر کی پرائیویسی نہیں رہتی۔" سوچتے ہوئے اس
نے کئی بار کاٹا۔
عابس اور رابعہ الگ بار بار اسے دیکھ رہے
تھے، عابس صاحب نے تو کہہ بھی دیا۔
"کوئی امپارٹنٹ کال نہ ہو۔ آپ پہلے کال
اٹینڈ کر لیں۔" اس وقت نئے نئے موبائل فونز
مارکیٹ میں آئے تھے، ہر کس و ناکس کی پہنچ میں بھی
نہیں تھے، اور جن کے پاس اپنا ذاتی موبائل ہوتا اور
اس پر بار بار کال کا آنا مقابل کو چونکا دیتا تھا۔ چارو

ناچار ہائم کو اٹینڈ کرنا پڑا۔
ہائم اپنا غصہ کنٹرول کرتا ہوا اٹھا، اور ردابہ کی تسلی کی۔ اسے یقین تھا اب نہیں کرے گی۔ گھر جا کر سمجھا دے گا، منا لے گا، سب بتا دے گا۔ پہلے اصل مسئلہ تو حل ہو، جس نے اس کی جان سولی پر لٹکا رکھی ہے۔ جب وہ دوبارہ اندر داخل ہوا، وہاں وہی ہوا، کہ موضوع گفتگو تبدیل چکا تھا۔ عابس صاحب کہہ رہے تھے۔
''ایسا ہے مسٹر ہائم۔ آپ کی طرف کوئی ایمرجنسی لگتی ہے، تب ہی بار بار کال آ رہی ہے، مجھے بھی ایک ضروری کام سے جانا ہے......''
''لیکن سر......'' اس نے مداخلت کرنی چاہی۔
عابس صاحب نے وضاحت دی۔
''اصل میں ایک طلاق کے سلسلے میں فیملی میٹنگ ہے۔ خاندان کے سب بڑے اکٹھے ہیں، مجھے بھی ضرور پہنچنا ہے۔'' وہ رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے اٹھ کھڑے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
''کوئی مسئلہ نہیں ہے، سنڈے کو ملتے ہیں پھر دیکھ لیں گے۔ ہو جائے گا۔ ڈونٹ وری۔ بلکہ میں کوشش کرتا ہوں سنڈے کو اعظم کو بھی بلانے کی، سب بیٹھیں گے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔''
ہائم نے نا چاہتے ہوئے ہاتھ تھام لیا، وہ چاہ رہا تھا اس کی بے گناہی کسی طرح ابھی ثابت ہو جائے۔
عابس بعد میں مس رابعہ سے کہہ رہے تھے۔
''اور آپ ابھی کہیں نہیں جا رہیں، ابھی ادھر اسی شہر میں رکیں۔ اگر اعظم لیاقت نہ مانا تو شاید ہمیں کیس دائر کرنا پڑے، اس میں آپ کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ پلیز......''
اس کی نگاہ بے چارگی سے ہائم پر اٹھی اس نے بھی تائیدی سر ہلایا۔ مسئلہ ابھی جوں کا توں ہی تھا، مگر حل ہونے کے چانسز تھے۔ کیوں کہ عابس کو تو یقین آ گیا تھا ساری چال اعظم لیاقت کی ہے، اگر کورٹ میں جانا پڑا تو وہ اُدھر بھی جائیں گے، گواہی کے لیے مس رابعہ کا ہونا ضروری تھا۔
''بیسٹ آف لک'' کہہ کر عابس چلتے بنے۔
☆☆☆
نادیدہ پریشانی اس کے چہرے پر ہویدہ تھی جانے مسئلہ حل ہو گا یا نہیں۔ اچھی بھلی جاب خطرے میں تھی، سارے راستے رابعہ اسے تسلی دیتی آئی۔
''اتنے پریشان مت ہوں ہائم۔ اللہ پاک بہتر کرے گا۔''
''اللہ تو بہتر کر ہی دیتے ہیں، بندہ بھی تو بہتر کرے۔ پتا نہیں، اعظم نے یہ سب کیا سوچ کر کیا ہے۔ میں حیران ہوں، اس شخص میں شرم نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک بار وہ میرے ہاتھ چڑھ جائے۔ وہ اپنی شکل بھول جائے گا۔''
ہائم کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، وہ رک رک کر بول رہا، اسٹیرنگ پر جمے ہاتھوں پر ابھرتی نیلی نسیں اس کے شدید غصے کی غماز تھیں۔ اس نے پہلے رابعہ کو ڈراپ کیا۔ پھر گھر کے رستے پر گاڑی ڈال دی۔
شرجیل کے گھر والوں کو وہاں بیٹھے خاصی دیر ہو چکی تھی، نعیمہ مسلسل یہی کہہ کر ٹالتی رہیں۔
''بس آ ہی رہا ہے ہائم، اس کے سامنے رسم کر لیں گے۔''
ناہید لمبے ہوتے انتظار سے اکتا گئی تھیں۔
''بہن ہو سکتا ہے، وہ کہیں ضروری کام میں مصروف ہو۔ پھر ٹریفک سگنلز میں اگر پھنس جاؤ رات ہی ہو جاتی ہے۔ ہم بھی اسی شہر میں ہیں، بعد میں ملاقات ہوتی رہے گی۔ ہمیں اجازت دیں آپ۔ ہم بسم اللہ کریں؟''
نعیمہ نے ایک تند نگاہ ردابہ پر اٹھا کرنا چاہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
''جیسے آپ کی مرضی، بہن۔''
انہوں نے رسماً تانیہ کو مٹھائی کھلائی، اور تانیہ کو انگوٹھی پہناتے ہوئے دعائیں دی تھیں۔
''اللہ خوش رکھے۔ نعیمہ بہن، اب لمبی چوڑی منگنی کا تو دور نہیں رہا۔ تبھی میں صرف انگوٹھی ہی۔

آئی۔ اگلے جمعے آپ آجائیں ہمارے یہاں کھانے پر، اور کوئی تاریخ طے کرلیتے ہیں، دو ماہ کے اندر اندر شادی سے بھی فارغ ہوں۔''

نعیمہ تائیدی مسکرائیں۔ ضماد ان کے بڑے بیٹے کے ساتھ پہلے ہی باہر نکل چکا تھا۔ ناہید اور گڑیا کو نعیمہ گیٹ تک چھوڑنے گئیں۔ اور خوشی خوشی پلٹیں۔

ردابہ شیشے کی سنٹر ٹیبل سے چائے کے برتن اور دوسری چیزیں سمیٹ رہی تھی، نعیمہ صوفے پر آبیٹھیں۔ اُسے دیکھتے ہی لہجے میں درشتی در آئی۔

''کیا تھا، اگر ہائم بھی آجاتا۔ گھر والوں کی اہمیت تو لگتا ہے اس کے دل سے بالکل کھرچ کر نکال دی، کسی نے۔''

طنزیہ نگاہ ردابہ پر تھی، وہ شرمندگی سے سر جھکائے اپنا کام کرتی رہی۔ چہرہ سرخ پڑنے لگا، جبڑے جم گئے، کانچ کے برتن سمٹتے ہوئے آواز پیدا کر رہے تھے۔

''ایسا بھی کیا کام تھا دفتر میں، نکل ہی نہ سکا۔''

کسی نے آدھی چائے چھوڑ دی تھی، کپ اٹھاتے ہوئے چھلک گئی۔ اُس نے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچا۔

''ساس کو اٹیک ہوا تھا، کیسا اندھا دھند آفس سے بھاگم بھاگ پہنچا تھا، جیسے اسی نے چیک کرنا ہے۔ کیا پتا فیس اُسی نے دی ہو تبھی علاج شروع ہوا۔ ہونہہ۔''

سیاہ پلکوں کا سایہ رخساروں پر کانپنے لگا۔ اس نے میز سے چائے کے دھبے صاف کیے، برتن ٹرالی میں رکھنے لگی۔

''بہت اچھی طرح یاد ہے مجھے تب ہائم نے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی۔ تب تو آفس میں کوئی مسئلہ نہیں بنا۔ اب ایک گھنٹے کے لیے نہیں آسکا۔ بڑا ہر وقت تانی تانی کرتا رہتا ہے، اس کی خوشی کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ ساری محبت سسرالیوں کے لیے دل میں رکھی ہوئی ہے، بس۔''

نمکو کے باؤل میں رکھے چمچے سے اس کی کہنی ٹکرائی، چمچہ الٹ کر میز پر بجا چند دانے بھی ساتھ آگرے۔ وہ چن رہی تھی جب ضماد بھائی بھی ماں کے برابر آبیٹھے۔ لگتا تھا انہیں نہیں معلوم پہلے کیا بات چل رہی تھی وہ اپنے انداز سے شکوہ کر رہے تھے۔

''ہائم زیادہ ہی لاپروا ہوگیا ہے۔ ایسی بھی کیا جاب، بندہ گھر والوں کے لیے وقت ہی نہ نکال سکے۔ آخر سسرال بھی تو آتا جاتا ہے۔''

ان کے لفظ تاڑ تاڑ چابک کی طرح پشت سلگا گئے۔ کمزور نوکیلی پلکوں نے پانی کو لاوارث بننے نہیں دیا تھا بہت ہمت سے گڑھوں میں سنبھالے رکھا۔

منہل کی اجو سے کسی چیز پر لڑائی ہوگئی تھی۔ وہ زمین پر لیٹ کر ''بابابابا'' کی صدائیں لگاتی ماں کی کمر پر ٹانگیں برسانے لگی۔ ردابہ نے اسے کھینچ کر زمین سے اٹھا کھڑا کیا۔

''کیا مسئلہ ہے، کیوں رو رہی ہو؟'' تڑاخ سے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔

اجو ذرا فاصلے پر کھڑا تھا۔ چھوٹی سی منہل کے تھپڑ پڑنے سے لال ہوتے رخسار اور آنسو اس سے دیکھے نہیں گئے، وہ یک دم سے اس کے قریب بڑھا مگر چچی کے انداز کی غضب ناکی نے اس کا سارا حوصلہ توڑ دیا۔ وہ ترس کھاتی نگاہ سے منہل کے آنسو تکلیف سے دیکھے گیا۔ جہاں ضماد بھائی حیران ہوتے سامنے سے اٹھ گئے۔ وہاں نعیمہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ اٹھ کر منہل کو اپنے ساتھ لگایا نخوت سے ردابہ کو گھورا۔

''بچی کا کیا قصور ہے۔ اس پر کس بات کا غصہ کر رہی ہو۔ کہا بھی ہے کسی نے کچھ۔ پہلے اُسے شکایتیں لگا لگا کر گھر والوں کی نفرت بھر دی۔ اب کچھ کہہ ہی دو تو برا لگتا ہے مہارانی کو۔''

ردابہ کا بس نہیں چل رہا تھا۔ سب کچھ تہس نہس کر دے۔ طبیعت پہلے سے متلا رہی تھی، مزید طعنوں نے سلگا دی، جسم نادیدہ آگ سے دہک گیا تھا۔ زارا

بھابھی ماحول گرم دیکھ کر اجو کا ہاتھ پکڑ اندر تانیہ، ثمرین کے پاس چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

اس کی گاڑی کے ہارن نے ردابہ کے بدن میں سرکٹ بھر دیا تھا، نیلوں نیل بدن جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا، گیٹ کھولا گاڑی اندر آ گئی۔ اس نے گیٹ کھٹ سے مار کر اتنی زور سے بند کیا، گاڑی سے نکلتا ہائم اچھا خاصا حیران رہ گیا۔ وہ آگے آ کر اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ چہرا تپا ہوا تھا، جبڑے بھاری، پتلی ناک اپنے حجم سے قدرے پھیلی تھی۔

''کہاں تھے''؟

اس کے کاٹ دار لہجے پر وہ ٹھٹک گیا۔ اتنے سالوں میں وہ پہلی بار ایسے اور اتنا اونچا بولی تھی۔

''یہ کون سا انداز ہے، پوچھنے کا۔''

''میں نے پوچھا ہے، تم کہاں تھے..... کہاں سے آرہے ہو؟'' وہ اب پہلے سے بھی زیادہ چبا کر بولی تھی۔

''آوارہ گردی کر رہا تھا۔'' وہ بھی یک دم تُرش ہو گیا۔ ''ہٹو سامنے سے۔''

''میں سامنے نظر آتی ہوں تمہیں۔''

اس کی بڑھتی تلخی پر ہائم کو اچنبھا ہوا تھا پھر قدرے آواز دبا کر بولا۔

''آر یو ان سینس؟ (ہوش میں ہو)، تمہیں ہوا کیا ہے، کس لہجے میں بات کر رہی ہو، مجھ سے۔''

''ہاں میں کیوں سینس میں لگوں گی، سینس میں تو وہ ہے جس کے ساتھ ڈیٹ پر تھے۔ اب تو میرا لہجہ کاٹے گا تمہیں۔ بری لگوں گی اب میں تمہیں، کوئی اور جو بس گئی ہے، دل میں، تمہارے۔''

اس نے برداشت کرتے ہوئے بس ایک کٹیلی نگاہ اٹھائی تھی۔

''اس وقت میں بہت الجھا ہوا ہوں، ردابہ۔ مزید پریشان نہیں کرو۔ میرا دماغ پہلے ہی گھوما ہوا ہے۔''

''تمہیں صرف اپنا ہی گھوما دماغ دکھائی دیتا ہے، اپنی پریشانیاں، اپنی الجھنیں دکھائی دیتی ہیں میں تو جیسے بہت پر سکون ہوں شادیانے بجا رہی ہوں یہاں۔''

''کیا پریشانی ہے تمہیں۔ آخر کیوں چیخ چلا رہی ہو، مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔'' وہ پہلے ہی بری طرح سے الجھا ہوا تھا، ردابہ کا موڈ دیکھ کر پھٹ پڑا بنا لحاظ سختی سے چلاتا آگے بڑھا، دوبدو کھڑا ہو گیا۔

''آرام سے گھر میں بیٹھی ہو، ہر سہولت موجود ہے اور کیا چاہیے۔ کیا کروں میں تمہارے لیے، صبح کا نکلا شام کو پہنچتا ہوں، صرف اور صرف تمہارے آرام کے لیے، تمہارے سکون کے لیے۔ اب کیا الٹا ہو کر لٹک جاؤں۔''

''ہونہہ گھر۔ آرام، سکون۔'' ردابہ نے تنفر سے گردن جھٹکی۔

''کیوں گھر نہیں تو کیا، جیل میں رہ رہی ہو۔'' ردابہ کے تنفر پر ہائم کا سارا جسم گرم ہونے لگا اس نے کہنی سے پکڑ کر ردابہ کو اپنی جانب گھمایا تھا۔

اچانک اٹھنے والے شور پر ایک ایک کر کے سب باہر آ گئے تھے، سب نے پہلی بار دیکھا دونوں کو ایسے ایک دوسرے پر بے طرح چیخ چلاتے۔

''جیل نہیں عذاب...... ایک مسلسل عذاب میں ہوں......'' اپنی کہنی جھٹکے سے چھڑاتے وہ چلائی۔ ''تم سے شادی کر کے ایک عذاب میں پھنس گئی ہوں میں ہائم۔ ایک مصیبت میں گھری ہوئی ہوں میں۔''

ہائم کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں وہ بے یقینی سے بھوؤں سمیٹتا استہزائیہ پھنکارا۔

عذاب...... مجھ سے شادی عذاب ہے، میں نے تمہیں مصیبت میں پھنسا رکھا ہے۔ تو پھر کیوں رہ رہی ہو عذاب میں۔ نجات کیوں نہیں لے لیتیں، اس مصیبت سے۔ کیا چاہتی ہو تم مجھ سے علیحدگی، بولو۔''

ردابہ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں لیکن ہا

بری طرح سے بھڑک چکا تھا۔
"اگر طلاق چاہیے؟ تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

اس سے پہلے وہ مزید بولتا ثمرین نے لپک کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیے، سب ایسے تھے جیسے ملک الموت سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ مجسم تجسیم سی۔ نعیمہ دھم سے نیچے بیٹھ گئی تھیں۔ جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت مفقود ہو گئی ہو۔

"یہ...... یہ کیا...... کیا تم نے ہائم۔"

ضماد بھائی نے آگے بڑھ کر ہائم کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔ وہ ان کے ہاتھوں میں ایسے جھول رہا تھا جیسے کوئی بے جان پتلا ہو، جیسے ابھی ابھی جان نکلی ہو، اور آخری دموں پر کوئی غلط لفظ منہ سے نکل گئے ہوں۔ اُسے اپنے ادا کیے الفاظ پر خود یقین نہیں آ رہا تھا، دماغ سُن ہو کر بند ہونے لگا۔

اشتعال + تناؤ = دھماکا۔ لاوا پھٹنے کا دھماکا۔

جس دھماکے سے ردابہ کے وجود میں اک گرم زمین آتش فشاں پھٹا تھا، بس دل ہی ایسا بے وفا تھا نہیں پھٹا۔ وہ کسی چٹان سے گرے پتھر کی طرح ڈولی، آنکھیں پھیلیں، جسم ساکت، روح کے جسم سے سارے بخیے یک دم ادھڑنے لگے۔ اس نے آہستگی سے کار کے بونٹ کا سہارا لیا، بے جان ہوتی انگلیں پھیلیں، پھر پھسلنے لگیں، سر نیچے ہوتے گاڑی سے سرک کر مڈگاڈ پر جا ٹکا، زارا، تانیہ چلاتے ہوئے اس کی جانب لپکیں، ردابہ کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن شاید بینائی فی الوقت جواب دے گئی تھی۔

☆☆☆

لان کے دیواروں کے ساتھ ساتھ لدی سبز بیلوں کی بیل کے بنفشی پھول موسم کی شدت سے سردی میں کھلنے لگے۔ دن میں سورج کی تپش سے پتے مرجھاتے، پھر سوکھ جاتے۔ شام کا سایہ اترتا، ہوا کے جھونکے مرجھائے پتوں کو شاخ سے جدا کر دیتے۔ بدلتے موسم کے سبب تتلیوں نے اب اس بیل پر بسیرا چھوڑ دیا تھا۔ جنھوں نے نہیں چھوڑا ان کے رنگ اڑ گئے یا پر جل گئے۔ وہ کانپ کر لرزتے ہوئے مٹی میں رل گئیں، نازک تتلیوں کو موسموں کی شدت راس نہیں آتی۔ آج کی تیز آندھی نے چند جڑے پتے بھی بے دردی سے ایسے الگ کیے۔ جیسے شاخوں کو برہنہ کر دیا گیا ہو۔ گیٹ کے ساتھ لگے درختوں سے بوندیں ویسے ہی ابھی تک ٹپک رہی تھیں۔ بارش تو کب کی تھم چکی تھی البتہ اب زمین پر زلزلہ تھا بہت تیز زلزلہ جو صرف اور صرف ردابہ کو محسوس ہوا تھا، جب بے تحاشا بھیگی شربتی آنکھیں سراپا سوال بنے ہوئے اس کی کانچ جیسی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔ منہل کے آنسوؤں کا پھندا اس کے گلے کو چیرتا ہوا اندر گیا تھا۔

"سب کے لیے قربانیاں دیتی آئیں۔ سب کے لیے اپنی خواہشات کو کچلا۔ سب اہم تھے آپ کے لیے، میرے لیے کیا کیا آپ نے۔ کون سی قربانی دی۔ کون سا خیال کیا۔ میں منہل، جو آپ کے وجود کا حصہ، جس نے نو مہینے آپ کے پھیپھڑوں سے سانس لیا۔ اس کے لیے کیا، کیا آپ نے۔ یہ تک نہیں سوچا بغیر باپ کے یہ کیسے بڑی ہو گی، کتنے ہاتھ اس کی جانب کس کس نیت سے، کب کب بڑھیں گے۔"

"ک...... ک...... کیا کہہ رہی ہو منہل، یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ ماں ہوں میں تمہاری۔"

منہل کی عدالت میں آج ردابہ کی آواز بے طرح سے کپکپا رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی جو اس کی ایک گھرکی سے نظریں چرا جاتی ہے وہ اسے ایسے کٹہرے میں لائے کھڑا کرے گی۔ جہاں اس کے پاس آواز تو کیا الفاظ بھی ختم ہو جائیں گے۔

"ماں...... ماں ہوں میں تمہاری۔"

ردابہ کے دوبارہ جتانے پر وہ چلا ہی پڑی۔

"نہیں ہیں آپ میری ماں۔"

اس کی زخمی دھاڑ سے یک دم ردابہ کی پوری آنکھیں کھل گئیں، کوئی جھٹکا سا لگا تھا۔

"کوئی تعلق نہیں ہے آپ کا کسی سے، آپ کا

تعلق صرف آپ کی ایگو سے ہے، اپنی انا، اپنی ضد، اپنے غصے سے ہے۔ آپ کی اپنی سوچ سے ہے، خود پرست فلسفے سے ہے، آپ کے اپنے فتوے اپنا دین ہے۔ ہر بات خود سے خود تصور کرتی چلی گئیں۔ ایک پل، ایک لمحہ بھی آپ نے میرا مستقبل سامنے رکھ کر نہیں سوچا۔"

بے تحاشہ بہہ بہہ کر آتے آنسوؤں کو اس نے کلائی کی پشت سے رگڑا۔ ذیاج کو تو اس کے آنسو تکلیف دے ہی رہے تھے البتہ ہائم کی چبھن دہری تھی، کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا، وہ کون سا ان دیکھا تیر تھا جو اس وقت ہائم کے دل کے آر پار اترا تھا، ردابہ اور منہل دونوں اس کے وجود، دونوں کی تکلیف اندر سے دل کو کاٹنے لگی۔ سانس اندر ہی کہیں پھیپھڑوں میں الجھ سی گئی تھی باہر نکلنے کا کوئی راستہ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑستے اپنا رخ دوسری جانب ایسے موڑ لیا تھا، جیسے رخ موڑنے سے وہ سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ نگاہیں پھیر لینے یا رخ موڑ لینے سے بھلا حقیقتیں کب چھپ سکتی ہیں۔

"کیا دیا آپ کی انا نے آپ کو۔ کیا آیا آپ کے حصے، میرے حصے، بابا کے حصے...... ذلت، رسوائی، آنسو، خود ترسی، لوگوں کے سوال، ان کے طنز، انداز کی چبھن۔ یہ سودا کیا تھا آپ کی انا نے...... آپ کی، میری، بابا کی ذات کا۔ جانتی بھی ہیں آج کیا ہوا، سن سکیں گی آپ۔" اس نے آنسوؤں کی ہچکیوں میں لمبی سسکاری بھری۔

ردابہ آہستہ، آہستہ اس کے قریب بڑھی اس کی کانپتی نگاہیں منہل کے وجود پر تھیں، انہونی کے ڈر سے جان نکل رہی تھی۔

"کک...... کیا ہوا ہے...... کیا ہوا ہے منہل۔"

"بس۔ الس انف۔"

ہائم ٹھوس انداز میں کہتا میکانکی انداز میں گھوما۔

"بہت ہو گیا، یہ میری بیٹی ہے، میرا خون اور اس کا ہر فیصلہ کرنے میں میں ہر طرح کا اختیار رکھتا ہوں۔"

اس نے چونک کر ہائم کی جانب دیکھا۔ آج اس کی آنکھوں کے چراغ کسی لو کی طرح نہیں بلکہ ایسے جل رہے تھے جیسے کسی نے مٹی کا تیل چراغوں پر پھینک کر انہیں آگ لگا دی ہو۔

"سارے اختیار تمہارے ہی تو تھے۔ تم ہی نے استعمال کیے، میرا تھا کیا، صرف کان سننے کے لیے تھے۔ تب بھی سنا تھا، اب بھی سن لوں گی۔ تمہاری بھی، تمہاری بیٹی کی بھی۔ کہو، کیا فیصلہ کرتے ہو اپنی بیٹی کا، استعمال کر و اپنے اختیارات۔"

ردابہ کا لہجہ یک دم اتنا بوسیدہ، سیم زدہ ہو گیا جتنا برسوں پہلے اس کا وجود ہو گیا تھا۔

بے مایا۔

بے مول۔

بے اماں۔

در بدر بے آبرو

☆☆☆

اُس کے قہر آلود لفظ "طلاق" سن کر اس کا روم روم پھٹ گیا تھا، چھائی رات کے اُس پہر اگر کوئی آ کر یہ کہہ دیتا کہ "ابھی رات نہیں اتر رہی، صبح ہو رہی ہے، یا چلچلاتی دھوپ ہے۔ قبا پھٹنے کو ہے، یا یہ کہ قیامت شروع ہو چکی ہے۔ سب حساب کتاب کی لائن میں سجے ہیں۔ وہ سب مان لیتی لیکن یہ نہیں مان سکتی تھی...... کبھی نہیں مان سکتی تھی کہ ہائم افسرا سے طلاق بھی دے سکتا ہے۔ بے سبب، بے گناہ، سرِ راہ مجمعے میں۔ اس کا پتھر سا وجود کانپنے لگا تھا۔ بہت مشکل سے اس نے کانپتے وجود کو سنبھالا جیسے ہی اپنی سماعتوں پر یقین آیا، وہ ہیجانی کیفیت میں اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا اس کی کوکھ میں درد کی لہریں اٹھ رہی ہیں، جس کے سبب چند پل بھی نہیں جی پائے گی۔ جی بے طرح متلانے لگا تھا۔ اُس نے ہمت جمع کر کے چند انتہائی ضروری چیزیں اپنے بیگ میں رکھیں، منہل کی انگلی پکڑ باہر نکل آئی۔

اُس روز نعیمہ باقاعدہ اس کے پیروں میں گر گئی تھیں۔

"خدا کے واسطے رک جا۔ یہ رشتہ اتنا کچا تھوڑا ہے جھٹ سے ٹوٹ جائے، آرام سے بیٹھ سوچتے ہیں۔ یوں طلاقیں ہونے لگیں تو بس گئے گھر۔ ایسے کیسے طلاق ہوگئی، کھیل تماشا نہیں ہوتا شادی۔"

وہ منہ سے کچھ نہیں بولی، لبالب پانی سے بھری آنکھیں نفی میں ہلتی رہیں۔

"دیکھ ردابہ۔ تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تو امید سے ہے، ایسی حالت میں طلاق نہیں ہوتی، اور اس نے جان کر تھوڑا کہا ہے، غصے میں نکل گیا منہ سے۔"

وہ کرنٹ کی صورت دھاڑی تھی

"تو آپ کیا چاہتی تھیں، حق مہر میں دیتا، تحفے میں پیش کرتا...... طلاق طلاق ہے، اس کا غصے، خوشی کا جسمانی حالت سے کیا تعلق۔"

ثانیہ نے اٹھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

"بھابھی پلیز۔ ایسے مت کہیں، بھائی اپنے حواسوں میں نہیں ہیں، اُن کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ پلیز، پلیز کچھ تو خیال کریں ان کا، ان کی کنڈیشن واقعی ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے اب کسی کی کنڈیشن سے کچھ لینا دینا نہیں۔ اس نے جو داغ مجھ پر لگانا تھا لگا دیا، کوئی تعلق نہیں ہے اب میرا اور اس کا۔"

اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا، بہت سے آنسو ایک ساتھ ٹوٹ کر دور گرے تھے۔

زارا بھابھی مسلسل کہے جا رہی تھیں۔

"ردابہ۔ تم یہاں سے مت جاؤ، وہاں آنٹی کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے، اگر انہیں کچھ ہو گیا...... اور ویسے بھی ایک لفظ کو اتنی اہمیت دے رہی ہو، شرعاً تمہیں اس وقت اپنے شوہر کا گھر نہیں چھوڑنا چاہیے، کیوں کہ......" وہ لمحہ بھر رکیں ٹھنڈی آہ بھرتے آہستگی سے کہا۔ "عدت کا وقت یہاں پورا کرو، نوعیت کو سمجھو۔"

"ہم آگے کون سی شریعت پر چل رہے ہیں، بتائیں مجھے، کون سی شریعت کی بات کر رہی ہیں آپ۔ اس گھر میں کون سی شریعت چل رہی ہے، ایک دوسرے کے معاملات میں اندر تک دخل اندازی یہ کون سی شریعت ہے۔ اسلام میں کہاں ہے اس قسم کے گھریلو نظام کا تصور، جہاں جوائنٹ فیملی سسٹم کے نام پر طعنہ زنی ہو۔ میرے پاک نبی ﷺ نے تو دو بیویوں کو کبھی ایک حجرے میں نہیں رکھا، صرف لڑائی جھگڑے کے شر سے، اور ہم چاہتے ہیں، ایک دوسرے کے منہ کا نوالہ بھی نکال کر کھا لیں۔ جہاں باقی گناہ کیے یہ بھی سہی، مت روکیں مجھے۔ اب میرا یہاں کسی سے تعلق نہیں ہے، جو میں رکوں۔" وہ کہہ کر منہل کو تھامے تیزی سے باہر نکل گئی۔

ضماد اور ثمرین، ہائم کو نعیمہ کے کمرے میں لیے بیٹھے تھے۔ اس کی طبیعت اچھی خاصی خراب ہو رہی تھی، ردابہ کے یوں چلے جانے کا اسے بہت بعد میں علم ہوا تھا۔ ضماد تو اچھا خاصا بولا بھی تھا۔

"کم از کم مجھے ہی آواز دے لی ہوتی، میں روک لیتا، اُسے۔ اب ایسی بھی قیامت نہیں آ گئی تھی، جو گھر سے چلی گئی وہ۔ طلاق یوں مذاق تھوڑا ہے۔"

☆☆☆

لٹ پٹ کر اس کا یوں آ جانا فریدہ کے لیے جان لیوا ضرور بن جاتا۔ ناگہانی آنے سے پہلے اللہ وہ کون سی طاقت بندے میں بھر دیتا ہے جو وہ سن نہیں سکتا وہ سہہ جاتا ہے۔ وہ بھی اتنا سب سن کر خود کو زندہ محسوس کر رہی تھیں۔ اپنی بیماری تو جانے کہاں بکل مار کر بیٹھ گئی تھی، بیٹی کے بیٹھے بٹھائے اجڑنے کی نئی فکر لگ گئی۔ بمشکل خود کو سنبھالا۔ اس کی بھی دل جوئی کرتیں، مگر اُسے یہاں آتے ہی ایک چپ لگ گئی تھی۔ بس ایک زاویے پر دیکھتی تو گھنٹوں کے حساب سے دیکھتی رہتی۔ دل ہوتا کسی بات کا ٹوٹا پھوٹا جواب دے دیتی یا اٹھ کر کمرے میں چلی جاتی، بھائی

تو سنتے ہی ششدر رہ گئے۔
"ایسا کیسے ہوسکتا ہے، ہائم ایسا شخص ہی نہیں ہے" احمد بھائی چونک ہی گئے۔
"میں نہیں مان سکتا، ہائم اور ردابہ کو طلاق دے دے۔ ضرور اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔"
بے حد کیئرنگ، لونگ شوہر کا یک دم طلاق دے دینا۔ بھابھیاں سر جوڑے طنزیہ کھسر پھسر کرتیں۔
"اتنا چاہنے والا شوہر یک دم طلاق کیسے دے سکتا ہے، بیچ میں کوئی اور بات ہوگی۔" انہیں کنواری نند چلتی پھرتی بھاری تھی اب بچوں کے ساتھ پلٹ آئی، ان کا بس نہیں چل رہا تھا اس کا ہاتھ پکڑ واپس چھوڑ آئیں۔ رومانہ بھابھی نے تو کہا بھی تھا۔
"اگر اُس نے کہہ ہی دیا تو کیا ہوا، بچوں والی تین دفعہ سن کر گھر نہیں چھوڑتیں۔ تم ایک بار میں ہی سب چھوڑ آئیں۔ بہتر ہے تم واپس چلی جاؤ۔ کسی کو کیا پتا، ایسے ہی تم بات بڑھا رہی ہو۔"
"لیکن مجھے تو پتا ہے نا، اللہ نے سنا ہے۔"
اپنا رشتہ بے نام ہونے پر اس کے آنسو بہنے لگتے۔
احمد بھائی اگلے دن ہی نعیمہ اور ضاد سے جا کر ملے وہ سن کر حیران رہ گئے جب نعیمہ نے بتایا۔
"بس اُسے آفس میں کہیں دیر ہوگئی پہلے فون کرتی رہی، اس نے کاٹ دیا، گھر آیا تو گھستے ساتھ ہی لڑنے کھڑی ہوگئی۔ چلو اگر ہم نے کچھ کہہ ہی دیا، انسان خود ہی سوچ لیتا ہے، باہر بھی سو پریشانیاں ہو سکتی ہیں۔ پر نہیں، اتنا شور ہنگامہ مچایا کہ اللہ کی پناہ۔ مرد کی بھی زبان ہی ہے، پھسل گئی اس بے چارے کی۔"
"ردابہ جھگڑالو تو بالکل نہیں ہے، پھر؟" احمد بھائی چونک گئے۔
"بس پتا نہیں، شیطان آ گیا۔ اب میں کیا بتاؤں، ہم تو خود پریشان بیٹھے ہیں، کچھ سمجھ نہیں لگ رہی۔"

ویسے کتنا عجیب ہے، آدم انسان۔ شیطان کے لیے ہم خود راستہ ہموار کر کے کہہ دیتے ہیں۔ "لو بخت شیطان پھر آ گیا۔" اچھی بات ہے۔ ویسے شیطان بھی انسان کو خوب برا بھلا ضرور کہتا ہوگا، کام وہ دل سے کرتا ہے چلو اس کا تو ذمہ دار ہی، لیکن جس کام کے لیے اسے پہلے سے تیاری کر کے دھڑا کے سے جی آیا نوں کرتے دعوت دیں اور پھر کہہ کر پھٹکار دیں "ہائے ہائے کم بخت شیطان آ گیا" اس میں اس کا کیا قصور، کبھی اپنی صلاحیت بھی انسان اگر ایک نظر ڈال لے تو شاید اس افسوس کی ضرورت نہ رہے، خیر......
احمد بھائی چپ بیٹھے نعیمہ کو سنتے رہے، کچھ دیر بعد کہہ کر اٹھے۔
"میں اُسے سمجھاتا ہوں، آپ بھی کہیں ہائم سے کوئی درمیانی راستہ نکالے، بچوں کا ساتھ ہے ایسے کیسے بات ختم ہوسکتی ہے۔"

☆☆☆

سریا سے سریا جوڑ کر کتنا وقت لگتا ہے ایک چھت ڈالنے میں۔ کنکریٹ سے بھر کر، محفوظ بنانے میں، اسے سجانے میں، اور لمحے کا زلزلہ ساری بنیادیں ہلا کر گھر چھت سمیت زمین بوس کر دیتا ہے
وہ اپنے آشیانے کے ملبے پر کھڑا تھا، جہاں صرف چھت گرنے کی گرد تھی، دونوں گھروں کے معمولات بے طرح متاثر ہو چکے تھے۔ ہائم کو جہاں اپنے کہے پر خود یقین نہیں تھا کہ اس کے منہ سے اتنے قبیح لفظ نکل کیسے گیا، کبھی ذکر نہیں، کبھی خیال نہیں کبھی خواب تو کیا وہم بھی نہیں ہوا تھا، وہ اور ردابہ زندگی میں کبھی ایک دوسرے سے الگ ہوسکتے ہیں پھر آج؟ اُس نے اُس دن کے تمام معمولات کو شروع سے کئی بار سوچا۔ سب سے پہلے اُسے پیون یاد آیا، اس روز ہائم کو دروازے کے باہر ملا تھا۔
"صاحب جی۔ میری عورت الٹی کھوپڑی کی ہے، ذرا ذرا سی بات پر طلاق مانگنے لگ جاتی ہے جاہل عورت۔ صاحب جی۔ بچے ہیں جی چھو

چھوٹے۔ بس دو دن کی چھٹی دے دیں۔ اس کے میکے میں شادی ہے وہاں لے جاؤں اسے پھر کئی مہینے چھٹی کا نام نہیں لوں گا۔"

اس وقت تو اس لفظ کے دماغ میں رک جانے کا سان وگمان بھی نہیں ہوا تھا اب یاد آتے ہی سانس چیر کر نکلی۔ پھر عابس صاحب بھی کسی طلاق پر فیملی میٹنگ میں جانے کا ذکر کر رہے تھے، کیا یہ مکرو لفظ دماغ میں یوں بھی بیٹھ جاتا ہے؟ قبیح و مکرو چیزیں دیکھ یا سن کر استغفار پڑھ لینی چاہیے، سچ ہی سمجھاتے آئے ہیں بڑے۔

وہ سارا دن بیڈ پر لیٹا چھت گھورتا رہتا اور دماغ الجھتا جاتا۔ ردابہ، منہل کو گھر سے گئے کئی دن ہوگئے تھے۔ جن کے بغیر ایک دن نہیں گزرتا تھا۔ اب اتنا وقت بیت گیا۔ بیماری کی درخواست پر اُس نے آفس سے چھٹی لے لی تھی، پھر ضماد نے اُس کے باس کو ساری صورتِ حال بتا کر اُس کی چھٹی مزید بڑھوالی۔

☆☆☆

صبح ناشتے کا وقت تھا، باہر سب ناشتا کرنے میں مصروف تھے، وہ کچھ دیر پہلے ہی اٹھی تھی۔ بہت دیر خالی نگاہوں سے اپنے اردگرد دیکھتی رہی، منہل کی جگہ خالی تھی۔ وہ رات اُس کے پاس نہیں سوئی تھی، بار بار ہائم کے پاس جانے کی ضد کر رہی تھی، تو ردابہ نے اس کے ایک تھپڑ لگا دیا۔

"انسان بن کر رہنا سیکھو۔"

"اِسے کیوں مار رہی ہے، اِس معصوم کا کیا قصور۔"

فریدہ نے اُسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"سب میرا ہی قصور ہے، میں نے غلط کیا اِسے لے آئی۔ اِس کا گلا گھونٹ کر آتی اِس کے باپ کے گھر۔"

اس کی آواز تلخی سے بھرا گئی۔

"جب میں اِسے ایک بات ہزار بار سمجھا چکی ہوں نہیں جانا اُدھر پھر یہ سمجھتی کیوں نہیں، کیوں ضد کیے جا رہی ہے۔"

"بچی ہے یہ۔ اسے کیا پتا۔"

احمد بھائی نے کمرے میں داخل ہوتے سن لیا تھا ناراضی سے اُسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"تم اتنی بڑی ہو کر نہیں سمجھ رہیں، یہ معصوم کیسے سمجھے۔"

منہل روئے جا رہی تھی فریدہ کی گود سے احمد نے اُسے لے لیا۔

"ٹھیک ہے۔ اُس نے غلطی کر دی تو کیا اب سدھارنی نہیں۔ بچوں کا ساتھ ہے تمہارا، ایسے کیسے وقت گزرے گا، کب تک یہاں رہو گی۔"

ردابہ نے شکوہ کناں نگاہ بھائی پر اٹھائی وہ بالکل اجنبی بن کر ٹھوس انداز میں بولے۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔ اُسے فون کرو، کہو آئے اور لے کر جائے۔ رجوع کی گنجائش ہے ابھی۔"

وہ ہمیشہ کی طرح حکمیہ انداز میں کہتے باہر نکل گئے۔ منہل ان کی گود میں تھی اور پھر ان ہی کے کمرے میں سو گئی۔ منہل اور ہائم کے بغیر اس کی بھی ساری رات بے چین گزری تھی جانے کس پہر نیند آئی صبح ہوتے ہی منہل کو دیکھنے کے لیے اُٹھی، دروازہ کھول کر ابھی لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا، ناشتے کے دوران علی اور احمد دونوں بھائی فریدہ سے بات کر رہے تھے۔

"ہماری تو اُسے سمجھ میں نہیں آرہی۔ لیکن آپ سارا دن کیا کرتی ہیں، سمجھائیں اُسے۔ بچی باپ کو یاد کر کے ساری رات روتی رہی ہے۔"

احمد بھائی کی بات پر رومانہ بھابھی نے تائیدی سر ہلاتی رہیں۔

"صحیح کہہ رہے ہیں احمد بھائی۔"

علی نے سندس بھابھی سے سلائس پکڑتے ہوئے حمایت کی۔

"کیسے پہاڑ سی زندگی گزارے گی، منہل آج چار سال کی ہے، چوبیس کا بھی ہونا ہے۔ اور پھر دوسرا

بچہ......" وہ لحہ بھر رکے۔ "امی آپ اسے سمجھائیں کس طرح پلیں گے یہ۔ بتائیں اُسے۔ کتنی مشکلات ہیں زندگی میں۔ اگر وہ ہائم سے بات نہیں کر رہی، تو ہم کر لیتے ہیں۔ میں کرلوں گا منتیں اس کی، پاؤں پکڑ لوں گا۔ کم از کم مسئلہ حل تو ہو۔"

اپنی کم مائیگی کا احساس اسے دل پر چابک کی طرح پڑا۔ یک دم ہی اس کی آواز غصے سے پھٹ گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو اُس کی منتیں کرنے کی، پاؤں پکڑنے کی۔ چلی جاؤں گی میں، کسی پر بوجھ نہیں بنیں گے میرے بچے۔"

فریدہ کی گود میں بیٹھ کر ناشتا کرتی منہل کو اس نے بازو سے کھینچ کر اٹھایا، اور اسے ڈپٹنے لگی۔

"مجھے نہیں کہہ سکتی تھی، تمہیں ناشتا کرنا ہے۔ ابھی تو زندہ ہوں، کروا سکتی ہوں۔"

احمد بھائی کو اس کے رویے پر بہت سا غصہ آیا تھا شکایتی انداز میں فریدہ کو دیکھا۔ فریدہ جو بہت دیر سے مجرموں کی طرح بہو بیٹوں کی باتیں سن رہی تھیں۔ اس کے رویے پر اور بھی ٹوٹ گئیں، اشارتاً احمد کو ٹھنڈا رہنے کا کہا۔

سہمی منہل کو لے کر ردابہ کمرے میں جا بھی چکی تھی۔

☆☆☆

برسوں سے کھڑے اونچے اونچے چھتنار درخت جانے کس نے لگائے تھے، اور کتنی ہی نسلیں ان کے سائے میں پڑھ کر عملی زندگی کے اتار چڑھاؤ سہہ رہی تھیں، ویسے ہی ایک درخت کے نیچے وہ دونوں آمنے سامنے زمین پر بیٹھے تھے۔ ذیاج کی سوالیہ نگاہیں منہل کے چہرے پر تھیں، لیکن وہ بالکل چپ بیٹھی تھی۔ درخت کے پتوں سے لکن میٹی کھیلتا سورج جیسے ہی منہل کے چہرے پر اپنی چمکیلی شعاعیں گراتا، اس کی شربتی آنکھیں لاشعوری طور پر بھنچتیں، جلد کے روئیں میں سنہرا پن مزید جھلکنے لگتا۔ ذیاج نے خود کو سرزنش کرتے پل بھر کے لیے اپنی نگاہیں اس کے چمکتے رخساروں سے ہٹائی تھیں۔

"میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔ ناں، تمہارا کزن کس حیثیت سے اِس انداز میں با[ت] کر رہا تھا۔"

اُس دن ذیاج کے ساتھ شجی کی بدتمیزی کے بعد سے منہل بری طرح خجالت محسوس کر رہی تھی اس میں ہمت نہیں تھی ذیاج کا سامنا کرے، ا[سے] یقین تھا، وہ شجی کے بارے میں ضرور پوچھے گا، وہ جواب دے پائے گی۔ یہ سوچ سوچ کر اس کا سر د[رد] کرنے لگتا۔ اوپر سے مما کی نئی منطق کہ لڑکے کا ذاتی گھر ہو، بھلا یوں بھی کہیں ہوا ہے، اسی پریشا[نی] میں وہ کئی دن یونی نہیں آئی، اور جب آتی تو اس پوری کوشش ہوتی ذیاج کے ساتھ بیٹھنے کا فری ٹائم ملے، آج یونی تو آ گئی تھی اور یہاں آ کر پتا چلا ہوسٹ[ل] پذیر اسٹوڈنٹس نے الاؤنسز پر کئی دن سے جاری ا[س] ہڑتال کامیاب بنانے کے لیے۔ آج باقاعدہ طور کلاسز کا بائیکاٹ کروا رکھا تھا، ٹائم ہی ٹائم تھا، کوئی بھ[ی] کلاس نہیں ہوئی۔ وہ بس لینے کے چکر میں گیٹ جانب جا رہی تھی، پیچھے سے اسے ہانک لگاتا ذیا[ج] تیزی سے آگے آ گیا۔

"کتنے دن ہوئے، کوئی بات تک نہیں ک[ی] ایسی کیا مصروفیت چل رہی ہے تمہاری۔"

"مصروفیت نہیں میں خود چل رہی ہوں۔ اس نے بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔ ذیاج۔ گھر کا، اس نے جلدی سے بہانہ بنالیا۔

"ایکچوئلی آج مما کی چھٹی تھی۔ تو اکیلی پتا نہیں کون کون سے کام کھول کر بیٹھ جائیں گی۔ یہاں فضول وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے میں گھر چلی جاؤں۔"

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں تم ان کے کتنے کام نپٹرتی ہوگی۔ یہاں بیٹھو، مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

ذیاج ہاتھ میں پکڑی فائلز زمین پر رکھنے کے انداز میں پھینکتے ہوئے وہاں گھاس پر ہی بیٹھ گیا۔

ناچار اسے بھی بیٹھنا ہی پڑا۔ اِدھر اُدھر کی فضول باتوں کے بعد وہ اسی بات پر آ گیا جس سے وہ بھاگ رہی تھی، اور ایسے چپ تھی جیسے سنا ہی نہ ہو۔ وہ توقف سے پھر بولا۔

"بولو ناں، تم نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا، اِس کا مطلب ہے وہ تمہارے لیے بہت غیر اہم شخص تھا، پھر، وہ اتنا اہم بننے کی کوشش کیوں کر رہا تھا، پلیز کچھ تو بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔ اس نے اپنے بارے میں، اپنے رویے، اپنے انداز سے سب بتا تو دیا تھا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کزن ہے، کزن رہے، باپ بننے کی کوشش کیوں کر رہا تھا۔ اور پھر تمہاری نانو...... بجائے اس کے منہ پر تھپڑ لگاتیں، عام سے انداز میں کہہ دیا جاؤ۔ منہل آخر وجہ کیا ہے۔ تم دونوں کے چہروں پر اس اکیلے کا خوف کیوں تھا۔"

وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے بولی تھی۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے، تم نے کہا تھا، تمہیں میرے ماضی یا فیملی سے کوئی سروکار نہیں پھر کیوں اس ایک شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔"

"کیوں کہ وہ تمہارے ماضی میں نہیں، بلکہ حال میں انٹرفیئر کر رہا ہے، وہ بھی پوری دھونس کے ساتھ۔"

"وہ کر سکتا ہے۔" منہل کی آواز اپنا خود مذاق اڑاتی محسوس ہوئی۔ "کیونکہ اس کی پرورش باپ کے سائے میں ہوئی ہے، انداز میں اعتماد تو ہونا تھا۔ اور میری اس ہی کے تایا اور اسی کے باپ نے کی، اپنے باپ نے نہیں، وہ وہاں دھونس جما سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ میرے باپ کا گھر نہیں ہے، ذیاج۔"

ذیاج پل بھر چپ ہوا تھا، پھر تول اور بول جیسے انداز میں اسے دیکھنے لگا، اور ٹھہر ٹھہر کر بہت سنبھل کر بولا۔

"مجھے یاد ہے منہل تم نے بہت شروع دنوں میں بتایا تھا کہ تمہارے پیرنٹس میں بہت پہلے ہی ڈیوارس ہوگئی تھی۔ اس وقت میں نے وجہ پوچھنی مناسب نہیں سمجھی تھی۔ کیونکہ بتاتے ہوئے جو کرب تمہارے لہجے اور آنکھوں میں تھا، میں نہیں چاہتا تھا اسے بار بار کریدوں۔ میرا اس سب سے کنسرن بھی نہیں تھا۔" اس نے رک کر گہرا سانس لیا۔

منہل خاموشی کا تاثر دیتی دور دیکھ رہی تھی، جہاں گھاس پر دو چڑیوں کا جوڑا چونچیں مار مار کر زمین سے تنکے کھینچتا، جس کی چونچ میں لمبا سا تنکا آ جاتا، وہ پھر سے اڑ کر درخت کی ایک مخصوص شاخ کی جانب اڑتا۔

"کیا آج پوچھ سکتا ہوں ان میں کیا وجہ ہوئی تھی...... کیوں الگ ہوگئے۔"

منہل دیکھ رہی تھی چڑیا تنکا شاخ میں کہیں پھنسا کر پھر سے گھاس پر آ بیٹھی، نیا تنکا کھینچنے لگی۔ اور اب چڑا تنکا لے کر اڑا تھا۔ منہل نے ذیاج کی بات کا جب کوئی جواب نہیں دیا تو اس کے دوبارہ پوچھنے پر وہ چونکی۔

"ہاں۔"

"مطلب تم نے سنا ہی نہیں۔ آنٹی انکل کیوں الگ ہوگئے تھے۔"

"کیونکہ ان کے بزرگوں نے پرندوں سے کچھ بھی نہیں سیکھا تھا۔"

منہل کے بے تکے جواب پر ذیاج کی بھنویں خود حیرت اور کوفت سے سکڑیں۔

"کیا مطلب؟"

منہل بے وجہ کا ہنس دی۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔"

اب وہ اسے کیا سمجھاتی کہ دو احمق چڑیاں اپنے الگ گھونسلے کے لیے کتنی مشقت اٹھا رہی ہیں، اور اس ایک ہی شاخ پر جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے کتنے گھونسلے بنے تھے۔ ناقص العقل پرندے بھلا ایک ہی بڑا سا گھونسلہ بنا کر سب اکٹھے کیوں نہیں رہ لیتیں وہاں ہی انڈے دیں، بچے ہوں۔ ایک دانہ

لائے سب مل کر کھائیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر اتفاق سے گزاریں۔ انسانوں سے زیادہ تو انہیں اپنی پرائیویسی، لڑنے بھڑنے، گھونسلہ خراب ہونے کی فکر ہے، شاید۔

"اگر تمہیں میری بات بری لگی تو سوری۔ بس آج دل کیا تو پوچھ لیا۔ مگر چپ تو مت رہو، بھلے اس بات کا جواب نہ دو، کچھ اور تو بولو۔" ذیاج اپنی کرید پر خود شرمندہ ہوا۔

"برا نہیں، عجیب ضرور لگا ذیاج۔ کیونکہ میں خود بھی آج تک اس کی کوئی خاص وجہ جان نہیں پائی۔ اور تم نے بھی نوٹ کیا۔ میں نے کبھی تمہارے پیرنٹس، تمہارے بہن بھائی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ جب بھی تم خود سے بتاتے تھے میں جان کر بات کا رخ بدل دیتی تھی۔ پتا ہے کیوں......"

ذیاج نے سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"کیونکہ میں چاہتی تھی ہمارے بیچ فیملی ڈسکس نہ ہو، تمہارے پاس بتانے کے لیے شاید بہت کچھ ہو۔ لیکن میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔" بولتے بولتے منہل کی آواز بھرانے لگی۔ یہاں تک کہ آواز کی نمی آنکھوں میں اتر آئی۔ "میں تیئس سال کی ہو چکی ہوں اور میرا سگا باپ بھی میرے سامنے آ کر کھڑا بھی ہو جائے، جس کا خون میری رگوں میں ہے شاید میں انہیں بھی نہ پہچان سکوں۔" کہتے ہوئے یک دم اس کی آنکھوں سے بہت سے آنسو گرے تھے۔ ذیاج نے دکھ سے آنکھیں بھینچیں۔

"میں نے اپنی ماں کو کئی بار خاموشی سے روتے دیکھا ہے، انہیں یاد کرتے...... ہر موقعے پر خاص تاریخوں میں مس کرتے دیکھا ہے۔ لیکن میں نے جب بھی ان کے بارے میں پوچھنا چاہا۔ مما کا رویہ یک دم اتنا ترش، اتنا تکلیف دہ ہو جاتا ہے، میری ہمت ہی نہیں پڑتی۔۔ میرا اور میرے باپ کا رشتہ صرف ایک چیک کا ہے، جو روٹین کی طرح ایک بہتر اماؤنٹ، ایک خاص اکاؤنٹ میں آ جاتا ہے۔ میں نے کبھی اس میں سے کچھ استعمال نہیں کیا، ٹکا بھی نہیں۔ مما نے کبھی منع نہیں کیا لیکن میرا دل نہیں چاہتا۔"

"وہ کہاں رہتے ہیں؟" ذیاج کا انداز ہمدردانہ سا تھا۔

"اس زمین پر ہی کہیں رہتے ہوں گے۔"

"یار کبھی تم نے انہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟"

"وہ کون سا گم ہوئے ہیں جو انہیں تلاش کرتی۔"

"یہ تو کوئی لاجک نہیں ہوئی منہل۔ تمہارے باپ ہیں، تمہارا حق ہے ان سے ملو۔ کیا تمہیں وہ یاد نہیں آتے؟"

"انہیں میں یاد نہیں آتی؟" منہل نے روندھی آواز میں ایسے سوال کے بدلے سوال کیا تھا۔ ذیاج کچھ دیر کو لاجواب ہو گیا، اور وہ بہت دیر روئی تھی۔

آج وہ حقیقی معانوں میں خود کو ڈپٹ رہا تھا اُسے منہل سے یہ سوال کرنے ہی نہیں چاہیے تھے۔ گھر جا کر بھی وہ الجھا ہی رہا اور کئی بار منہل کے سیل فون کیا تھا۔ اور منہل بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی مجال ہے جو اُسے محسوس بھی ہونے دیا ہو کہ وہ آج پھر بہت عرصے بعد کبھی پہلے کی طرح ڈسٹرب ہوئی ہے۔ نرم بستر پر باپ کے لیے تڑپی ہے۔ مگر اس کے سامنے ہنس ہنس کر الٹ پلٹ باتیں کرتی رہی اور اس دن ذیاج نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ بہت جلد پہلے اس کی مما سے ملے گا، منہل کی حساس طبیعت بتائے گا اور پھر اپنے پیرنٹس کو ان کے گھر لے جائے گا۔

☆☆☆

وہ پُر اعتماد انداز میں ٹانگ پر ٹانگ جمائے لیگل اپرووِل لائسنس (وہ جگہ جہاں مختلف کمپنیوں کے بڑے بڑے ٹینڈر قانونی طور پر حکومت کے ریکارڈ میں آ جاتے ہیں) کے ہیڈ آفس کی لابی میں ویٹنگ پر بیٹھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک بھورے رنگ کی فائل مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی جیسے زندگی کی کل

کمائی ہو۔ اُسے پورا یقین تھا آج یہ فائل اپروو ہوجائے گی۔ تمام کاغذات پورے تھے، اس نے یہ فائل مس رابعہ سے یہ کہہ کر لی تھی۔

''ارضا فارما کی فائل حمید انکل کو چاہیے، بے چارے بار بار ذکر کر رہے تھے۔ اور محترم ہائم صاحب کو تو چھٹیوں کی بہت ہی لت پڑی ہے۔ بھلا ایسے کام ہوتے ہیں آفسرز کے۔''

''فائل تو میرے پاس ہے۔'' مس رابعہ نے سرسری سا کہا۔ ''لیکن سر حمید لو کیوں چاہیے۔ اس ٹینڈر پر تو عابس صاحب کام کر رہے ہیں، شاید اسی سلسلے میں وہ جاپان گئے ہوئے ہیں۔''

''ہے بی، انکل نے کچھ چیک کرنا ہو۔ بھئی باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔''

پیون کے چائے رکھتے ہی اس نے اٹھائی اور مزے سے پینے لگا۔

''میں یہاں سے اُدھر ہی جاؤں گا، اگر مناسب سمجھیں تو مجھے دے دیں۔ نہیں تو ایسا کریں پیون کے ہاتھ بھجوا دیں۔ پتا نہیں، ہائم اور کتنی چھٹیاں کرے۔'' پھر جان کر پوچھنے لگا تھا۔ ''ویسے وہ اتنی چھٹیاں کیوں کر رہے ہیں۔''

''ان کی ساس کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، مسز کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، شاید بیٹی کو سنبھالنے کی وجہ سے۔ آجائیں گے ایک دو دن میں۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔ پھر آپ فائل پیون کو دے دیں، بے چارے انکل کی پریشانی تو ختم ہو۔''

اعظم لیاقت کے بارے میں تمام کولیگز بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ حمید صاحب کے بہت قریبی دوست کا بیٹا ہے۔ فیملیز کا بہت آنا جانا ہے۔ مس رابعہ کو ذرا اعتراض نہیں ہوا، وہ ذرا سے فائل ڈھونڈنے لگی۔ عین تب ہی ٹیبل باسکٹ سے اعظم لیاقت نے آفس اسٹیمپ فوراً اچک لی۔

''پیون کو رہنے دیں، خاصی اہم فائل ہے۔'' رابعہ نے فائل ڈرا سے نکال کر سامنے رکھی ''آپ اگر اُدھر ہی جا رہے ہیں تو یہ لے جائیں، حمید سر کو دے دیجیے گا۔ میں نے چیک کر لی ہے، باقی ہائم فون پر خود بتا دیں گے انہیں۔''

اُس فائل میں جاپانی کمپنی جیکی چین سے Albuman (انڈے کی سفیدی کا کیمیکل) گلیکٹوز، اور ایک دو کیمیکل منگوانے کا ایگریمنٹ تھا، تمام کام ہو چکا تھا، صرف گورنمنٹ اپروول رہتا تھا، عابس صاحب نے فائل دو تین بار ایل۔ اے۔ ایل (لیگل اپروول لائسنس) کو بھیجی، کبھی اس پر ڈرگ انسپکٹر کوئی اعتراض لگا دیتے، کبھی فوڈ انسپکٹر کسی کاغذ کی کمی کا کہہ کر فائل واپس کر دیتے۔

''پلیز۔ پہلے ڈاکومنٹس پورے کریں۔''

عابس صاحب جاپان اُسی سلسلے میں گئے تھے کہ کچھ کاغذ جیکی چین سے سائن ہونے تھے۔ اعظم لیاقت کو صرف اُس کاغذ کی کمی کا نہیں پتا تھا۔ اس نے ایک پرائیوٹ لیگل ایڈوائزر کے ساتھ مل کر ٹینڈر کا جعلی انتقال الحمیدز سے بنام اعظم لیاقت کمپنی پر کروالیا۔ اس کی کمپنی کی رجسٹریشن آج کل تحقیقی مراحل میں تھی، اسی فائل کے سلسلے میں وہ ایل۔ اے۔ ایل بیٹھا تھا جب پیون نے آکر کہا۔

''احمد صاحب فارغ ہو گئے ہیں، آپ اندر جا سکتے ہیں۔''

وہ ٹائی درست کرتا بہت اعتماد سے اٹھا، آفس میں داخل ہوا۔

چالیس بیالیس سالہ بھاری بھرکم جسامت کا مرد کرسی پر بیٹھا تھا، اس نے فائل دیکھتے ہی اعظم لیاقت کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آپ الحمیدز سے آئے ہیں؟'' اس نے فائل کے کاغذ پلٹتے ہوئے کچھ تلخی سے پوچھا۔

''جی۔'' اعظم نے اقرار کیا۔

احمد یہ فائل پہلے بھی دیکھ چکے تھے، ڈیٹا آج بھی کم تھا، لیکن تبدیلی یہ تھی اب اس میں ایک انتقال نامہ لگا ہوا تھا جس پر وہ یک دم چونک گئے۔ جہاں تک انہیں یاد پڑتا تھا، عابس حمید اس ٹینڈر کے لیے بہت سنجیدہ تھے، یہ فائل کتنی بار ہائم خود لے کر آیا تھا،

اور ہر بار احمد بھائی کا ایک ہی جواب تھا۔
"یار چند سائن کم ہیں، وہ کروا کر لاؤ، اپروو ہو جائے گی۔"
اب یک دم ٹھیکہ منتقل ہی کر دیا، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔
"یہ ٹینڈر کب منتقل ہوا ہے؟"
"پچھلے ماہ۔ ایکچوئلی، حمید انکل میرے قریبی عزیز ہیں، اپنی مصروفیات کی بنا پر انہوں نے یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی۔"
احمد ہونٹوں پر پین بجاتے قدرے آگے کو جھکے "ہوں" پھر کاغذ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔
"ایسا ہے اعظم صاحب، آپ کل آ جائیں، میں یہ فائل اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ اگر کچھ رہتا ہے اسے ہم ڈسکس کر لیں گے۔ کیا خیال ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ مایوسی سے بولا۔ "پھر فائل کل لے آؤں گا۔"
اس نے فائل اٹھانی چاہی لیکن احمد نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر بنائی گئی مٹھی اس فائل پر رکھتے ہوئے غیر محسوس انداز میں کہا۔
"اسے میرے پاس ہی رہنے دیں، میں ذرا فرصت سے چیک کر لوں۔ ڈونٹ وری۔"
"لائسنس تو ایشو ہو جائے گا نا؟"
اعظم کا عجلت بھرا انداز انہیں سمجھا رہا تھا۔ ہر روز وہ کئی طرح کے فراڈ دیکھتے تھے۔ انہوں نے اسے کچھ بھی ظاہر ہوئے بغیر پوری یقین دہانی کروائی۔
"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ آپ بے فکر ہو کر جائیں"
"اگر کوئی پیسے ویسے۔"
اعظم کی ذو معنی آفر پر انہیں غصہ تو بہت آیا تھا مگر اب شک یقین میں بدل گیا، انہوں نے مسکرا کر ضبط کرتے سر ہلایا۔
"وہ بھی دیکھ لیں گے۔ میرا ایک اسسٹنٹ آج چھٹی پر ہے، ایسے معاملات وہ طے کر لے گا، آپ بے فکر رہیں۔" انہوں نے کہتے ہوئے فائل اپنی ڈرا میں رکھ لی۔

☆☆☆

ہائم کے گزشتہ رویے پر انہیں غصہ تو بہت تھا، اس کا جرم ہی ایسا تھا، کتنی ہی ٹینشن ہو، کتنی الجھن ہو، بھلا کوئی مرد اپنی زبان کو یوں بے لگام بھی چھوڑتا ہے، لیکن پھر بھی وہ چاہ رہے تھے کسی طرح اس سے رابطہ میں رہا جائے، ردابہ کا مسئلہ کسی طرح تو حل ہو اور یہ تو ایک اچھا بہانہ مل گیا تھا۔ اعظم لیاقت کے جاتے ہی انہوں نے ہائم کا نمبر ملایا، اس کے نمبر کا بند ہونا احمد کو اندر تک تپا گیا تھا۔
"یہ کیا طریقہ ہے، فون بند کر کے بیٹھا ہے، جاہل انسان۔"
اب انہیں یہ کون بتائے فون چارجنگ پر نہ لگنے کے سبب بند ہے۔ کچھ دیر کی کوشش کے بعد انہوں نے غصے سے گردن جھٹکی اور احمیدز کے کنٹیکٹ ڈھونڈے اور عابس کے سیل پر کال ملائی۔ فائل کا سنتے ہی ان کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔ انہیں اتنا تو یقین تھا اعظم نے یہ حرکت نوکری سے برطرف کرنے کا بدلہ لیا ہے کیوں کہ فائل اس کے لیے بے کار تھی۔ لیکن یہاں تک کی سوچ نہیں تھی کہ وہ جعلسازی کے ذریعے اپنا بزنس شروع کرے گا، عابس نے احمد سے کہا تھا۔
"آپ وہ فائل اپنے پاس رکھیں، میں خود آتا ہوں لینے۔"
اس نے گاڑی کا رخ پرانی طرز کی بنی بڑی سی گورنمنٹ اپروول ہیڈ برانچ کی جانب موڑا تھا۔ احمد کے آفس میں وہ ان کے روبرو بیٹھا۔ فائل پر لگے انتقال نامے کو تاسف سے دیکھے گیا۔ اعظم کی جرأت پر شدید ابال اٹھنے لگے۔
"دراصل وہ شخص اپنے لب و لہجے سے ہی مشکوک لگ رہا تھا، اس کی باڈی لینگویج سے لگ رہا تھا اس پروجیکٹ کا اسے کچھ اتا پتا نہیں۔"
احمد کی اطلاع پر عابس نے اپنی پیشانی

بگڑی۔

"میں اس فائل کے لیے دو مہینے سے خوار ہو رہا ہوں، میرے مینجر نے اس کی بہت ٹینشن لی۔ اس گلٹ میں وہ آفس بھی نہیں آرہا، ساری بات اس پر پڑتی ہے۔"

الحمیدز کے مینجر پر وہ ٹھٹکے، انہیں اچھی طرح یاد پڑ رہا تھا، کچھ ٹائم پہلے ہی ہائم نے بتایا تھا اُسے پرموشن ملی ہے، لیکن پھر بھی اس نے تصدیق چاہی۔

"آپ ہائم انصر کی بات کر رہے ہیں؟"

"جی ہائم انصر......" انہوں نے اثبات میں سر خم کیا۔ "اسی ٹینشن میں اس کی فیملی میں بھی کچھ کلیش ہو گیا ہے۔"

"صرف کلیش۔" احمد ٹیبل کی سطح پر زور سے ہاتھ جماتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "بہنوئی ہے وہ میرا۔ میری بہن کی زندگی تباہ کر دی اُس نے۔ میں اعظم لیاقت کو چھوڑوں گا نہیں۔ زمین میں زندہ گاڑھ دوں گا۔"

عابس پہلے اس کی بات پر چونکے، پھر توقف سے سمجھایا۔

"اُسے دفن کرنے سے کچھ نہیں ہوگا، مزید مشکلات بڑھیں گی۔ جعلسازی، غبن کے کیس میں میں خود اُسے اندر کرواؤں گا۔ لیکن فی الحال آپ ہائم کا مسئلہ حل کرنے کا سوچیں۔ وہ ایک اچھا انسان ہے، جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہوا وہ بس ایک ٹینشن کا نتیجہ تھا اور بس۔"

احمد پشت پر ہاتھ باندھے آفس میں چکر کاٹ رہے تھے۔ وہ پہلے ہی حیران تھے آخر یک دم طلاق تک نوبت کیسے آ گئی۔ ہائم تو بہت سلجھا بندہ ہے اور ردابہ...... اب انہیں رہ رہ کر بہن کی ڈھٹائی پر غصہ آنے لگا۔ کیسے آرام سے کہہ رہی ہے "پال لے گی اولاد، مذاق ہے ناں شوہر کے بغیر اولاد کا پالنا۔"

☆☆☆

ہنستی بستی زندگیوں کے مہرے ہلانے کے لیے ضروری تو نہیں اختلاف ذاتی ہو۔ اکثر اوقات ارد گرد کا ماحول، معمولی رنجش، حالات کے بہاؤ بہت سے گھر تباہ کر جاتے ہیں۔ جب دونوں ہاتھ آپس میں برابر بجتے ہیں، آوازیں تو نکلتی ہی ہیں، پھر وہ بھدی ہوں یا مسحور، سماعت کا حصہ بن جاتی ہیں۔

عابس صاحب [illegible]ئل لے کر ڈائریکٹ ہائم کے گھر آئے تھے، مگر وہ گھر پر نہیں تھا، کیوں کہ آج بہت دن بعد ضماد بھائی منہل کو گھر لے آئے تھے۔ ردابہ تو اُسے کسی صورت بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھی، نہ خود اُن کے سامنے آئی نہ بات کی، ضماد نے کئی بار کہا۔

"آنٹی پلیز۔ آپ ردابہ کو بلائیں تو سہی، مجھے کچھ بات کرنی ہے، ضروری۔"

فریدہ کے سمجھانے پر اس نے درشتی سے کہا تھا۔

'فارغ نہیں ہوں کہہ دیں انہیں۔ اور نہ ہی اب میرا ان میں سے کسی سے کوئی رشتہ ہے۔"

"پاگل مت بنو۔ رشتے اتنے کچے نہیں ہوتے، یوں کھڑے کھڑے ٹوٹ جائیں۔"

"لیکن پھر بھی ٹوٹ گیا امی۔ کھڑے کھڑے ہی سب ٹوٹ گیا۔"

زکام زدہ آواز میں کہہ کر وہ سامنے سے ہٹ گئی۔

فریدہ کو اس کی بات بری لگی تھی مگر وہ کچھ بھی سننے سمجھنے کے موڈ میں نہیں رہی تھی۔ فطرتاً ردابہ کبھی بھی ضدی نہیں رہی تھی، جتنی کہ اس حادثے سے ہو گئی تھی۔ ہائم کے منہ سے نکلے ایک لفظ نے اس کا سارا ذہنی توازن جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا، ایک عجیب سی خود سری بھر گئی تھی۔ جیسے ہائم اور اس سے وابستہ ہر تعلق، حرام، ناکارہ ہو گیا ہو۔ نہ بھائی بھابھیوں کی بات سمجھ میں آتی تھی نہ فریدہ کی۔ اسی لیے فریدہ اس کی طبیعت خرابی کا بہانہ گھڑ کر خود ضماد کے پاس بیٹھ

گئیں۔
ضماد کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے، پھر واپسی پر منہل کو اپنے ساتھ یہ کہہ کر لے گئے۔ ''رات کو میں خود چھوڑ جاؤں گا۔''
فریدہ نے سنتے ہی کہا تھا۔
''ہائم سے کہنا، وہ چھوڑ جائے اِسے۔''
مقصد تو ان کا کچھ اور ہی تھا کہنے کا، اور ضماد سمجھ بھی گئے لیکن وہ بھی کیا کرتے، ہائم کون سا کم تھا، کتنا سمجھالیا تھا، بات کو مزید مت بڑھاؤ، جاؤ لے آؤ، مگر اُسے الگ چپ لگی تھی جو ٹوٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔
منہل کی انگلی پکڑ کر جاتے ہوئے ضماد نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ منہل کو ان کے ساتھ بھیج دینے پر بعد میں ردابہ بھلے فریدہ سے جتنا بھی لڑی تھی مگر فی الوقت منہل اپنے تایا کے ساتھ خوشی خوشی جا چکی تھی۔
☆☆☆
ضماد اسے گھر چھوڑ کر خود اسٹور پر چلے گئے، اور ہائم کتنی دیر اسے اپنے ساتھ بھینچے، اس کا لمس اپنے اندر بھرتا بیٹھا رہا، آنسو بمشکل ضبط کر رکھے تھے، کبھی اس کی گردن چومتا کبھی سر، کبھی پیشانی۔
''بابا مجھے وہاں نہیں جانا۔ میرا دل نہیں لگتا۔ مما بھی مجھے مارتی ہیں، آپ مما کو یہاں لے کر آئیں گے ناں۔'' اس نے بہت آہستگی سے پوچھا تھا۔
''مما سے نہیں کہا آپ نے؟''
''کہا تھا۔'' وہ ننھا سا منہ پھلا کر بولی ''مگر وہ ڈانٹتی ہیں۔ مارا بھی تھا۔ آپ پوچھیں انہیں۔''
اس کے شکایتی انداز پر ہائم نے اس کے دونوں رخساروں کا بوسہ لیا۔
''میری بیٹی کو مارا تھا۔ میں پٹائی کروں گا ان کی۔ اب ٹھیک۔''
''نہیں۔ میری مما کی پٹائی نہیں کرنی۔ وہ میری مما ہیں۔ بس آپ انہیں یہاں لے آئیں۔''
''او کے۔ او کے۔ چاکلیٹ کھانی ہے آپ نے۔''
وہ اسے گود میں اٹھائے پوچھنے لگا وہ زور زور سے سر ہلانے لگی۔ نعیمہ حسرت سے دونوں کو دیکھ رہی تھی کتنے دنوں بعد ہائم کے چہرے پر خوشی دیکھی تھی دل میں کچھ شرمندہ بھی تھیں۔
''یہ تو اچھا بھلا خوش ہی تھا، مجھ سے ہی برداشت نہیں ہوتی تھی اس کی خوشی۔ ذرا سا منہ نکل آیا میرے بیٹے کا۔ بھلا کیا جاتا اگر ردابہ آتے ہی چڑھائی نہ کرتی، ہم نے بڑا ڈنڈے مار دیے تھے۔ ہماری بھی تو ساس صبح سے شام کر دیتی تھیں ڈانٹتیں مارتیں، ہم نے تو نہیں آدمیوں سے پنگے لیے۔ اب بھی کیسی اکڑی بیٹھی ہے، بچی کا حال نہیں دیکھ رہی کیا۔ اندر ہی اندر گھٹ رہی ہے، ننھا سا منہ نکل آیا بچی کا۔''
لیکن تانیہ انہیں صحیح معانوں میں شرمندہ کرتی تھی۔
''اس کا مطلب ہے، آپ اپنے بدلے لیتی تھیں بھابھی سے، آپ کا دور اور تھا امی۔''
نعیمہ تیوری چڑھا کر بولی۔
''کون سے بدلے لے لیے میں نے، ذرا سی بات کہہ دی وہ پکڑ لی تم نے ماں کی۔''
''ذرا سی بات۔ آپ حد کر دیتی ہیں۔ کوئی بات پکڑ لیں، مجال ہے پھر پیچھا چھوڑ دیں آپ۔''
''لو میں نے کیا کیا۔ وہی بار بار فون کر رہی تھی، اب مجھے کیا پتا وہ کیا جواب دے رہا ہے۔ اُسے پتا ہونا چاہیے میاں کا مزاج کیسا ہے کس طرح کے جواب دے رہا ہے وہ۔''
''تو بار بار فون کروا کون رہا تھا؟''
''وہ نہ کرتی، بیوی وہ تھی کہ میں۔ مجھے کیا پتا وہ کس کام میں پھنسا ہے، کس موڈ میں بات کر رہا ہے۔ پھر اس کے گھر آتے ہی کیسی بڑھ بڑھ کے بول رہی تھی، وہ بھی میں کہہ رہی تھی اُسے۔؟ جب وہ غصہ کر رہا تھا چپ کر جاتی۔ گھر ایسے ہی نہیں بستے زبان کو سوتالے لگانے پڑتے ہیں بی بی۔ ہم نے بھی

بہت سنی ساس سسر کی، میاں کی، کہیں نہیں گھر چھوڑ چھوڑ بھاگے۔"

"یعنی اپنے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کا بدلہ ان سے لینا چاہیے۔"

نعیمہ یک دم ہی چلا پڑیں۔

"بس میرے پیچھے پڑ جا تو۔ یہی کہا تھا ناں۔ ہائم لا[illegible] وا ہو گیا بہن بھائیوں سے۔ یہ تو نہیں کہا تھا آتے [illegible] سر پھوڑنے لگ جا۔ آئی بڑی حمایتی، ماں کی کبھی سائیڈ نہ لینا۔"

ان کے نخوت بھرے انداز پر تانیہ چپ رہنے والی نہیں تھی۔

"کیسے نہ سر پھوڑتیں۔ پہلے آپ سناتی رہیں پھر ضماد بھائی شروع ہو گئے۔ لبالب بھرا برتن چھلکتا ہے یا نہیں۔ کتنی تو باتیں سنائی تھیں آپ نے۔ ایسا بھی کیا ہوا ایک رسم ہی تھی، اگر ایک بھائی شامل نہیں ہو سکا پھر کیا۔ وہ بعد میں مل آتے، کہ نہیں۔"

"ہاں بھئی [illegible] فتنہ اٹھا لو پھر سے سر پر [illegible] ایک بار [illegible] ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑ کر [illegible] ناں [illegible] طلاق دی تھی ہائم [illegible] کوئی [illegible] کر دے دیا، اسے گھر چھوڑ کر جانا چاہیے تھا۔ بھلا؟ اللہ نے بھی عدت شوہر کے گھر رکھی ہے، کوئی تو حکمت ہے اس میں کہ نہیں۔"

نعیمہ کی وضاحت پر تانیہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"اس بات پر تو مجھے بھی بہت غصہ ہے، ردابہ بھابھی پر۔ غلط کو مزید غلط کر رہی ہیں۔ کوئی تو حل ہوگا اس سب کا۔"

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد اس نے پھر سے نعیمہ سے پوچھا تھا۔

"امی۔ ہائم بھائی سے کہیں ناں، وہ کسی طرح بھابھی کو لے آئیں، دن پر دن گزرے جا رہے ہیں، اگر بھابھی نہیں آ رہی کم از کم بھائی ہی جا کر لے آئیں۔"

نعیمہ نے پر زور انداز میں سر ہلایا اور تسبیحات وظائف بڑھا دیے تھے، زبان کی بھلے بہت تلخ تھیں مگر ہائم کا گھر تباہ ہو یہ تو انہوں نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا۔ منہل کے گھر آنے اور ہائم کی بے بسی پر ان کی اپنی آنکھیں نم ہوئیں۔ اٹھ کر باپ بیٹی کا صدقہ اتارا اور ماتھا چومتے کہا۔

"مما کو میرا اسلام دینا، اور کہنا، جلدی سے گھر آجاؤ، دادو یاد کر رہی ہیں۔"

ہائم پہلے اسے مارکیٹ لے گیا، آئس کریم چاکلیٹس لے کر دیں، پھر اس کی اور ردابہ کی کچھ شاپنگ کی، بعد میں اُسے ضماد کے اسٹور پر چھوڑ آیا۔ ضماد نے کہا بھی۔

"تم خود چھوڑ آؤ۔ بلکہ اچھا ہے، تمہاری ردابہ سے بات چیت ہو جائے گی۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کرو ہائم۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے ایک جانب دیکھتا رہا۔

"ویسے بھی تمہاری ساس اسپیشل کہہ رہی تھیں تمہیں [illegible] بھیجوں۔"

وہ دونوں ہونٹ اندر کی جانب بھینچے خاموش کھڑا رہا پھر نفی میں سر ہلا کر آہستگی سے کہا۔

"فی الحال آپ چلے جائیں۔" کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔

ضماد نے اسے کھا جانے والی نگاہ سے اسے دیکھا تھا مگر وہ بھی کیا کرتا، ردابہ کا سامنا کرنے کی وہ خود میں ہمت نہیں پا رہا تھا۔ ضماد، ثمرین کے مسلسل سمجھانے کا ابھی تک کوئی اثر ہوا نہیں تھا۔ منہل کو اسٹور پر چھوڑ کر وہ خواہ مخواہ گاڑی سڑکوں پر گھماتا رہا، ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔

عابس نے بہت دیر انتظار کیا، پھر نعیمہ سے کہہ کر اٹھ گئے۔

"جب وہ آئے تو، میرا بتا دیجیے گا۔ مجھے اس سے ایک بہت ضروری کام تھا...... پلیز۔"

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

☆☆

مکمل ناول

منعم ملک

ڈوپ کے شیدائی

وہ بچھو...... نیلے، پیلے، سرخ، سیاہ...... موٹے بدنما سے بچھو تھے۔ عام بچھوؤں سے بہت بھیانک اور ڈراؤنے، بتیس ٹانگوں اور چار منہ والے...... زمین پر زہریلی چھایا بچھاتے ہوئے۔ پہلے ایک بل سے بچھو نکلا...... پھر دوسری بل سے، پھر بل بل سے...... بھوراپیال اُن کی تعداد سے بے نشاں ہوگیا اور وہ پوری رفتار سے اُس کی طرف بڑھنے لگے۔

مارے خوف کی وہ چیخنا چاہتی تھی، حلق پھاڑ کر پوری شدت سے...... مگر قاصر تھی۔ اُس کا منہ صحرا تھا اور زبان خشکی کے باعث کئی بل کھا چکی تھی۔

خوف کے اظہار اور اپنے بچاؤ کے طور پر اُس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا، چہرے پر اذیت کی مجسم شکل رقم تھی...... لیکن بچھو بپھرے ہوئے تھے۔ دیکھتے دیکھتے اُنہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لیا اور رینگنے لگے...... پیروں کے تلوؤں پر سرسراہٹ، چھاتی پر...... گردن سے ہوکر بالوں پر، منہ سے ناک پر......

اُس کی سانس سانس زہر ہوئی...... اور زندگی اک قہر!

☆☆☆

اُس گھر میں نعمت نازل ہوئی اور ایسی ہوئی کہ منہ سے ''ماشاءاللہ'' نکلتا تھا۔

امہانی بی (وہ خوشخبری سنانے والی عزت دار دائی) پھولے نہ سماتی تھی کہ شکر وتریوں، اور قدر و منزلت سے اس کی نیت بھرنے والی تھی۔ جو بھی ہو، اِس سب میں اس کا بھی تو اہم کردار رہا ہے...... اور وہاں کے لوگ ...... دید تو کبھی نہیں رہے تھے۔ کہ اُسے پھیکے منہ واپس لوٹا دیتے۔

اُس گھر پر اُتری اماوس اِس جلوا افروز نعمت سے شق ہو جانے والی تھی۔ بلاخر...... اور امہانی بی اِن میں شریک تھی۔ برابر شریک تھی۔

نئے سنہری پلنگ پر بچھی سرخ رنگ سے بنی نقش و نگار والی چادر کے اُوپر وہ دودھ میں گھلی گلابیت جیسا وجود لیٹا تھا۔ آنکھیں بند...... مخملی وجود...... مانو چھونے سے میلا ہوگا۔ چہرے پہ فرشتوں سی معصومیت...... اور نازک بدن......!!! وہ بے خبر تھا اور سونے میں مگن تھا۔

اِسے جنم دینے والی ماں نے کبھی چاند گرہن کی ''اماوس'' کا لحاظ نہیں کیا تھا...... وہ رات کہ بوڑھیاں جب کہتیں حاملہ عورت کے لیے محتاط لمحے ہیں، وہ اللہ سے دعا کرے، اور کوئی کام نہ کرے اندر رہے تاکہ بچے پہ کوئی برا اثر نہ پڑے...... یہ کمزور عقیدہ تھا یا اُس کی بلا سے اکھان (من گھڑت باتیں)۔ رکھتی تھی جوتے کی نوک پر...... دودھ وہ حلق سے نا اُتار سکتی تھی۔ دہی کی ملائی اس کا جی متلاتی تھی۔ اور تو اور اس کے تو ''حاملہ عورت'' والے چونچلے بھی نہ رہے تھے۔ اس پر ایسی اولاد کہ...... اللہ کی شان......!

چیزیں جیسے پسِ پشت چلی گئیں، چھپ گئیں...... اِس لیے کہ دیکھنے والوں کے قلب احساسِ محبت میں مبتلا مارے گھبراہٹ کے ڈوب جاتے تھے۔ اور پھر ایک دم پلنگ پر سفید لباس میں



لپٹے وجود پر سرمئی میلی سی پرچھائی چھا گئی۔ یہ پرچھائی اس کی ماں کی تھی۔ وہ وجود جس کے بطن سے اُس نے جنم لیا تھا۔ سوچ والے پوچھیں بچہ ایسا...... تو بی بی کیسی ہوگی؟

بی بی کے خشک ہونٹوں پر ممتا کی سی مسکان چٹک گئی۔ کہا نا قلب مبتلائے محبت ہوتے تھے، اور وہ تو ماں تھی......جس کی سماعتیں قلقاریوں سے چھنک اُٹھنے والی تھیں...... دو ننھے بازو اس کی چاہ میں لپکنے والے تھے...... اُن جانے سے احساس ہمکنے والے تھے۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں کھنچی چلی گئی۔ دو بازو، وا ہو کر کسی کا حصار بنے تو مانو کوئی کونا بھی تو خالی نہ رہا...... اُس کے ہونٹوں نے ننھے ہاتھوں کا بوسہ لیا تو ذات فنا ہوئی...... بے حواس۔

عین اسی لمحے دہلیز پر ایک اور پرچھائی نمودار ہوئی۔ اُس نے نظریں اُٹھائیں اور جانے کس کے کرم سے بہت عرصے پہلے کا سا مسکرائی۔

''ہمارا بچہ...... یہ کوئی شہزادہ ہے۔'' وہ اُس کی سمت دیکھے دیکھے مسکرائے گئی۔ دو قدم فاصلہ پاٹ کر ہمیشہ کی طرح اس کے قریب آئے...... وہ ابنِ آدم تھا۔

''دیکھو یہ تم پر گیا ہے...... ہاں یہ تمہیں بھی پیچھے چھوڑ دے گا، پھر بھی تم پر گیا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' ابنِ آدم کی آنکھوں میں ایک تاثر ٹھہرا تھا۔

''اِس کی ناک تمہاری طرح کھڑی ہوگی...... اور ہونٹوں کی تراش اور بال......''

''جھوٹ مت بولو۔ اس کے بال تمہارے جیسے ہیں۔'' اُس نے زور دے کر کہا۔

''ہاہاہا...... یہ پہلے کے بال تو کٹوائے جاتے ہیں، جو نئے ہوں گے وہ...... اور خوابیدہ آنکھیں۔''

''چپ ہو جاؤ، جو بھی ہو یہ ایک...... اور مجھے اس کی ضرورت کبھی نہیں تھی۔'' اُس کے لہجے میں کاٹ اُتری۔ بات اتنی عجلت میں ادا کی گئی تھی کہ بنتِ حوا کے بدن میں پھریری دوڑ گئی۔ اُس نے ان آنکھوں کے تاثر پر اب غور کیا تھا۔ بچے پر گرفت ڈھیلی پڑی، سانس تک ساکت ہوگئی۔ تو اماوس شق کہاں ہوئی تھی؟ وہ تو دیکھو بنتِ حوا کے چہرے پر برس آئی تھی۔

انسان کبھی نہیں سوچتے کہ اُن کے اتنے کاری بولوں پر قدرت کیسے فیصلے لے لیتی ہوگی......!

☆☆☆

رات پھر سیاہ تھی...... اور اس سیاہ رات کی روشنیاں مسحور کن...... شادی والے گھر کی رونقیں عروج پر تھیں۔ سرخ، سبز، سفید، سنہری جلتی بجھتی بتیاں دور سے دلوں کو خوشی سے بھرتی تھیں۔ تو رات منظر ٹھہری اور وقت سماں...... رات کی رانی کی خوشبو تاریکی میں مدغم ہوتی شب بیداری کی جوانی کو ترنگ بخش رہی تھی۔

چوڑی دار پائجامہ پر سفید جالی دار نفیس فراک زیب تن کیے وہ اس روشنیوں بھری رات میں رنگینیاں گھولتی کوئی اپسرا تھی۔ اوپر سے سیدھے اور کندھوں کے نیچے سے بل کھا کر پشت پر گرے سیاہ ریشمی بال...... کاجل بھری آنکھیں، تیکھی ناک، سنہری رنگت پر ہونٹوں کا دلکش کٹاؤ وہ بلاشبہ خوش نما دِکھتی تھی۔

گلے میں چمکتی نازک سی زنجیر اور کانوں میں پڑے آویزے...... دوپٹا بازو میں کہنی کے گرد لپیٹے، پاؤں کھسہ میں مقید تھے۔ اپنی تیاری پر اُس کے لب ہنسی میں ڈھلے جاتے تھے۔

''آہ...... ہاشب بیداری کے رنگ ابھی سے پھیکے تھے خوشی...... یا اللہ اب اُٹھے گا نا غضب۔'' ایک لڑکی کھلکھلاتی ہوئی اس کی سمت آئی۔ اس کا انداز بیک وقت ستائشی و ذو معنی تھا۔

''خوش نما بہت حسین لگ رہی ہو۔''

خوش نما مسکرانے لگی۔ یہ اس کی دوسری دوست تھی۔ روشنیاں اس کے لباس سے لپٹ کر چہرے پر بکھرتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اور سب پر طائرانہ نظر ڈالتی گئی اور قدم قدم چلتی گئی۔ وہ جانتی تھی

ابا کی اس بیٹی کو لوگ پلٹ کر ایک نظر ضرور دیکھتے ہیں......اس کے انداز و اطوار میں وقار تھا۔ حرکات و سکنات میں محسوس ہونے والی نزاکت......!!

"میں ایک مرتبہ اور دلہن دیکھنے جا رہی ہوں۔" خوش نما نے دائیں بائیں چلتیں لڑکیوں کو باخبر کیا۔ وہ اس کی خواہش پہ ہنسنے لگیں۔

آنگن میں چھڑکاؤ کر کے مہمانوں کے لیے بیٹھنے اور باقی کے انتظامات تھے۔

فکر فاقوں سے پرے کنوارے وجود...... الھڑ جوانی......زندگی کی رعنائیوں سے آشنا ہوتیں نو آموز کلیاں۔ آنکھوں سے ٹپکتے رنگین خواب، اور جلترنگ بجاتے قہقہوں کے شور۔ زندگی آزمائشوں سے پہلے یہی تو ہے...... حسین، دلفریب، ہاں دل فریب۔

"تم دلہنیں دیکھ دیکھ کے کیوں جی بہلاتی ہو، دلہن بننے کا کیوں نہیں سوچتیں؟" ایک سکھی نے کہنی مار کر شرارت کی۔ خوش نما ہنسی دبا کر بولی۔

"بکواس سے باز نہیں آؤ گی تم۔"

"نہیں، کیوں کہ ہم سے تمہاری طرح دل کی بکواس دبائی نہیں جاتی......" ہنسی کا شور راہ داری میں بکھر گیا۔

"اپنی خواہش پھر میرے منہ سے کہلوانے کا مقصد؟" وہ بھی مائل بہ شرارت نظر آئی۔

"قسم لے لو خوشی۔ کہتے ہیں کنواریاں دلہن کی استعمال شدہ ہلدی مل لیں تو ان کی شادی جلدی ہو جاتی ہے...... کیا خیال ہے؟" یہ دوسری تھی جو اپنے بل کھاتے بالوں کو دوبارہ سیٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہی ہی ہی...... تحقیق تو بڑی زبردست ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ اس عظیم تحقیق کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں دلہن کی بچی ہلدی سے اُن تمام لڑکیوں کی شادی کروا کے ثواب حاصل کرنا چاہیے، جن کی شادی نہیں ہو رہی......اور پریشانی ان کے بالوں کی سیاہی چاٹ رہی ہے؟" خوش نما انتہائی سنجیدہ نظر آئی، جس پر بانو نہایت برا مان گئی۔

"جاؤ میں نہیں بولتی......"

"ہاں میں بھی......" اس نے برجستہ کہا اور ایک بار پھر سارے میں ہنسی دوڑ گئی۔ ان سب کو بے فکری خوب راس تھی...... انہوں نے دلہن کے کمرے میں جھانکا۔

"جانتی ہو، میرا شہزادہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔" اس نے کچھ سوچ کر دلکشی سے سرگوشی کی۔ اس کی بات پر چاند پر چرخا کاتتی بڑھیا کے دودھیا ہاتھوں پر کچھ چھپا تھا...... نیلے امبر کا چاند اپنی سفید و نیلگوں چاندنی رات کے کتھک پر ہنوز وار تا رہا۔

دلہن کے مہکتے کمرے کو بھیڑ کا حبس کھانے لگا تو وہ منہ بناتے ہوئے کھلے میں آگئیں...... چکاچوند روشنیوں میں شامیانوں تلے رقص و گیت کی محفل جمنے لگی تھی۔

"تم نے دیکھا ہمایوں کی نئی فلم کے بڑے چرچے ہیں۔" صفی نے لہجے میں گرم جوشی سمو کر اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

"ہاں میں نے دیکھی ہے، کافی اچھی بھی لگی......شمع خان البتہ ہمایوں کی آپا لگ رہی تھی۔" اُس نے ایکٹریس کا نام لیا جو ہمایوں کی فلم ہیروئن تھی۔ چارپائیوں پر پاؤں لٹکا کر وہ بیٹھ گئیں۔ محفل کے منظرنامے میں کچھ پُرمسرت چہرے والی لڑکیاں رقص کر رہی تھیں...... کچھ زندہ دل خواتین وقفے وقفے سے پیسوں کے نوٹ نچھاور کر رہی تھیں۔

"صحیح کہہ رہی ہو...... لیکن ہمایوں متاثر لگتا ہے اس سے، سرائیکی لہجہ بہت میٹھا ہے اس کا۔" صفی کا مگن سا انداز تھا خوش نما حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"تم کب ملی ہو ہمایوں سے؟" صفی کا جواب تیز میوزک کی آواز میں دب گیا، اچانک ایک سانگ پلے کر دیا گیا تھا۔ یہ ہمایوں کی اُسی فلم کا گیت تھا جو ان کے علاقے میں مشہور ہو کر زبان زدِ عام ہو گیا تھا۔ صفی اسے کھینچنے لگی۔

"آؤ نا سب، ڈانس کرتے ہیں۔"

"ارے پاگل ہوئی ہو۔" وہ انکار کرتی رہ گئی۔

''ہمایوں بھی آیا ہوگا مردانے میں..... کیا کہے گا کہ اس کے گیت کو لفٹ ہی نہیں۔''

اُنہیں مذاق کرنے کی بہت عادت تھی۔ خوش نما کمال کا رقص کرتی تھی، اور وہاں موجود جو لوگ اس بات سے واقف تھے۔ اُسے پیروں کو کھسے سے آزاد کرتا دیکھ خوشی کی لہر دوڑتی نظر آ رہی تھی۔ پہلے وہ ادا سے مسکراتی رہی پھر گیت کے بول اُس کے وجود میں ہیجان برپا کرنے لگے..... چند لمحوں میں وہ خود کو ردھم میں لے آئی تھی۔ لچک دار جسم کے ساتھ دائروں میں گھومتی، تالیاں پیٹتے ہاتھ اس کے جھٹکے کھا کر بال بکھیرنے پر شدت سے بجنے لگتے تھے۔ تیز میوزک پہ ایک ہاتھ کمر پر جمائے، گردن پیچھے کو اکڑائے دوسرے بازو کو موم کی طرح موڑتی وہ چہرے پر فسوں خیز تاثرات لیے ہوئے تھی۔

لمحے مہر بہ لب بنا چاپ کیے سرکنے لگے.....

سماں ٹھہر ہی گیا کہ جب تین وجود اندر داخل ہوئے..... اور ان کی نگاہیں ٹھٹک گئیں..... پھر الجھ کر بھٹک گئیں۔

رات سیاہ مگر سحر طراز ہوتی ہے..... اور اپنے طلسم سے سحر زدہ کر دیتی ہے۔ گیت کے اختتامی بولوں کے ساتھ وہ اب دائرے میں گھوم رہی تھی..... لبوں کے تراش میں مبہوت کرتی مسکان اور چودہ کلیوں کے گھومتے فراک والی خوش نما..... بال اُس کے گرد پھیلے کسی کی دھڑکنیں روک سکتے تھے۔

اور دھڑکن رُک گئی۔

دو نگاہیں تھیں، جو اس پر جم کر رہ گئی تھیں۔ وہ ''ہمایوں'' تھا جس کی بے یقین نگاہوں کا حصار خوش نما کے گرد تنگ ہو رہا تھا۔ وہ کیا تھی؟ واقعی مٹی کا کوئی وجود..... یا ہوا سے کھیلتی کوئی بغیر ٹھوس چیز.....

اب اُس کے چہرے پر سرخی رقص کرنے لگی۔

ایک لمحے یونہی لباس سنبھالتے رقص کا اختتام کرتے ذرا سی نظر دور کھڑے اس شخص پر گئی۔ اور اس اپسرا کے پاؤں نجانے کیوں ڈگمگا کر رہ گئے تھے۔

چاند کے چمکتے تھال میں یہ منظر نقش ہوئے.....

چاندنی میں جلترنگ چھڑ گئے..... چاند کی بڑھیا کو جانے کیوں تاسف نے گھیر لیا۔

ایک قیامت سی گزر گئی تھی۔

''کچھ تصادم شروعات میں کتنے حسین ہوتے ہیں..... پر اختتام میں کتنے بھیانک.....''

☆☆☆

اُفق گرد بار، اور موسم سرمئی تھا۔

شہر کے معروف سائیکاٹرسٹ کے خنک آمیز روم کی کھڑکیوں کے شیشوں پر تڑ تڑ برستی بارش پتھروں کی صورت پڑ رہی تھی۔ پانی پھسل کر نیچے بہہ جاتا، شیشہ دھندلا جاتا۔ بارش کی رفتار اور طوفانی ہواؤں کا شور اندر موجود دو نفوس کے درمیان عجیب سی فضا قائم کیے ہوئے تھا۔

ڈاکٹر ضمیر مرزا کی نگاہیں بار بار اس لڑکی کے گرد بھٹک رہی تھیں جو اُجڑی حالت کے ساتھ ذہنی طور پر بھی ابتری کا شکار تھی۔ ایک جوان لڑکی تھی..... جس کی رنگت شاید دنیاوی اذیتوں نے اسمو کی کر دی تھی..... بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن کے شفاف کانچ میں چھوٹی چھوٹی خواہشات مچلتی ہوں گی اب پیلی ہو کر یرقان زدہ مریض کے جیسی دکھتی تھیں۔ خشک ہونٹوں پر سفیدی لپٹی تھی..... آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے اور گردن کی ہڈیاں واضح اُبھری ہوئی تھیں..... کمرے میں اے۔ سی کی خنکی کے باوجود اس کے اُس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ پڑی تھیں۔

''مجھے یہاں کیوں لایا جاتا ہے..... پاگل ہو جانے کی تصدیق کرانے کے لیے؟'' یہ اس کا پہلا جملہ تھا جو سنجیدہ مگر بہت بے تاثر تھا۔ ڈاکٹر مرزا کے چہرے پر فاتحانہ تاثرات اُبھر کر معدوم ہوئے۔ وہ گویا ہوئے۔

''سب سے پہلے تو آپ کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ میں پاگلوں کا ڈاکٹر نہیں ہوں..... یہ سائیکاٹرسٹ کے بارے میں ہوئی ایک غلط ڈیفینیشن ہے۔''

''تو پھر میرا شوہر مجھے آپ کے پاس کیوں لیوں لاتا ہے؟ ایسا کون سا علاج کر رہے ہیں آپ میرا؟''

''بسا اوقات انسان اپنی ذات کے تاریک قلعے میں قید ہو جاتا ہے......'' وہ مہربان مسکراہٹ لیے ساتھ کہنے لگے۔ ''اور اسے کہیں روشنی کی کوئی رمق نہیں ملتی، یہ مایوسی کا فیز ہوتا ہے بیٹا...... ایسے میں انسان کو ایک اچھے سامع کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ اپنی گھٹن باہر نکال سکے۔ مجھے اپنا دکھ بتاؤ بیٹا...... اتنی کم عمری میں اتنے شدید دورے کیوں پڑنے لگے ہیں۔'' وہ خوب صورت واپنائیت بھرے لب و لہجے میں یوں پُرسکون تھے گویا اسے سننے کے علاوہ اُن کے پاس اور کوئی کام نہیں ہے......

اب کے ٹپ ٹپ گرم سیال اذیت بن کر اس کی بھرآنکھوں سے بہہ نکلا۔

''میں زندہ درگور ہو چکی ہوں ڈاکٹر صاحب...... اللہ ناراض ہے مجھ سے...... میں کبھی نارمل نہیں ہو سکتی۔''

''اس دنیا میں کچھ ناممکن نہیں اگر تم چاہو...... تم کس خوف کا شکار ہو؟''

''میں جلتے میں سفر کر رہی ہوں۔'' اس کا گلا رندھ گیا تو بولنے میں تکلیف ہوئی۔ ''بیٹھے بیٹھے مجھ پر بچھو چڑھ آتے ہیں، سوتے میں میری چھاتی پر رینگتے ہیں...... گردن سے بالوں میں، مجھے ڈستے ہیں، میں وہ تکلیف وہ نشان اپنی روح پر محسوس کر سکتی ہوں...... یہ سب بے مقصد نہیں ہے۔''

اتنی سی بات پہ وہ بری طرح ہانپ گئی۔ مرزا نے پانی کا گلاس آگے کیا مگر وہ سانس کھینچتے لرزنے لگی تھی۔ کمرے میں حبس کا یک بیک زوردار حملہ ہوا تھا گھٹن حد سے سوا ہوگئی۔

''یہ تمہارے اندر کا نادیدہ خوف ہے بیٹے...... مجھے شروع سے سب بتاؤ یہ کب سے ہو رہا ہے۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ جھٹکے سے اٹھی اور کھڑکی کھول کر کھانسنے لگی۔ بارش کی تیز بوچھاڑ نے اسے بری طرح سے بھگو ڈالا۔

''یہ خوف نہیں میری سزا ہے...... میں اسے بھگتنے کے لیے ہی زندہ ہوں۔''

''خود اذیتی اچھی بات نہیں اچھی لڑکی...... ہمارا اللہ بھی ایسا نہیں چاہتا۔''

''مجھے اس سے کوئی آزاد نہیں کر سکتا سوائے موت کے...... مجھ سے گناہ ہوا ہے۔'' نمکین آنسو پیتے ہوئے اُس نے بے ذائقہ بارش میں خود کو بھیگ جانے دیا۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے پھولوں کو سیر کراتے خوش کر رہے تھے...... اس سرمئی موسم میں اپنے خوف کا سامنا کرتی، وہ فیصلہ کر رہی تھی۔

''جب تک زندگی ہے معافی کے در وا ہیں...... اور اللہ بہت مہربان۔'' ہمت ہارنا ڈاکٹر نے کبھی سیکھا نہیں تھا۔

''اور جب انسان ہی معاف نہ کرے تو اللہ کیسے کرے گا۔'' وہ استفہامیہ بڑبڑائی تھیں۔

''ہمت مت ہاریں...... میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' وہ حوصلہ افزا انداز میں بولے۔

''ایسا کچھ نہیں ہو سکتا......'' اس کے حلق میں کچھ اٹکا۔ ''آپ کو پتا ہے میں نے کیا کیا ہے؟ آپ سن کر ہی مجھے باہر جانے کا کہہ دیں......''

''آزمائش ہی شرط ہے...... میں سننے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ مسکرائے اور اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھرنے لگی۔

''آپ سن سکتے ہیں؟'' اُس کی آواز ہی نہیں شکل بھی پُراسرار ہوتی گئی۔

''میں نے...... میں نے اپنے بیٹے کو...... سگے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے...... ایک ماں ہو کر اُسے مار ڈالا ہے، اس کی کوئی معافی ہے؟'' یہ آواز اُس کی آخری بات تھی، سکوت پھر ایسا چھایا تھا کہ اسے زخمی کرنے کے ڈر سے کسی بھی شور نے خود کو گونگا کر دیا۔

بارش کے سنگ آتا پہلا اولا کھڑکی میں بھیگتی لڑکی کی پیشانی سے ٹکرایا، اور زمین پر گر کر کیچڑ ہونے

لگا۔

یہ لڑکی ایک گورکھ دھندہ تھی......!

اک پزل تھی......اک پہیلی تھی......!!

ضمیر مرزا کے سامنے ایک اور کہانی حاضر تھی......!!

☆☆☆☆

تو وہ ہمایوں تھا۔

اپنے نام کی طرح پیارا ......وجاہت میں شاندار......!! اُسے خود پر کبھی محنت نہیں کرنی پڑی تھی......گلابیت گھلی سفید رنگت پہ سایہ فگن پلکوں کی سنہری کانچ والی آنکھیں بار ہا نظر ڈالنے پر مجبور کرتی تھیں۔ مغرور ناک اور پُرخنک عنابی لب......وہ کسرتی بدن و مضبوط کاٹھی کا مرد تھا۔ تیکھے نقوش کا ایک سرائیکی و پنجابی فلموں کا خوبرو ہیرو......جس کی شہرت آس پاس اور دور نزدیک کے کئی علاقوں میں عام تھی۔ اس نے محض شوقیہ طور پر چند کامیڈی فلمیں کی تھیں جو بے حد مقبول ہوئیں......اس طرح کہ پھر بالکل غیر ارادی طور پر وہ مزید فرمائشی فلمیں سائن کرتا گیا......اسکرین نے اُسے مزید ہینڈسم بنا کر پیش کر دیا تھا اور پھر پیشے کی ڈیمانڈ نے اس کی شخصیت مزید نکھار دی......باصلاحیت ، نوک دار لہجے کا مالک......ہمایوں۔

کچھ لوگوں کے لیے وہ حیرانی کا سبب بنا جن میں ''خوش نما'' شامل تھی......اس لیے کہ پہلے براہِ راست وہ اس سے کبھی اتنی متاثر نہیں ہو سکی تھی......یا پھر کبھی اس کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا......!!

اکثر اوقات وہ گیت بھی گا لیتا تھا اور اب ڈائریکشن بھی کر لیتا......وہ ایسا تھا کہ لوگوں نے اسے بہت کم وقت میں ہر روپ میں قبول کیا، اور یہ اس کا اعزاز تھا۔

اس کی نئی فلم جب بھی مارکیٹ میں آتی مردانے میں اوطاقیں سجتیں۔ اور کچھ گھروں میں آنگن۔ ان کی بستی کے ہر گھر میں ٹی وی نہیں ہوتا تھا، اس لیے لڑکیاں اور شوقین مائیں وہ فلم خوش نما کے گھر اہتمام سے دیکھتیں اور نئی فلم کے آنے تک پرانی ہر دفعہ نئے اشتیاق سے دیکھتیں......!

چند ہفتے قبل اس کی نئی فلم ''ہنج'' (آنسو) ریلیز ہوئی اور اُس کا ایک ایک منظر بچے بچے کو زبانی یاد ہو گیا۔ لمبی دوپہروں کی سنسان گلیوں میں اس فلم کے گیت گونجتے تھے......

یہ ہمایوں کی زندگی کا خوش کن دور تھا......اُس کے آس پاس ایک حد تک لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ لیکن پھر اس کی زندگی کا حسین دور شروع ہوا......ہمایوں کو محبت ہو گئی۔

☆☆☆

یہ ایک کشادہ گھر کے وسیع صحن کا منظر ہے۔

سکھ چین و جامن کے پیڑوں کی گھنیری چھاؤں میں ادھر اُدھر ڈولتی موٹی مرغیوں کی کٹ کٹ دوپہر کے سوئے شور کو مجروح کر رہی تھی......وہاں رنگ برنگی دیسی مرغیوں کے چوزے دھوپ میں جلتے پھولوں کی کیاریوں تک پھیلے بہت بھلے دکھتے تھے۔ باقی صحن دھوپ سے بھرا تھا......اور گول ستونوں والے برآمدے کے نیچے بنے کمرے، دروازے بھیڑے جانے کی وجہ سے نیم تاریک تھے۔ ہر طرف نظر آتی ترتیب وصفائی قابلِ دید تھی۔

یہ ہمایوں ابراہیم کا گھر تھا۔

لکڑی کے پھاٹک کا کھٹکا کھولتے ہوئے وہ گھر میں داخل ہوا تو اماں لیموں کے پیڑوں کے پاس کھڑی لیموں توڑ رہی تھیں۔ لیموؤں کی تُرش خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی...... آنچل میں لیموں چنتی اماں، دھوپ، گرمی، اور مرغیوں کی کٹ کٹ، چوں چوں......

''اماں میں گرے فائل لایا تھا۔'' برآمدے میں پہنچ کر اس نے پسینے کو اُنگلی سے سمیٹا، اور ماں کو آواز دی۔ تکان سی اس کے قدموں سے لپٹی تھی، پسینے سے سفید شرٹ جسم سے چمٹی تھی۔

''ہمایوں۔'' ماں نے لیموں توڑنے ترک کیے

اور دوپٹے کے پلو میں سمٹتے برآمدے میں آئیں۔

"کس فائل کی بات کر رہے ہو بچے...... بیٹھو تو سہی آتے ہی فائل......"

"اماں جان جلدی میں ہوں۔"

"مہوش کو جگا کے پوچھو، میں ابھی شربت لاتی ہوں۔"

"شربت رہنے دیں...... فائل کی ارجنٹ ضرورت ہے، مہربانی کر کے آپ خود اُن سے پوچھ لیں۔"

وہ عجلت میں اپنے کمرے میں گیا، کتابوں کی الماری، سیف، درازیں، میزوں کے نیچے اور پردوں کے پیچھے بھی چھان لیا...... مگر فائل ندارد تھی۔

"مہوش کے بچوں نے کہیں ادھر ادھر نہ کر دی ہو...... بیٹا وہاں تو نہیں ہے۔" وہ فکر مندی سے اس کے پاس آئیں۔ جوان بچوں کی والدہ ہونے کے باوجود وہ صحت مند اور جوان دکھتی تھیں، پھرتی قابلِ دید تھی۔ ہمایوں جھنجلا گیا۔

"بہت بار کہا ہے میری چیزوں کا خیال رکھا کریں...... مگر......" وہ ناراضی سے بے ترتیبی پھیلانے لگا۔

"کتنا خیال رکھیں...... جس کا حق ہے اُسے لے آؤ۔" اماں چوکنے والی نہیں تھیں بنا وقت ضائع کیے جھٹ بولیں۔ ہمایوں لحظہ بھر کو رکا۔

"شمع خان کو لے آؤں؟" وہ تپانے کو بولا۔ وہ تپ بھی گئیں۔

"تیرے اُس شمع دان میں آگ نہ جلا دی میں نے......"

"شمع دان...... گریٹ، ایسی آپ لگتی تو نہیں۔" وہ بے اختیار ہنسا۔

"لگتی تو ماں بھی نہیں میں...... پھر بھی ہوں ناں۔" وہ فخریہ بولیں تو دونوں ایک ساتھ ہنستے گئے۔ مہوش بھابھی نے دروازے سے جھانکتے ہوئے اور اپنے لاڈلے دیور اور شفیق ساس کو دیکھا۔

"ہمایوں فائل ملی؟" وہ غالباً سوئی ہوئی تھی ماتھے پہ بندھی پٹی اسی بات کی غماز تھی۔

"نہیں بھابھی......" وہ بے چارگی و شرمندگی سے بولا۔ مہوش واپس مڑی۔

"یہ لیں اماں کے کمرے میں رہ گئی تھی۔" وہ ڈھونڈ کر اسے تھماتے بولی۔ ہمایوں نے تشکر سے دیکھا

"بہت شکریہ بھابھی...... اماں گرمی بہت ہے، میں رات کو لوٹتا ہوں دیر ہو رہی ہے" وہ جلدی میں بال بناتا ہوا آئینے سے ہٹ گیا۔ پنکھے کی ہوا میں بھی حدت تھی، سورج اکڑ کر کھڑا قہر برسا رہا تھا۔ اس کے زیرِ عتاب دھرتی جل رہی تھی۔

"ہمایوں کھانا......" وہ تیز تیز چلتے ہمایوں کے پیچھے برآمدے کے کنارے تک آئیں۔ "اچھا جلدی آنا ولیمہ پر شرکت کرنی ہے لازمی تم نے......"

وہ ٹھٹکا۔

"ولیمہ......؟" پھر دلچسپی سے مسکراتا ہوا فرصت سے ماں کی طرف مڑا۔

"اماں آپ کو خوش نما کیسی لگتی ہے؟"

"خوش...... نما" اپنے جلد باز بیٹے کے منہ سے غیر متوقع بات سن کر جہاں آراء اور مہوش ایک ساتھ متحیر رہ گئیں۔

☆☆☆

پچھم سے اُٹھی زرد آندھی سازشی تھی جس نے ہر رنگ پر مٹی اُچھال دی تھی۔

بھری دوپہر میں سازشی ہوا نے بادلوں کی فوج جمع کر لی، جو فلک پر فتح پائے، اب پوری طرح راجدھانی کا جشن منا رہے تھے۔ ایسے میں گرمی کا زور ٹوٹا...... اور موسم کی ساری کثافت دھل گئی۔

خوش نما نے جانچتی نگاہیں آسمان پر مرکوز کیں۔

"لگتا ہے بارش آئے گی......" دادی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی میں آم ڈبوتے ہوئے پیشن گوئی کی تو خوش نما کا سر نفی میں دائیں بائیں ہل گیا۔

"نہیں۔ آثار بتاتے ہیں کہ برسنے کا دم خم نہیں

رکھتے۔" اس نے سنجیدگی سے خطاب جاری کیا اور سارے میں طائرانہ نظر ڈالی۔ وہ اس گندے صحن کو صاف کرنے کا موڈ رکھتی تھی۔

اچھا جی محکمہ موسمیات، بڑے اٹل اندازے ہوتے ہیں آپ کے......" صفی نے آم سے انصاف کرتے ہوئے مداخلت کی۔ اُس کے ہاتھ میں آلو بخارے تھے۔

"شرط لگا لو" خوش نما نے چیلنج کیا جبکہ دھیان کا پنچھی کہیں اور پھڑ پھڑا رہا تھا۔ روشنیوں والی رات......رقص، گیت......شادی اور وہ...... منظر بدل گیا تھا۔

"آپ اتنا اچھا ڈانس کر لیتی ہیں، میری تو گویا نظر جامد ہو گئی۔" کچھ دیر بعد اپنے عقب سے ہمایوں کی آواز سنائی دی تو اس کی حرکات رک گئی تھیں۔ اسے لگا وہ مڑ نہیں پائے گی۔

"مجھے لگا اس گیت پر ڈانس جتنا زبردست ہو سکتا تھا وہ فلم میں کیا جا چکا......لیکن تم نے تو مجھے حیرت زدہ کر دیا۔" وہ خوش گوار تاثرات لیے آپ سے تم پر آ گیا۔ وہ جھجکی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے......یونہی کچھ میرا شوق، اور زیادہ آپ کی فلم دیکھنے کا اثر......آپ کی ہیروئن نے بھی بہت اچھا ڈانس کیا ہے۔"

"بلاشبہ، لیکن تم میں بہت مہارت اور پرفیکشن نظر آئی......کیا باقاعدہ سیکھا ہے؟" اُس کی بھنویں استفہامیہ انداز میں اکٹھی ہوئیں، وہ محظوظ لگتا تھا اور خوش نما نروس......رات ان کے سروں پر کسی کچی عمر کی دوشیزہ کے آنچل کی مانند پھسل رہی تھی۔

"میں شرمندہ ہو رہی ہوں اب، سب کا اصرار تھا ورنہ......آپ مذاق اُڑائیں مجھے اندازہ بھی تھا کہ شاید آپ آئیں، غلطی کر دی۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تو ہمایوں بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

"ارے بہت اچھا کیا......اور ہاں لگتا ہے تمہارے اندازے بہت سچے ہوتے ہیں۔" اس کے لہجے میں پہلے کی سی ستائش تھی......فلک کو ڈھانپتے سیاہ بانات پر ٹانکے تاروں کی چھاؤں اور میٹھی چاندنی کے نیچے کھڑے ہمایوں، خوش نما......آپس میں مگن تھے۔ ایک کے چہرے پر مسکراہٹ بھری تھی اور دوسری کی دبی دبی مسکان......اُس سے اپنے لیے ستائش دیکھ کر اسے عجیب سی راحت پہنچ رہی تھی۔

"میں جاتی ہوں، ایسے کھڑے رہنا مناسب نہیں۔" خوش نما کو اچانک خیال آیا کہ کھانا کھانے کے بعد نکلنے پر ہاتھ دھونے وہ نسبتاً تاریک گوشے میں کھڑی تھی۔ ہمایوں فوراً سنبھلا۔

"خوش نما! میں تم سے بعد میں بھی ملنا چاہوں گا۔" اسے جاتا دیکھ کر اس نے پیچھے سے پکارا۔

"کیا میں نے کچھ کیا ہے؟" خوش نما اب کے اپنے لبوں کو پھیلنے سے روک نہیں پائی تھی۔ وہ مڑے بغیر بولی۔

"شاید کچھ کچھ......"

اس سے زیادہ وہ کچھ سنتی تو شاید اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ پاتی......ہمایوں انوکھے جذبوں کے اولین کچے رنگوں سے لپٹا وہ سپنا تھا، جو اس کی آنکھوں سے بہتا ہوا دل کو روشن کرتا تھا۔ اُس کے دل پر ہلچل کی پہلی دستک ہمایوں کے سر تھی۔

دل بے قصور ہوتا ہے......اس کا تو نمبر ہی کہیں بعد کا ہے......سب سے پہلا دوش ہے "نظر" کا......!!

اسکرین کے پیچھے ہمایوں کو تکنے والی اس کی نظر......سامنے سے ایک نظر پا لینے کی جسارت نہ رکھتی، اور تنہائی میں آنکھوں کی پتلیاں [illegible] کر دیتی تھی......اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اسے بار بار کیوں دیکھنا چاہتی ہے، ایک مرتبہ اس کی زمزمہ سے بھی ہلکی سی جھڑپ ہو گئی۔

"تم ایک ہی سی۔ ڈی، بار بار کیوں دیکھتی ہو؟" زمزمہ اس کی بہن تھی، چڑ کر بولی۔ خوش نما نے گھور کر دیکھا۔

"کیونکہ اسے دیکھنا مجھے پسند ہے" اس نے مزے سے اعتراف کر لیا۔ زمزمہ ایک جھٹکے میں اُٹھ

بیٹھی۔
''ایک ہی فلم کو؟''
''نہیں۔''
''کسے؟''
''ہمایوں کو......''
''پاگل ہوئی ہو......'' وہ چیخ پڑی۔ ''کسی نے سنا تو کیا خیال کرے گا...... ہٹو، یہاں سے آئندہ کے بعد کیسٹوں کو ہاتھ مت لگانا۔''
''پسند کہا ہے، محبت نہیں کہی اچھا۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ اسے زمزمہ کا ٹوکنا پسند نہیں آیا تھا۔ زمزمہ پھر بھی کہے بغیر رہ نہیں سکی۔
''اور پسند بھی تم اسے بار بار دیکھنے کی وجہ سے کرنے لگی ہو...... یاد کرو، تمہیں پہلے کبھی وہ پسند تھا؟''
''میں نے پہلے کب اُس سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا؟'' خوش نما کو شدید حیرت زدہ ہو کر دکھانا پڑا۔
''پہلے کبھی یوں پسندیدگی کا اظہار بھی نہیں کیا...... انسان جتنا زیادہ کسی چیز کو فوکس کرتا ہے، اسی کی جانب تیزی سے کھنچتا جاتا ہے۔''
''سوری وہ انسان ہے، چیز نہیں۔'' خوش نما نے ناک سے گویا مکھی اڑائی۔ انداز کم از کم ایسا تھا۔ وہ اُڑا سکتی تھی۔
''انسان ہے اسی لیے میں بھی روک رہی ہوں...... ایک پھول کو آپ اپنے دھیان کی ہوا، خلوص کا پانی، اور چاہت کی کھاد نہ دو تو وہ مرجھا جائے گا...... جبکہ اس کے برعکس اگر اسے اچھی طرح دیکھنے پرکھنے کے لیے اسی کے اردگرد گھومتے رہو تو انسانی جذبات بہک جاتے ہیں۔'' اُس سے ایک سال بڑی بہن نے اسے بہت پتے کی بات بتادی تھی جو خوش نما کی لاپروائی کی نذر ہوگئی...... زمزمہ اسے دیکھتی رہ گئی۔
''یہ تھیوری مجھ پہ اپلائی نہیں ہوتی، ایسا کچھ بھی نہیں ہے تمہارا مشورہ بہرحال بہت اچھا ہے۔''

ایک چیز جو سرے سے ناممکن لگے خواہش بننے میں بار بار رکاوٹ ڈالتی ہے...... اُس رات سے پہلے جیسے ''ہمایوں'' ناممکن تھا...... اور اس رات کے بعد سے جیسے ہر چیز ناممکن تھی، جو اُس کی زندگی میں ممکن ہوئی...... تو تب وہ محبت زدہ تھی نہ خواہش زدہ...... شاید حسرت زدہ تھی!!
محبت اُبلتی آگ ہے تو...... اس پر جھپٹتی پہلی نظر بھڑکتی چنگاری......!
''خوش نما میں تم سے بعد میں ملنا چاہوں گا۔''
حسرت کی جگہ خالی ہوگئی...... اور محبت کے لیے دل۔ وہ قید ہوگئی
''خوش نما...... خوش نما۔'' اماں کی آواز پر تخیل چٹخا اور چکنا چور ہوگیا...... آموں کی میٹھی رسیلی خوشبو، دن کا وقت، بادلوں اٹا آسمان، اور وہ اپنے گھر کے صحن میں تھی۔ یہ مائیں بھی ناں۔
''صحن میں جھاڑو پھیر لو، عصر ہوگئی تو دادی نہیں جانے دیں گی۔'' عصر کے بعد دادی جھاڑو نہیں لگانے دیتی تھیں، یہ ان کے مفروضے تھے کہ اس سے خوش بختی جاتی ہے۔ خوش نما نے ہر خیال جھٹک کر دوپٹے کو بازو کے نیچے سے گزار کر باندھا اور آستینیں ہلکی سی موڑ لیں۔
''آپ لوگ آم کھاؤ میں ابھی فارغ ہو کے آتی ہوں......''
صحن میں ادھر اُدھر سے اُڑ کر آنے والے آوارہ شاپر شتر بے مہار گھوم رہے تھے۔ تیزی و پھرتی سے اُس نے کھجور کے لمبے جھاڑو سے ان کا بندوبست کیا اور کچرے کو ٹھکانے لگاتی، انگوروں اور کریلوں کی سبز بیلوں کو لکڑی کا سہارا دے کر دیوار کا راستہ دکھایا...... جنہیں ہوا اُکھاڑ کر آدھ موا کر گئی تھی۔
گھڑے کا پانی گرا کر، اُسے دھویا اور تازہ پانی بھر کر گھڑونچی پر سے گرد صاف کر کے اس پر رکھا۔
دادی کی پختہ عادت کے ساتھ وہ سب بھی گھڑے کا پانی شوق سے پی لیتے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے نیم کے پیڑ پر لٹکیں پرندوں کے

لیے پانی کی پیالیاں بھریں، جو کہ پرندوں کے لوٹنے کے سمے ہمیشہ بھری جاتیں۔
وہ چپکے سے اُن کو وہاں چھوڑتی گھر کے پچھلے حصے کی طرف آئی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
سامنے تا حدِ نگاہ آم و فالسوں کا باغ ایک معقول رقبے تک پھیلا ہوا تھا۔ ہلکے ہلکے ہلتے پتے شور کر رہے تھے، وہ چند لمحے اس بکھرے حسن و تازگی کو دیکھتی رہی جو ایسے موسم میں مسحور کن لگتی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر ندی کنارے چلی آئی۔ ہوا کی لہریں ندی کے شفاف پانی پر صاف نظر آتی تھیں، جھک کر اُس نے ہاتھوں کے اوک میں پانی لیا اور منہ دھونے لگی۔
یکا یک قدموں کی دھمک اُسے اپنے قریب سنائی دی تھی۔ وہ دوپٹا سنبھالتی مڑی۔ (دل ڈول گیا تھا)
''آپ یہاں؟'' اپنی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کے سامنے تھا۔
خوش نما کو پہلی بار اپنا دل بے قابو ہوتا محسوس ہوا...... اُس کے چہرے سے چپکیں نظریں ہٹانا اتنا دشوار تھا، جتنا نظریں جمانا۔
''مجھے نہیں یقین تھا کہ آپ یہاں ہوں گی۔'' وہ اس کے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔
خوش نما کے گماں سے پرے تھا کہ اتنی جلدی وہ دوبارہ روبرو ہوگا۔
''میں نے کہا تھا نا کہ...... لیکن یہ محض اتفاق ہے۔'' اُس نے بات ادھوری چھوڑی اور کندھے اُچکائے۔ وہ بات جو ادھوری ہو کر مکمل لگتی ہے۔
میں کیسے مان لوں؟''
''موسم کی رنگینیاں ثبوت ہیں کہ میں یہ کنارہ پکڑے کسی خوش کن منظر کی تلاش میں نکلا تھا۔'' وہ بے یقین تھی، مسکرا دی۔
''آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟'' خوش نما نے اٹک کر پوچھا۔ باغ کی تتلیاں اس کی ہم خیال ہو گئیں...... وہ جانے کیا سننے کی منتظر تھی، تتلیوں نے بار رایت سی جمع کر لی۔
''میں صرف تم سے ملنے آیا ہوں...... یہاں تمہارے لیے۔'' بھوری آنکھوں کی جوت جلائے، اُس نے جھوٹ ترک کیا اور سچ بول دیا......

☆☆☆

''ادھر شہزادی نے نو عمری میں اپنے دل پر پڑنے والی محبت کی دستک پر دل کے کواڑ کھولے...... اور اُدھر بادشاہ کے دل میں تراز و ہو گیا کہ اُس کی بیٹی کا دل کسی اور لے پر دھڑک اُٹھا ہے۔
بادشاہ کو شہزادی پر بہت غرور تھا اور اُس نے اسے ایک بیٹے کی طرح تربیت دی تھی۔ مگر بادشاہ سلامت اس سے نسوانیت ختم کرنے سے تو گیا...... اِسی لیے بادشاہ نے شہزادی کو اپنی آرام گاہ میں بلایا اور راز خود گفتگو کی پٹاری سے ایک بات نکال لی......''
کھجور کی چھڑیوں سے بنی چٹائیوں پر جاڑے کی راتوں کے اولین پہر مٹی کے دہکتے انگاروں بھرے چولہے کے گرد، فرشی نشستیں بچھی ہوتی تھیں، جس پر بیٹھے دادی کی پوتے، پوتیاں پاٹ دار آواز میں ان سے کہانی سننے کا شوق پورا کرتے تھے۔ دادی ایسے موڑ پر آ کر ہمیشہ تجسس کو ہوا دینے کے لیے ڈرامائی وقفہ دیتیں...... اور بڑے بھیا کی بچی بے تابی سے پوچھا کرتی۔
''دادی آگے کیا ہوا...... شہزادی تو قتل ہو گئی ہو گی؟'' دادی کے صبیح چہرے پر انگاروں کی تابانی میں سرخ مسکان چمک جاتی۔
''بادشاہ نے اُس کے دل کا حال کھول کر رکھ دیا کہ وہ اس کے ہر راز سے واقف ہو گیا ہے۔ شہزادی نہایت خوف زدہ ہوئی اور روتے ہوئے اپنی پیشانی اس گستاخی پر اپنے باپ کے قدموں میں رکھ دی، ہاں البتہ اپنی محبت کی دستبرداری سے انکاری تھی۔ تب بادشاہ نے اُس سے کہا کہ لڑکی بھلے بادشاہ کی بیٹی ہی ہو اُس پر دہری ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اُس کے ساتھ اُس کے باپ، بادشاہ کے تاج، اور پوری سلطنت کی عزت جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ مجھے تمہاری خاطر ایک کم حسب نسب والے خاندان سے جڑنا پڑا تو کچھ حرج نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے

پہلے تمہیں ایک امتحان سے گزرنا ہوگا......'' دادی یہاں آکر ایک بار پھر مسکراتیں، گویا بادشاہ کی عقل مندی انہیں بھا جاتی ہو۔

''بادشاہ نے کیا امتحان لیا دادو؟'' بے صبری سے پوچھا جاتا اور وہ گویا ہوتیں۔

''بادشاہ نے کہا...... تم میرے پوچھے گئے سوال کا جواب دریافت کروگی اور تب تک اُس سے نہیں ملوگی جب تک کہ صحیح جواب کا ادراک نہ کرلو...... سوچو کہ بارش کے قطروں میں تمہارے لیے میں نے کون سی نشانی چھپائی ہے...... بوجھو کہ بارش کی بوندیں زمیں پر گر کر پہلے سی کیوں نہیں رہتیں...... کیا چیز انہیں خاک کر دیتی ہے؟''

ندی کا ٹھنڈا پانی روانی سے بہتا ہمیشہ کی طرح جھاگ اُگل رہا تھا۔ خوش نما نے سوچنے کی کوشش کی کہ اس کا انجام دادی کیا بتایا کرتی تھیں...... مگر اس کے ذہن کی سلیٹ کوری رہی۔

''میرے گمان میں نہیں تھا کہ آپ اتنی جلدی دوبارہ ملیں گے......''

ہمایوں مسکرا دیا۔

''میں نہیں مان سکتا کہ دو تین دنوں سے جو سکون مجھے حاصل نہیں، اس بے قراری کی آنچ تم تک پہنچ نہ سکی ہو......''

دونوں کھجور کے درخت کی اطراف سے ٹیک لگا کر کھڑے ندی کے ہلکے گدلے پانی کو تک رہے تھے۔ دونوں کے ہی جذبات کی روانی پانی مانند بہہ رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' خوش نما نظریں چرا کر بولی۔

''مطلب تو سیدھا سا ہے کہ تم نے مجھ پر کوئی جادو کر دیا ہے...... یقیناً کوئی سحر ہی پھونکا گیا ہے ورنہ میں نے کبھی کسی لڑکی کو اتنا خود پہ سوار ہوتا نہیں دیکھا۔ تمہاری ہنسی کے سرخ گلاب، تمہارے لہجے کے اُتار چڑھاؤ، اور تمہاری صورت میری نظروں سے ہٹتی نہیں...... اِس سب میں بے شک کچھ خاص نہیں، مگر عام چیز بھی بہت اچانک خاص لگنے لگتی ہے اور میں اپنے جذبات کا کچھ نہیں کر سکتا۔''

اس نے آخر میں مصنوعی فکر مندی سے کندھے اُچکائے تو خوش نما کے چہرے پر گلال بکھرا ہوا تھا۔ ایک محبوب انسان کے منہ سے یہ فقرے سن کر اس نے چند پل بے یقینی کی نذر کیے۔ ہمایوں کے ساتھ اسی منظر میں قید ہوئے اپنے خوش گوار جذبات سے کبھی چھٹکارا نہیں چاہتی تھی۔

''ہمایوں تم ابھی تک شاید اُس رات کے حصار سے نہیں نکل پائے۔'' اس نے اپنی آواز کی لرزش پر بدقت قابو پایا۔

''رات تو صرف ذریعہ تھی...... اصل وجہ تم ہو۔'' ہمایوں نے محظوظ ہوتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''دراصل تمہاری فیلڈ کا اثر ہے جناب...... پھر یقیناً تم میرے ڈانس سے متاثر ہو۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ہمایوں کا چھوٹا سا قہقہہ اس کے اردگرد بکھر گیا۔

''وہ بھی کہہ سکتی ہو......'' وہ فوراً مان گیا۔

''میری اس تمام تر بے چینیوں کا ذمہ دار وہ رقص ہی ہے جس سے پہلی بار میں تمہاری طرف متوجہ ہوا۔''

''یعنی اور مجھ میں کچھ بھی نہیں؟'' وہ ناک چڑھا کر خفگی سے بولی۔ ہمایوں کو اس کی ادا پہ پیار آیا۔

''میں نے ذمہ دار کہا ہے...... واحد وجہ وہی نہیں۔''

''تعریف سمجھوں؟''

''شوق سے......'' وہ ہنس پڑا۔

''اچھا تو پھر اگلی فلم میں لے رہے ہو مجھے ہیروئن......؟'' وہ ایک دم سامنے آگئی۔ آنکھوں میں سوال بھرا اشتیاق...... اور انداز میں بے تکلفی۔ شب کی تاریک راہوں کے ہم راز روشن جگنو ایک ایک کر کے ہمایوں کی آنکھوں میں جلنے بجھنے لگے......

''میں تمہیں اپنی زندگی میں ہیروئن لینا چاہتا ہوں خوش نما۔'' اُس کی گمبھیر لہجے میں کھلی خواہش کی آمیزش...... بات خوشبو تھی، مہک تھی۔ اسے معطر کر گئی...... رنگین محبت کی تیز پھوار میں بھیگتی لڑکی

گنگ ہو کر اُس آدمی کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

بچھو پھر اُس کی سمت بڑھ رہے تھے۔

آج اُس کا شوہر اس کے ساتھ تھا مگر بے حد خوف زدہ...... وہ زمین پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی انتہا بے بسی کا اظہار کرنے لگی۔ مگر بچھو منہ زور تھے...... اُس کی آنکھوں میں وحشت بھر گئی مگر کسی کے اختیار میں نہ تھا کہ آگے بڑھ کر ان کیڑوں کو جھٹک سکتے...... بالآخر بچھو نے ڈنک مارا اور خون نیلا پڑنے لگا۔

☆☆☆

بات بات پہ منہ کھول کر ہنسنا، شریر لہجہ، انگ انگ سے چھلکتا کسی خاص چیز کا سرور، اور چہرے سے جھلکتی آسودگی...... وہ پہلے بھی ہنس مکھ ہی رہا تھا لیکن اب جو بات اُس میں نظر آتی تھی وہ ماں کی نگاہوں سے چھپ نہ سکی۔ آئینے کے سامنے کھڑے وہ پرفیومز کی پوری پوری بوتلیں دھواں کر کے اُڑا دیتا اور پلک بھی نہ جھپکتا تھا۔ کہاں چھٹیوں کے دن گھر میں اُسے آرام دہ لباس میں رہنا زیادہ پسند ہوتا تھا، پھر جانے کیا ہوا کہ کپڑے کی ایک شکن اُسے غیر آرام دہ کرنے لگی۔ جہاں آراء کے لیے یہ سب حیرت کے کچھ قریب قریب تھا۔

''ہمایوں آج کل کچھ خاص بات ہے، بڑے موڈ میں رہنے لگے ہو؟'' اُس کی بہن نے دہلیز روک کر نظروں ہی نظروں تولا۔ دونوں کی بہت بنتی تھی۔

''میری کامیابیاں شاید مغرور کرنے لگی ہیں۔'' وہ ہنستا اتنا پیارا لگا کہ ماں کی نگاہ لحظہ بھر نہ ٹک سکی۔ نظریں پھیر کر استفسار کیا۔

''کیا تم ڈراموں میں جانے کا اب سوچتے ہو؟''

''آپ اتنی دور جانے دیں گی؟''

''کبھی نہیں......'' وہ قطعیت سے بولیں۔

''تو بس پھر...... میں تو یہ سب بھی چھوڑنے کا سوچ رہا ہوں۔'' وہ خیالوں میں کھو کر کہیں اور پہنچ گیا تو جہاں آراء حیرت کا ایک اور جہاں گھوم آئیں۔

''یعنی کچھ ہوا ضرور ہے؟'' اُنہیں یقین سا ہو چلا۔ وہ ہمایوں کے پیچھے چلی آئیں۔ ہمایوں پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کر رہا تھا۔

''یونہی اماں، اب اپنی ذمہ داریاں اُٹھانے کو جی چاہتا ہے۔''

''تم کسی کو پسند کرنے لگے ہو۔'' اُن کے کہے میں نہ شک تھا نہ سوال...... صرف تصدیق کی منتظر ہوں جیسے۔

ہمایوں چند ثانیے ماں کے چہرے پر کچھ کھوجتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر کوئی بھی سراغ پانے میں ناکام رہا۔

''ہاں اماں......'' ایک دلفریب تاثر اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لینے لگا۔

''شمع کا نام مت لینا......'' اُن کی تیوری چڑھ گئی۔ دل میں کچھ اُبل رہا تھا۔

''توبہ کریں......'' ایک قہقہہ برآمد ہوا۔

''پھر کون......؟'' دم سادھے جہاں آراء نے بدقت دریافت کیا۔ یک بیک اُن کا دل بیٹھنے لگا تھا کہ نجانے اب وہ کس کا نام لے...... اور جو کچھ ہمایوں میں وہ دیکھ چکی تھیں۔ کسی بھی حال میں وہ باغی ہونے سے نہیں چوکتا۔

''خوش نما...... میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں اماں، آپ اس کے گھر بات کریں۔'' ہمایوں نے ماں کے ہاتھ تھام کر بہت اُمید سے کہا۔ جیسے ماں نے انکار کیا تو وہ پاؤں بھی پکڑ لے گا...... جوان بیٹے کے ہاتھوں کی حرارت ان کے دل کو چھو کر پلٹ آئی۔

''خوش نما...... ہمایوں۔'' خوشی کے آخری احساس کو پا کر اُن کے حلق کے سرنگ سے سرسراہٹ سی نمودار ہوئی۔ ایک ساتھ دونوں کا نام جڑ کر اتنا دلگداز لگا تو ساتھ جڑ کے دونوں کتنے شاندار لگتے...... اُن کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ لیکن اس کے لیے اُن کے ارمان کورے دل کی بالکل اسی ماں

کے جیسے تھے جس کا بس ایک ہی بیٹا ہوتا ہے، اور وہ دنیا اُٹھا دینا چاہتی ہے......اور پھر خوش نما تو تھی بھی دیکھی بھالی...... آنکھوں سامنے پلی بڑھی...... وضع دار، عقل و شعور کی مالک۔ سلیقہ مند، سندر......اور بے عیب بھی۔ ایک سو ایک نمبر۔

☆☆☆

آموں کی موٹی ٹہنیوں پر رسی کے جھولے پڑے تھے، اور ہلکی ہوا اُنہیں چھو کر گزر رہی تھی۔ خوش نما پر خوشی کے اصل معنی اب عیاں ہوئے تھے...... سندر سپنوں کی تعبیر خواب ناک ہو کر اسے ملی تھی۔ وہ پہروں اُس خوب صورت حقیقت کو تکتی تھی جو بہت سہل ہو گئی تھی۔ اور ہمایوں اُس کے لیے ایسا ہوتا...... بالکل بن مانگی دعاؤں کے جیسا......اسے حاصل ہو جانے کی سچائی نے اس کے دل میں چھپی محبت کو زرخیز زمین سے سرسبز کونپلوں کی طرح باہر نکال دیا تھا۔ وہ ہر کام کرتی تاکہ کوئی اُسے مخاطب نہ کرے اور وہ ذہنی طور پر ہمایوں کے ساتھ تتلیوں کے نگر زندگی کے رنگوں کی کھوج میں مگن رہے۔

ہمایوں کے لیے اُس نے زندگی میں پہلی بار خیانت کی...... گھر والوں سے چھپ کر موبائل استعمال کیا۔

ہمایوں کے واسطے اپنے وقار کی پروا نہیں کی......دہلیز لانگی، اور محبت کی پینگ ڈالی۔ آنکھوں پر پٹی باندھی، کانوں پر اُنگلیاں ٹھونسیں...... اندھی تو موت ہوتی ہے، وہ آنکھوں والی ہو کر ہو گئی۔

خوش نما......وہ داسی کہ جس کے پاؤں رقصم تو زمین پر ہوں پر آنکھیں آسمان (محبوب) پر...... چھلے پاؤں ہوں زخمی یا ناخن ٹوٹیں......

اور ہمایوں......وہ اس سے بڑھ کر عشق کرتا تھا، اُس کی اتنی چاہت خوش نما کی راتوں کی نیندیں اُڑا گئی۔ بھوک، پیاس تو محبت یوں چٹکیوں میں اُڑا دیتی ہے۔

آموں پر جھولے جھولتی اُس کی ساری سہیلیاں موجود تھیں......اور ہمایوں کی دو بہنیں بھی۔

وہ ''خاص'' آئی تھیں۔

''خوش نما۔ تم بہت بڑی چیز ہو، اتنی راز داری......'' صفی کا گھنٹہ بھر سے غم نہیں جاتا تھا کہ وہ اب باخبر ہوئی۔ کسی کو تو راز دار بناتی۔

''ہم تمہیں معاف نہیں کریں گے کہ تم ہم سب کا ہیرو اُڑا لے گئیں۔'' بانو نے اتنا لمبا جھولا لیا کہ آم کا پورا پیڑ ہل گیا۔

''اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا...... بلکہ اُس نے مجھے پسند کیا ہے۔'' خوش نما بہت ناز سے بولی۔ اُس پر یہ غرور سجا بھی بہت کہ اُسے پسند کرنے والا ہمایوں تھا۔ اُس کی بہن ماریہ نے ہنستے ہوئے مزید اضافہ کیا۔

'' ہمارے لیے یہ بہت خوش گوار واقعہ تھا۔ خوش نما کے ساتھ محفل خوب جمے گی۔ اور آپ سب لوگ اب منگنی کی مٹھائی کھانے کی تیاری شروع کر دو۔''

''کیا مطلب اب یہ سچ مچ ایک ہینڈسم بندے کی منگیتر بھی ہوا کرے گی۔'' آدھی لڑکیاں چیخ پڑیں...... آدھی کھلکھلا اُٹھیں۔ خوش نما کے چہرے پر قوس قزح بچھ گئی۔

ہمایوں نے تاروں کی چھاؤں میں فون کیا تھا کہ چاند میں ▪▪ اسے تکتا ہے۔ چاند کی بڑھیا اُن دونوں کو تکتی رہی۔

''خوشی میں ایک نئی فلم کی شوٹنگ کے لیے چلا جاؤں گا، اس سے پہلے ہی میں تمہیں اپنے نام کر کے جانا چاہتا ہوں۔'' اُس نے خوش نما سے کہا تھا۔ اور خوشی کو وہ انت خوشی لگی۔

''کیا میں اب آپ کے نام نہیں ہوں؟''

''وہ ہے، لیکن میں چاہتا ہوں سب کو علم ہو...... اور یہ احساس میرے لیے بہت خوش کن ہے۔''

''تو میں کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ لب دبائے مسکراتی رہی۔

''میں نے کر لیا ہے......اماں آجائیں گی۔

باقی تم سنبھالنا۔"
تاروں کی چھاؤں میں دیا قول اُس کا پورا ہوا۔
جہاں آراء بیگم تشریف لائیں اور پورے استحقاق سے جب بولیں تو بس سمجھو کہ اقرار کا قول لے کر ہی اُٹھیں گی۔ عفت خوش نما کے پاس تذبذب کا شکار ہو کر آئیں۔
"جہاں آراء تمہارے رشتے کے لیے آئی تھیں۔" وہ چپ سی تھیں۔
خوش نما کو بے یقینی کے بگولے نظر آئے کہ اماں کے لیے اس میں ٹھنڈے رویے کی کیا بات تھی؟
"تمہارے بھائی بھی اعتراض کریں گے شاید......اور وہ جو کام کرتا ہے......" وہ اپنی اُلجھن بیان کرنے سے قاصر رہیں۔
"کیسا کام اماں؟"
"یہ فلمیں، گانا، بجانا......"
"تو کیا ہوا اماں؟" خوش نما اتنا سا بولی۔
عفت کے لیے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
"وہ پہلے سے عورتوں کے ساتھ ہوتا ہوگا، تم سے برداشت ہوگا......مانا کہ ایک ہی گاؤں ہے مگر کیا بھروسا اور بعد میں بھی کوئی کام کرے نہ کرے......" وہ بیٹی کا مستقبل مضبوط چاہتی تھیں۔
خوش نما بات مکمل سنے بغیر ہنس پڑی۔
"اماں ایسا کچھ بھی نہیں ہے......" اس کی ہنسی اور پھر بات کرنے کا مطمئن انداز، مائیں تو یوں بھی نجومی سے کچھ بڑھ کر ہوتی ہیں۔ اور کیا اعتراف ہوتا......جہاں آراء کا استحقاق بجا تھا۔
چند ہی دنوں میں بستی کے گھر گھر کچھ خوشی سے، کہیں تھوڑی جلن سے، کہیں بہت زیادہ رشک سے اُن دونوں کا ذکر ہو رہا تھا۔
"تمہیں بیٹی بنا رہی ہوں، مجھے ساس مت سمجھنا......بہت دفعہ ضرورت پڑے گی آزما بھی لینا۔" جہاں آراء نے نازک سی رِنگ اُس کے ہاتھ کی تیسری اُنگلی میں ڈالتے ہوئے یقین سے کہا تو اُس نے غور ہی نہیں کیا......اُس کی مخروطی اُنگلی میں سجی رِنگ دیکھ کر پہلی بار اُس کے چہرے پر اپنے نام اثر نظر آیا۔
اور اس انگوٹھی کی چمک نے اُس کی آنکھیں چندھیا دیں......پھر وہ اتنا خیرہ ہوگئیں کہ "اندھی ہوگئیں۔

☆☆☆

کتنا سہل جانا تھا
اُس کی یاد کا چہرہ خوابناک آنکھوں کی
جھیل کے گلابوں پر دیر تک سجا کر رکھنا
کتنا سہل جانا تھا
اے نظر کی خوش فہمی
اس طرح نہیں ہوتا
تتلیاں پکڑنے کے لیے دور جانا پڑتا ہے

رات گہری تاریک تھی۔ فضا میں حبس کا دبا کسی بھی وقت اُٹھتی آندھی کا پیش خیمہ تھا......فلک بادلوں کا جال، اور جھاڑیوں سے جھینگروں کے چیخ کی آوازیں رات کا مقدس سکوت توڑتے......خوش نما بھی ہر حدود کو توڑ کر اُس سے ملنے آئی تھی۔ رات مکار بلی کی طرح کی اپنی سیاہ چمکیلی آنکھیں اُن پر جمائے ہوئے تھی، اُس کی ایک آنکھ میں شر کا سایہ تھا......دوسری میں "خیر" کی پرچھائیں۔
پیپل کے دراز گھنے درخت کے نیچے وہ اُس کے لیے محوِ انتظار تھا۔ خوش نما اُس کے کندھے سے کندھا جوڑ کر بیٹھ گئی۔
"سب کے سونے پر ادھر آئی ہوں......کیا بلا کی ضد باندھ لیتے ہو، دونوں طرف دل میرا اٹکا رہتا ہے۔" وہ اٹھلا کر بولی۔ لہجے میں مصنوعی سا شکوہ واضح چغلی کھا رہا تھا۔
"کیا میرے لیے تمہارا دل نہیں کر رہا تھا، اور تم میری ضد پر آئیں بس؟"
"نہیں ایسا تو نہیں کہہ رہی میں......" وہ شرمگیں مسکراہٹ سے بولی۔
ہمایوں نے محبت پاش احساس سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جانتا تھا خوش نما اُس کی محبت میں کچھ بھی

کرلیتی۔ وہ بھی تو کر لیتا......!!

''مجھے خبر نہیں تھی کہ میں کسی سے اتنی محبت کروں گا، اور اس کی منزل اتنی سہل ہوگی...... تم میری زندگی کی خوش نما بہار ہو خوشی، تمہارا وجود، تمہارا احساس میرے لیے ایسے امرت کی طرح ہے جس میں لمحہ لمحہ میری زندگی کھل کر پُر لطف ہوتی جا رہی ہے۔ میرے لیے تمہارا مزید انتظار کرنا بہت کٹھن ہوتا جا رہا ہے۔'' ہمایوں کے خوب صورت لہجے میں محبت بھانپ کر وہ بنا وقت وجگہ کا شعور کیے کھلکھلا کر ہنستی گئی...... ایک محبوب ہستی سے یہ التفات سن کر وہ مسحور ہوسکتی تھی، اور ہو رہی تھی۔

''سچ کہہ رہا ہوں یار، اور یہ تشنگی تو تمہارا میرے گھر کو رونق بخشنے کے بعد ہی ختم ہوسکتی ہے شاید...... کیا تم خوش ہو خوشی؟''

ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی تھی، اور ہمایوں کی آواز کے بھاری پن نے اس کے دل کی دھڑکنیں غیر معمولی کردی تھیں۔ خود پر قابو پا کر اُس نے خود کو کہتے سنا۔

''میں ایک خواب کی کیفیت میں ہوں ہمایوں، میں نے تمہیں پانے کی کبھی دعا کی نہ تصور...... پھر بھی میرے دل کے جذبات تم سے ٹکرا گئے، تو تم سمجھ سکتے ہو میں کس کیفیت میں ہوسکتی ہوں...... تمہارا ساتھ کسی کے لیے ناخوشی کا باعث بھی بن سکتا ہے؟''

اُس نے اتنے مان سے کہا کہ دونوں کے درمیان کتنے ہی پل خاموشی چھا گئی تھی۔ یہ خاموشی اُنہیں کلام سے بڑھ کر با اثر لگی۔ ''میں بہت خوش ہوں ہمایوں......''

''تمہاری خوشی کی سلامتی کے لیے کچھ بھی کروں گا میری جان۔'' اُس نے گمبھیر لہجے میں ہوا سے پیماں باندھے جو اپنے آپ میں ہی بہت ہلکی تھی۔ بادلوں کی پہلی کڑک زمین کے سنہرے انسانوں تک پہنچی تھی۔ ہوا بھی مزید رواں ہوگئی۔

''میں تمہارے لیے سب کچھ کروں گی ہمایوں...... تمہیں اپنے پاس رکھنے کے لیے اور خوش رکھنے کے لیے بھی۔'' وہ اپنی ازدواجی زندگی کا سوچ کر خلوص سے بولی۔ ہمایوں نے بے اختیار اس کے بالوں پر لب رکھ دیے...... وہ لرز کر رہ گئی۔

''تم تک وددمت کرنا، تم میری اولین چاہت ہو۔'' بجلی چمک کر دور تک منظر روشن کردیتی تھی...... رات کی مکار بلی کی ''خیر'' کی آنکھ چندھیائی، اور شر کی کھلی رہ گئی۔

''چلتے ہیں ہمایوں، موسم کے تیور بگڑ رہے ہیں...... کوئی جاگ گیا تو......''

''پورے تین ماہ بعد شاید تمہیں دوبارہ روبرو دیکھ سکوں گا...... تمہیں جانے کی جلدی ہے۔'' ہمایوں نے اُس کی ہتھیلیوں پر اپنے جذبوں کو حدت اُتاری۔

''ہمایوں تم......'' ہمایوں نے اُس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ وہ شرم سے کسمسا کر اپنی جگہ سمٹ گئی۔ تیز سرسراتی ہوا درختوں میں سے گزرتی ہنگامہ کر رہی تھی...... کائنات خاموش ہی رہتی ہے، اس لیے کہ اُس کے اشاروں کو زباں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پیپل کے کشادہ پتے ہتھیلیاں پھیلا پھیلا کر ملنے لگے، گویا اُنہیں روکنا مقصود ہو۔

وقت، موسم یا تنہائی کا عنصر تھا، ہمایوں شرارت پر آمادہ...... اُس کے اتنے قریب ہوگیا کہ ہر منظر نظر آنا بند ہوگیا تھا۔ کڑکتے بادل میں ابلیس کی بھیانک چیخ شامل ہوئی...... اور اُوپر بنتی بجلی کی ٹیڑھی میڑھی سفید لکیر میں خاموش اُفق نے دیکھا کہ زمین کے سنہرے انسانوں میں وہ دونوں ایک ''مکروہ'' شکل کے انسان تھے......!!

☆☆☆

''مجھے شادی سے پہلے کی یہ چھپ چھپ کر ملاقاتیں کی کبھی سمجھ میں نہیں آتیں یار...... محبت سے انکار نہیں کر رہا میں، لیکن کیا ایسی لڑکیاں مذہبی و اخلاقی جرم کی مرتکب نہیں ہوتیں؟''

بساط تو شطرنج کی بچھائی گئی تھی لیکن گفتگو الگ ہی موضوع پر چل نکلی تھی...... سیٹ پر بریک کا طویل وقفہ تھا جس میں ہمایوں خوش نما کی تصویر موبائل

گیلری سے نکال کر دیکھا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ دماغ
غیر ارادی طور پر اُن کی بات پر اٹک گیا۔

"آج کل محبت بھی پانی میں گھلے برائے نام دودھ کے جیسی رہ گئی ہے......اس میں پہلے کی جیسی شفافیت کہاں رہی۔ کچھ ٹائم پاس......اور کچھ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا دل کا محرم بھی سمجھ چکی ہوتی ہیں سو......" دوسرا دوست اپنے اظہار خیال پر خود ہی ہنس پڑا، تو پہلے والا سنجیدہ ہی رہا۔

"یہی تو غلط ہے نا، شوہر اور منگیتر ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ شوہر سب کچھ ڈیزرو کرتا ہے جبکہ منگیتر سے تو تنہائی میں ملنا ہی گناہ ہے، وہ اتنا ہی نامحرم ہوا جتنا کہ کوئی بھی اجنبی انسان......"

ہمایوں سے مزید برداشت نہیں ہوا تو وہ اُٹھ گیا۔

"جو لوگ محبت کرتے ہیں ناں، اُن کے دل بہت صاف ہوتے ہیں......پھر اس سب سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ اکیلے میں ملیں یا دلوں سے اُن کے تار جڑے ہوں، پر افسوس کے کچھ لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے۔" اُسے نجانے کس بات پر تپ چڑھی تھی۔ شاید کچھ سچائی کے چھینٹے جلتے توے پر پڑے تھی کے جیسا اثر دکھاتے ہیں۔ دو بوند پانی ڈالو اور ایک شعلہ سا بھڑک جائے۔

"اُن کچھ لوگوں کو واقعی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شریعت کیا منگیتر کی محبت میں مبتلا ہونے کی اجازت دیتی ہے؟ محبت انسانی فطرت ضرور ہے ہمایوں ڈیئر، مگر لڑکیوں کو اپنی عزت پہ کوئی کمپرومائز نہیں کرنا چاہیے......جو بعد میں رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہو۔"

"آج کل یہ سب کوئی نہیں دیکھتا یار۔ تم دونوں فضول کی بحث میں نہ پڑو۔" ایک اور بندے نے گرم ہوتی محفل دیکھ کر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔ کوئی بھی شاید اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہتا۔

"وہ بندہ ضرور دیکھتا ہے جس کی ضمیر کی آنکھیں کھلی ہوں اور عقیدے کا پاس ہو، تب گناہ و ثواب کی پیچ کا نہایت باریک سا حاشیہ نظر میں آجا
ہے...... پہلے پہل یہ سب بہت خوب صورت لگ
ہے، حالانکہ دھیرے دھیرے اُن کا رشتہ اپنی کشش
وقت سے قبل کھو رہا ہوتا ہے۔" اُس نے شطرنج کے
کھیل پر اگلی چال چلی اور سکون سے اپنی بات ختم
کی۔ ہمایوں کو اپنی بے انت بے چینی کا احساس
ہونے لگا۔

"مردوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے
کیا وہ بے قصور گردانے جائیں گے؟" اُس نے
مقابلے میں مات کھاتے لڑکے طنز سے بھرپور لہجے
میں استفسار کیا۔ وہ ہنس دیا۔

"سب سے زیادہ قصوروار مرد ہی ہوتے
ہیں......لیکن میں نے کیونکہ عورت سے بات شروع
کی تھی تو اب بھی یہی کہوں گا کہ کچھ مرد اس سب
بہت لاپروائی سے لیتے ہیں، لہٰذا عورت کو احتیاط
برتنی چاہیے......اگر جو وہ اپنے والدین کے اعتبار
عزت کی پروا نہ کرے تو کیا وہ کسی اور کے لیے قابل
یقین ہو سکتی ہے؟ میرا نہیں خیال کہ پھر وہ آدمی عمر
اُس کا یقین کر سکتا ہوگا۔"

اُن کے لیے یہ محض باتیں ہوں گی مگر ہمایوں
کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی تھی۔ خوش نما
طبیعت خرابی کا سن کے وہ رات تک اپنے سین ریکا
کروا کے گھر جانے کا سوچ رہا تھا...... مگر اس وقت
تک اُس کا موڈ بگڑ چکا تھا۔ اُس کی باتوں پر اُس
خود سے سوال کیا کہ کیا وہ خوش نما پر یقین نہیں کرے
گا؟

جواب نہ منفی تھا نہ مثبت...... کہانی دوسرا م
یہیں سے لیتی ہے۔

☆☆☆

"تم اپنا خیال نہیں رکھتی ہو خوش نما......"
اُس کے لہجے میں شکوہ سا تھا۔ خوش نما اچھی ب
ہو گئی۔

"نہیں میں تمہارے خیالوں سے آزاد ہو
اپنے خیال کا سوچوں۔" ہنسی کے مدھر سُر اور ہمایو

کی آواز۔

''بہت بری بات ہے یار۔ مجھے لگتا ہے میری دلہن بننے تک تم زرد پتا بن چکی ہوگی۔''

وہ کھلکھلائی۔

''تو جناب زرد پتا بننے سے پہلے آپ حاضر ہو جائیں تاکہ یہ ڈال خشک نہ ہو۔''

''بس کام تقریباً مکمل ہی ہے۔'' ہمایوں نے پیشانی مسلی۔ ''میں جلد تمہارے سامنے ہوں گا۔''

''میں انتظار کروں گی۔'' وہ کسی قدر اُداسی سے بولی تو دوسری طرف کچھ دیر خاموشی نے کلام کیا۔

''اچھا اپنا خیال رکھنا۔''

☆☆☆

سُہانجنے کے پھیلے ہوئے درخت کی ہوا بہت ٹھنڈی تھی...... زمزمہ اور وہ سائے میں بیٹھے ہوئے بڑی بھابھی کے بچے سنبھال رہی تھیں کہ وہ اماں بی کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ چائے کے اُبال میں پکتی چھوٹی الائچی کی خوب صورت خوشبو سارے میں چکرا کر طلب جگا رہی تھی۔ اماں بی گاؤں بھر کی وہ دائی تھی جو شادی بیاہ پر بھی اپنی ساری خدمات بخوبی انجام دیتی، اور آج اُن کے گھر خبر لینے کو حاضر تھی۔

''ابھی لگتا ہے کل ہی کی بات ہو جب اپنی خوش نما کا جنم کروایا تھا اور نازک اتنی تھی کہ آئے روز شہد چٹانی پڑتی یا صحت...... اور اب اتنے بھاگوں والی نکلی کہ بہت اچھی جگہ سنگ بھی جڑ گیا...... تیاریوں کے لیے بلا لیا ہوتا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ چلا کر اور آنکھیں گھما کر کہہ رہی تھی...... عفت بتول گہرا سانس لے کر گویا ہوئیں۔

''اللہ نصیب اچھے کرے آپا...... ابھی آہستہ آہستہ سب ہو رہا ہے، انہوں نے بھی شادی میں کچھ زیادہ تاخیر نہیں کرنی، تو بس ایک دفعہ تاریخ پڑ جاتی تو پہلا بلاوا تمہیں ہی بھجواتی۔''

''میری بات کا برا مت ماننا، لیکن لڑکے کو کوئی کام وغیرہ کرنا چاہیے تھا...... ان ناچ گانوں سے کیا گزر بسر۔'' اُن کی بات پر عفت بے ساختہ ہنسنے لگیں۔

''فکر مت کریں آپا، وہ یہ سب شوقیہ کرتا ہے...... جہاں آراء بہن کہہ رہی تھیں ذمہ داری پڑی تو اپنی جاگیر ہی سنبھالے گا ناں۔'' عفت مطمئن تھیں کافی مطمئن...... اتنے میں چائے بھی حاضر ہو گئی۔ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی خوش نما کی نگاہیں خاکستری چڑیوں پر جمی تھیں، جو دیوار کی منڈیروں پر گتھم گتھا تھیں...... وہ پہلے کی نسبت زردسی نظر آ رہی تھی۔

''تم نے سسرال کا اثر ابھی سے لے لیا ہے خوش نما۔'' زمزمہ نے اُسے چھیڑا تو وہ روتی بچی کو لیتی ہوئی جھولے پر بیٹھ گئی۔

''ہاہا...... ہمایوں جیسا ہم سفر پا کر اثر تو لینا ہے ناں آپی۔'' وہ بہت آسودگی سے ہنسی تھی، زمزمہ کو بہت پیاری لگی۔

''اللہ پاک مبارک کرے، اپنا خیال بھی تو رکھو...... بہت سست نظر آنے لگی ہو۔''

''موسمی تبدیلی کا اثر ہے شاید، بخار چڑھا رہتا ہے آئے روز......'' وہ اُکتا کر بولی۔

''شاید ہمایوں دور چلا گیا ہے جب ہی......''

وہ نچلا ہونٹ دبا کر شریر ہوئی تو خوش نما سرخ پڑ گئی۔

''پہلے بھی کون سا پاس تھا آپ بھی ناں......'' جھینپی جھینپی سی وہ کترا گئی۔

''آس پاس ہونے کا احساس تو تھا ناں......''

''میں جا رہی ہوں......'' وہ گھورتی ہوئی ایک جھٹکے سے اُٹھی تو زمزمہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ لیکن...... یک دم اُٹھنے پر وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی اور گرتی چلی گئی۔

''خوش نما......'' زمزمہ کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔ عفت بتول گھبرا گئیں۔ زمین پر آنکھیں میچے وہ اتنی زرد لگ رہی تھی جیسے پیلی ہلدی ڈال دی گئی ہو۔ اُٹھنے سے قاصر......!

''ہمت پکڑو عفت کچھ نہیں ہوا...... پلنگ پر بیٹھے بیٹھے چکرا گئی ہے بچی، آسرا دو۔'' دونوں سہارا دے کر اُسے کھڑا کرتے ہوئے اندر لے آئیں۔

زمزمہ سکنجبین بنانے بھاگی...... خوش نما بہت نچڑی سی نڈھال نظر آ رہی تھی۔

"تم پانی لاؤ عفت، میں دیکھتی ہوں۔" وہ جانے کیا سوچ کر بولی۔ عفت فوراً باہر چلی گئیں، خوش نما لیٹ گئی۔ امہانی بی کی نگاہیں اُسے اپنے آر پار ہوتی محسوس ہوئیں۔

جتنے ثانیے عفت باہر رہیں اتنے سے وقت میں قیامت سی گزر گئی تھی...... زمزمہ اور عفت اندر آئیں تو خوشی کی رنگت متغیر تھی۔

"زمزمہ تم ذرا باہر جاؤ بچی۔" وہ اتنی سنجیدگی سے بولیں کہ زمزمہ متحیر سی باہر نکل گئی...... اور عفت دھڑکتے دل کے ساتھ قریب آ گئیں۔

"تجربہ ہے میرا، جھک نہیں ماری میں نے...... یہ لڑکی جی سے ہے۔" امہانی بی نے دونوں پر بجلیاں گرادیں۔

☆☆☆

کوئی غلاظت تھی یا نتھنوں میں گھستی بدبو...... سورج کی تیز کرنیں پانی پہ دو چند ہو کر ہر منظر چندھیا دیتی تھیں...... اُسے لگا وہ اُسے دیکھ نہیں پا رہی۔

جو بے یقینی، صدمے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اماں کا سامنا اسی انداز میں کر چکی تھی...... اور زمین میں گڑ گئی تھی۔

"کیا کہہ گئی ہے وہ کمیوں کی عورت......؟"

اُن کی آواز میں اتنا جلال تھا کہ ہونٹ لرز رہے تھے، ہاتھ کپکپا رہے تھے...... خوش نما کو لگا اماں ابھی ابھی اُس پر ٹوٹ پڑیں گی یا پھر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

"اماں......" وہ جھکی گردن اُٹھا نہیں سکی اور آگے کچھ بول نہیں سکی۔ ماں کے سامنے اُسے اس صورتحال کا سامنا ہوگا وہ سوچ نہیں سکتی تھی...... اُس نے دعا کی وہ زمین میں سما جائے۔ مگر ایسا ہو جاتا تو پھر اُس کی بوئی گئی کھیتی کون کاٹتا۔

"لعنت ہو تجھ پر بے حیا لڑکی...... تجھ پر تو خدا نے بھی لعنت بھیجی ہوگی جب اپنے بے لگام نفس کے ہاتھوں تم نے اُس کی حکم عدولی کی ہوگی...... ایسی غلاظت اپنے منہ پر ملنے سے پہلے تجھے اپنے تعفن زدہ وجود کا خیال نہ آیا، جس پر کمی کمین بھی تھوک کر آگے بڑھ جائیں...... دو کوڑی کی بدبخت لڑکی......"

کچھ دیر پہلے تک وہ جو خوش نصیب کہلائی جاتی تھی، اب اُس کی ماں ہی اُسے بدبخت کہہ رہی تھی۔ ششدر سی دیکھے چلی گئی۔ اُن کے لہجے میں اتنی حقارت تھی جیسے وہ ابھی اس کے خوب صورت چہرے پر تھوک دیں گی...... غصیلے تاثرات نے اُن کی شکل بگاڑی ہوئی تھی۔

"تجھے بھائیوں کا خیال نہیں آیا...... ماں کے بالوں کی سفیدی نظر نہیں آئی...... باپ کی قبر تو ایک طرف، اپنے نام پر دھبا تو نہ بنتیں۔"

"تجھے اتنی جلدی تھی تو مجھے بتاتی، ایک لحظہ نہ لگاتی تجھے دفع کرنے میں...... اللہ کے سامنے تو شرمندہ نہ ہوتی۔" اپنے ہی بال نوچتے ہوئے زمیں پر ڈھے گئیں۔ مردنی پھیلے چہرے کے ساتھ وہ دونوں ہاتھ لبوں پر رکھے سسکیاں دبائے ماں کو دیکھے گئی...... وہ اتنی بے مول ہو جائے گی، اتنی قیمتی ہو کر...... قیامت خیز ہی تھا۔

"چپ ایک آواز مت نکالنا......" عفت ایک دم جنونی ہو گئیں، اُٹھ کر جھپٹیں...... خوش نما اُن کے عزائم دیکھ کر سہم گئی۔ جوتی، ہتھڑے، مکے، گھونسے بد حواس ہو کر اُس پر برساتی چلی گئیں...... باہر ہو کا عالم طاری رہا۔ شاید بدبو بہت جلدی پھیل جاتی ہے، اور لوگ خوشبو کا تعاقب کرتے آیا کرتے ہیں...... بدبو سے تو راستہ بدل لیتے ہیں۔

پر یہ بدبو تو اور ہی طرح کی ہوتی ہے۔ لوگ راستہ ضرور بدلتے ہیں مگر غلاظت پھینک پر...... اُف ناقابلِ برداشت!

"بتا کون ہے وہ خبیث انسان...... بتا مجھے مزید میں تجھ جیسا ناپاک وجود اپنے گھر میں برداشت نہ کروں اور شاید تمہارا مکروہ چہرہ نوچ لوں...... بلوا اُسے مرن جوگے کو۔"

"اماں بس کریں......" وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑے

بطی سے بولی۔ ہمایوں کے خلاف وہ یہ سب نہیں سن
لتی تھی۔ اور عفت دیوانی ہو رہی تھیں، کپڑے
ہاڑیں، بال اُکھاڑیں...... یا اپنی جلد اُدھیڑ ڈالیں۔
بے بسی و ذلت کا احساس اُن کی شریانوں میں لاوا
ن کر دوڑ رہا تھا۔
"مت کہو مجھے اماں...... بتاؤ کون ہے وہ،
تھے ہمایوں کا بھی خیال نہ آیا...... کیا تم میری بیٹی ہو
یاہ کرتوتوں کی مالک......"
"یہ...... ہمایوں کا بچہ ہے۔" اُس نے آنکھیں
چ لیں اور اماں یوں دیکھنے لگیں جیسے جلتے انگاروں
پانی پڑ گیا ہو، اور "سو، سو" کی آواز سے راکھ بجھتی
ہا رہی ہو۔ تو جسے وہ ہیرا سمجھتی رہی تھیں...... نقب
گانے والا وہی ہے۔ ہیرا تو بیٹی کو بھی سمجھتی تھیں۔
دنوں کوئلوں کا ڈھیر نکلے۔
اور اب ہمایوں...... جس کی آنکھوں میں
ندھیرا اُتر آیا۔ اتنا تو خوش نما بھی نہیں سیاہ پڑی ہو گی
تنا کہ وہ...... دونوں تاریکیوں میں چلے تھے،
تیوں کا خیال کیسے سوچتے؟
"یہ...... میرا بچہ نہیں ہو سکتا......" ہمایوں کی خود
لامی اور بھونچکا کر دینے والا انداز......
خوش نما نے سنا تو بھوکی شیرنی کی طرح اُس پر
پٹی۔
"کیا کہا تم نے...... یہ نہیں ہے تمہارا بچہ؟"
ریبان سے پکڑ کر اتنا جھنجوڑا کہ وہ اس کی آنکھوں
کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ بٹن ٹوٹ کر ٹک ٹک
رے۔
"تم شک کرو گے اب مجھ پر......" اُس کی
نکھوں کی مرچیاں، اور لہجے کے شعلے...... وہ ماں
کے سامنے چپ رہی تھی، وہ تو شریک تھا کیسے رہ لیتی
پ؟
"خوش نما......" وہ کچھ خفت زدہ سا ہو کر پیچھے
ا۔ یہ سب اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ معلق ہی رہ گیا تھا۔
ہرے پر ہاتھ پھیر کر تاثرات مٹانے چاہے۔
"وہ مطلب نہیں تھا میرا، منہ سے اچانک نکل
گیا......" وہ گہرے سانس لیتے لیتے بولا۔ "تم پر
شک نہیں کر رہا...... لیکن یہ کیا ہو گیا اچانک......"
"اچانک تو کچھ نہیں ہوا...... نجانے کتنے ہفتے
ہو گئے، میں ہی ٹالتی رہی کہ موسمی تبدیلی وجہ ہے،
تمہارا انتظار کر رہی تھی......" دونوں رخ موڑے
پست آواز میں بولتے تھے۔ نظریں ایک دوسرے پر
ٹک نہیں پا رہی تھیں، پیوست ہوتی تھیں۔ اور کتنا
اذیت ناک تھا نا۔
"کوئی بات نہیں......" وہ لب کچلتا مڑا۔
"ہو گیا ناں تو کیا کیا جا سکتا ہے، سب صحیح ہو جائے
گا۔" ■ تیز بول رہا تھا لیکن...... خوش نما کے جلتے
بدن پر پھوار پڑ گئی۔ کیا کیا خدشے تھے مگر اُس نے
کتنی آسانی سے قیامت سہہ لی تھی۔ اب ٹال بھی
دیتا۔ وہ جی اٹھی۔
"ہاں ہمایوں سب صحیح ہو جائے گا تم بس نکاح
کی تیاریاں کر لو۔" خوش نما کا بس چلتا تو اُس پر نثار
ہو جاتی۔
"نہیں، تم ابارشن کرا لو، سب ٹھیک ہو جائے
گا۔"
خوشنما کے ہوش اڑ گئے۔
"کیا......؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" مٹھیاں
بھینچ کر وہ رونے کو ہو گئی تھی۔ "تم بس رخصتی کروا لو
میری جلد سے جلد......" خوشنما نے ہاتھ پکڑ کر سیدھی
راہ دکھائی۔
"نہیں خوش نما یہ ممکن نہیں ہے...... میں نہیں
چاہتا کسی کو پتا چل جائے۔ میرا بہنوں اور بھابیوں
والا گھر ہے میں اُن کے سامنے نظریں نہیں اُٹھا پاؤں
گا۔" وہ تصور سے ہی جھرجھری لے کر بیدار ہوا تھا۔
"تو یہ سب پہلے بھی سوچتے ناں۔" ■ ایک بار
پھر چیخی۔ "میں لڑکی ہو کر اس سب کا سامنا کر رہی
ہوں، تم تو ایک مرد ہو۔"
"خوش نما پلیز......" وہ جھنجلا سا گیا پھر شانوں
سے تھام کر بولا۔ "جذباتی مت بنو، ایک بار شادی
ہو جائے تو بچہ بھی ہو جائے گا اور دیکھنا پھر وہ سب کتنا

سندر ہوگا، تمہارا میرا بچہ...... لیکن اس طرح بہت مشکل ہو جائے گی ہم دونوں اپنی ہی نظروں میں گر جائیں گے، سمجھنے کی کوشش کرو۔" دھوپ پھر اتنی تیز ہوئی کہ ہمایوں کی شکل بگڑ گئی۔ وہ آنکھیں میچ میچ اُسے دیکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

"کیا، تمہیں یہ سب بہت آسان لگ رہا ہے؟" اُس کے حلق کو کوئی چیز بہت تیز تیز کاٹ رہی تھی۔

"غصے میں سوچو گی تو کچھ بھی آسان نہیں لگے گا، میرے مشورے پر عمل کرو۔" بضد تھا...... پہچاننے میں نہ آتا تھا۔ برے حالات میں انسان ایسے ہی ہوتے ہیں۔

"میں یہ نہیں کروں گی تو پھر......؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ سختی سے، کچھ حق جتا کر...... سرخ ڈوریاں اُن میں جگہ جگہ تیرتی تھیں۔ ہمایوں نے اُسے کمزور کرنے کے لیے لہجہ سخت کر لیا۔

"میں تم سے شادی بھی نہیں کر سکوں گا......"

بنت حوا ساکت رہ گئی۔ کہنے والے نے صحیح کہا تھا راستہ وہ کیوں چننا جو عزتِ نفس پہ بار بن جائے۔ تتلیاں دم سادھ گئیں اور پانیوں کے شور گونگے ہوئے......

وہ جھٹکے میں اُٹھی اور کسی شے کی پروا کیے بھاگتی گئی...... بھاگتی گئی۔ اُسے بروقت کچھ یاد آ گیا تھا۔

"تمہیں بیٹی بنا رہی ہوں، مجھے ساس مت سمجھنا...... بہت دفعہ ضرورت پڑے گی، آزما بھی لینا۔"

الفاظ، دعوا، آخری اُمید...... آزمائش، ظرف، آخری داؤ......!

☆☆☆

کھجوروں کے پھل اُتار لیے گئے تھے، اور جہاں آراء کے وسیع ویڑھے میں روز سکھانے کے لیے دھوپ میں بچھا دیے جاتے۔ سونے کی پانی جیسی سنہری چمکیلی دھوپ کچھ فائدہ مند بھی تھی اور کچھ گرمی سے اُکتا دینے والی بھی۔ ایک شب جم کر برستی بارش دو دن ہی موسم معتدل رکھ پاتی تھی۔

جہاں آراء کمرے میں داخل ہوئیں تو ہمایوں ابراہیم کہیں جانے کے لیے تیار...... ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔ (باقی کمروں کے دروازے دوپہر کے باعث بھیڑے جا چکے)۔

"ہمایوں تمہاری شادی کی تاریخ لینے جا رہی ہوں......" وہ مسکرا کر اُسے دیکھتے بولیں۔ ہمایوں چونک گیا۔

"اتنی کیا جلدی ہے اماں...... مجھے کچھ سوچنے تو دیں۔" وہ نظریں چرا کر کہہ رہا تھا۔ چہرہ ماں کی طرف نہیں تھا۔

"کیا سوچنا ہے؟" وہ حیرانی سی آنکھیں پھیلا کر بولیں۔ ہمایوں اُن کی طرف مڑا اور کسی قدر مسکرا کر بولا۔

"میرا ابھی دل راضی نہیں اماں...... مجھے اگلی بار آنے دیں تو......" اُس کی بات ادھوری رہ گئی۔ جہاں آراء کے چہرے سے مسکراہٹ نامی تاثر غائب ہو چکا تھا۔

"اُسے تنہا چھوڑ کر، اب کس کے پاس بھاگ رہے ہو؟" وہ سپاٹ تھیں، بالکل سپاٹ۔ ہمایوں دنگ رہ گیا۔

"کیا مطلب اماں...... آپ سے کہا کچھ کسی نے؟" انجانے خدشات کے تحت اُس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"بس اتنا کہ اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اب تم کنارہ کشی کر رہے ہو، حالانکہ ایک مرد اپنے گھٹیا فعل کا اتنا ہی ذمہ دار ہوتا ہے، جتنا کہ کوئی بھی عورت......" وہ معمول کے مطابق ایسے بول رہی تھیں جیسے کسی عام سی چیز کے بارے میں رائے دے رہی ہوں۔ ہمایوں کے حلق میں کچھ اٹکا۔

"میں ہوں تمہارے ساتھ...... تمہارے تحفظات بھی سمجھتی ہوں، تم کہو کیا چاہتے ہو؟" ہمایوں یک ٹک اُن کو دیکھتا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کیا کچھ جانتی ہیں۔ خوش نما نے اُس

کی ماں کو اپنی طرف کرنے کی غلطی کر لی تھی۔ اُسے حوصلہ ملا۔

''میں خوش نما سے...... شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' اُس کے لہجے سے ہی بے آرامی عیاں تھی۔ جیسے کوئی بوجھ اُٹھاتے تھک گیا ہو۔ جہاں آراء کچھ سوچتی رہیں۔

''ہوں......'' وہ قدم اُٹھاتے ہوئے آگے آئیں۔ ''یہ بات ہے۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھائے جیسے مائیں بیٹوں کے کالر سے کچھ جھاڑتی ہیں، لیکن نہیں۔

''وہ تو تمہیں اب خوش نما سے ہی کرنی ہوگی۔'' شعلہ برساتی آنکھیں...... اور چار انگلیوں کو گردن پر رکھے، اُنہوں نے انگوٹھا ہمایوں کی عین شہ رگ کے اُوپر جما کر رکھ دیا تھا۔ تکلیف کی لہر اُٹھی، آنکھوں میں بے یقینی بھر کر فق چہرے سے وہ ماں کو دیکھ رہا تھا، اُن کی آنکھوں میں کچھ اٹل تھا، کوئی وارننگ...... وہ عام ماں نہیں تھیں۔ خوش نما نے اپنے حق میں صحیح کیا......!!

☆☆☆

اور جیسا کہ کہتے ہیں......!

''بیٹی کا پاؤں پھسلے تو پورا گھر منہ کے بل گرتا ہے۔''

ریگ رواں سارا دن گھر میں اُڑتی، اور گھر کے فرد ایک دوسرے سے یوں منہ چھپائے پھرتے تھے مانو مجرم تو وہی ہوں...... خوش نما کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی، اور بھائیوں کی آواز اتنی مدھم ہو کر رہ گئی تھی جیسے کوئی غرور سا ٹوٹ گیا ہو۔ وہ خوش نما کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے، بیویوں کے سامنے الگ شرمندہ...... زمزمہ آئی تو خوش نما کو بہت اجنبیت سے دیکھا۔

''تم ایسی تھیں تو نہیں خوش نما، یا میں ہی تمہیں پہچاننے میں غلطی کرتی رہی۔'' خوش نما تڑپ کر دیکھا۔ جیسے شہ رگ پر پاؤں رکھ دیا گیا ہو۔

''زمزمہ میں پہلے ہی برزخ میں سلگ رہی ہوں، تم تو ملامت کے تیر مت برساؤ...... کیا میں اب خود کشی کر لوں؟''

''زندگی تمہارے لیے اب رہ ہی کیا گئی ہے...... میکے کا مان تم نے روند دیا ہے، یہ لوگ کسی طرح اپنی نظروں سے دور کرنا چاہتے ہیں تمہیں...... اور اب تو ہمایوں بھی کبھی عزت نہیں کر سکے گا تمہاری۔'' وہ اپنی پیاری بہن کی حالتِ زار پر رو دی۔ غصہ، نفرت کے بعد اب صرف ترس تھا جو خوش نما کے لیے بچا تھا۔

''خدا کے لیے یوں مت کہو، وہ محبت کرتا ہے مجھ سے......'' خوش نما نے ہاتھ جوڑ دیے۔ اس قدر ذلیل ہو کر رہ جائے گی، اُس کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔

''محبت کرتا تو توہین نہ کرتا...... اُس نے ہم سب کو رسوا کر دیا ہے، میں تو اپنے بھائیوں کے سامنے آنے سے بھی کترانے لگی ہوں کہ اُن کی نظریں برداشت نہیں ہوتیں...... سسرال کے سامنے بھرم رکھے آجاتی ہوں کہ اُنہیں کچھ کھٹکا نہ ہو۔'' وہ جدر درجہ بے اعتنائی سے خوش نما کا دل چھلنی کر رہی تھی، وہ بولی تو آواز کنویں سے برآمد ہوتی تھی۔

''وہ شادی کر رہا ہے نا مجھ سے...... کیا ہماری خطا کبھی معاف نہیں ہوگی؟''

''تمہیں وہ خوش رکھ لے یہی بہت ہے...... معافی کی فکروں میں تم مت پڑو۔'' وہ ناگواری سے پلو جھاڑتی اُٹھ گئی۔ گھر میں وادو تھیں جو اُسے کہتی کچھ نہیں تھیں، محبت بھی جتاتی تھیں لیکن دوپٹا چہرے پر ڈال کر روئے جاتی تھیں...... وہ اپنا مقام اتنی جلدی کھو بیٹھی تھی کہ اب اُس کے اندر سب کے رونے بھانبڑ جلائے رکھتے۔

ہمایوں شادی کے لیے رضا مند ہو گیا...... گھر میں کوئی بھی گرم لہر نہیں دوڑی۔ امہانی بی چپکے سے گھر آنے لگی۔ —— اور بری کے جوڑے ٹانکتے ہوئے پاٹ دار آواز صحن میں گونجتی رہتی، پھر گہرا سکوت...... خوش نما کی سہیلیاں بھی در و دیوار سے لپٹی اس

نحوست کو محسوس کیے بغیر رہ نہیں پائی تھیں۔
''نئی زندگی کی شروعات میں بس بہت بوکھلاہٹ سی سوار رہنے لگی ہے۔'' وہ ہونٹوں کو لمبا سا پھیلا کر صفائی دیتی یا تسلی...... بہر حال مہندی کی رات پہنچ گئی تھی۔
پہلی بار خوش نما نے اپنے گھر والوں کو اچھے رویے میں تمام رسمیں کرتے دیکھا، اور سکون کی ایک لہر رگ و پے میں اُتر گئی تھی۔ اُس نے کھل کر سانس لیتے ہوئے سارا تناؤ باہر نکالا اور ہلکی پھلکی ہو کر رسم سے لطف اندوز ہونے لگی۔ روایتی انداز میں ٹپے گائے گئے، اور لڑکیوں نے دائرے میں رقص کر کے دکھایا۔ ایک لڑکی کے لُچھی کرنے پر تو خوش نما کھلکھلائی بھی تھی...... ہمایوں کی بہنیں بھی ترنگ میں تھیں۔

رات کی رنگینی دیکھو کیا رنگ لائی ہے
ہاتھوں کی مہندی بھی جیسے کھلکھلائی ہے

مہندی دیوں کی روشنی میں لائی گئی تھی اور لالٹینیں روشن کر کے نقش و نگار بنائے گئے...... خوش نما کو اپنا آپ بڑا ہلکا ہوتا لگا تھا۔ مہندی سے رخصتی کے وقفے میں وہ خوشیوں کے سنہرے دور میں جی لی تھی......!

ہر خدشہ دور ہو گیا اور آنسو سوکھ گئے۔ ہمایوں کے پہلو میں بیٹھ کر وہ خود کو شہزادی لگی جس کی کہانی دادو سنایا کرتی تھیں۔ وہ جانتی تھی جہاں آراء کی نگاہوں میں اُس کی عزت شاید گھٹ گئی ہو۔ مگر اب ہمایوں کے ساتھ سب ٹھیک ہو جانا تھا۔ اُس کا ساتھ مل رہا تھا...... پھر مشکل کہاں ٹک پاتی۔
رات کا جامنی اندھیرا دلہن کے کمرے کی کھڑکی میں پہرا دیتا تھا، جب ہمایوں ہمیشہ سے زیادہ ہینڈسم دکھتا کمرے میں داخل ہوا۔ دونوں نے اس شادی میں حالات کے پیش نظر زیادہ تیاریاں نہیں کی تھیں مگر دلہناپے کا مخصوص روپ تو اس دن ہر ایک پر خوب مہربان ہوتا ہے۔ وہ خوش نما کے عین سامنے تھا۔

''اب خوش ہو تم......؟'' شاید خفا تھا۔ وہ جاں نثار سا مسکرائی۔
''اس دن کا میں نے شدت سے انتظار کیا ہے ہمایوں۔''
''انتظار تو میں نے بھی کیا ہے...... مگر یوں نہیں چاہا ہے خوش نما۔'' اُس کا لہجہ عجیب سا تھا...... کھویا کھویا، بے جان۔ ''تم نے میری بات نہیں مانی اور امی کو بیچ میں لا کر بہت غلط کیا...... اس سے یہ ظاہر ہے کہ تم نے بچے کی خبر بھی پہلے مجھ سے چھپائے رکھی، تمہیں بچہ چاہیے تھا میری خوشی نہیں۔''
مجھے بچہ نہیں تم چاہیے تھے ہمایوں، اور تم شک کر رہے ہو مجھ پر؟'' وہ روہانسی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔
''شک نہیں یقین ہے مجھے...... تم نے مجھے میری ماں کی نظروں میں ذلیل کر کے رکھ دیا خوش نما، کیا یہ تھی تمہاری محبت؟'' وہ زہر خند لہجے میں چبا چبا کر بولا تھا۔ خوش نما ساکت ہوئی۔
''کیا تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں کیسا عذاب کاٹ کر آئی ہوں؟ تمہارا فیصلہ غلط تھا، تم نے اس لیے محبت کی تھی مجھ سے کہ مجھے موت کے منہ میں ڈال دو؟'' وہ بھی پھٹ پڑی۔ اتنے دنوں کا غبار دل پر لیے لیے وہ بہت چڑچڑی ہو گئی تھی۔
''اب آگے جو ہوا وہ سب تمہاری وجہ سے ہوگا اور موت سے بدتر ہوگا...... ابھی صرف اماں جانتی ہیں، جلد ہی پورا گھر جان جائے گا اور پھر بستی...... کس کس کو منہ دکھائیں گے ہم۔''
وہ لب کاٹتا دونوں ہاتھ کی اُنگلیاں بالوں میں پھنسا کر بیٹھ گیا...... خوش نما چند پل بھری آنکھوں سے اُسے دیکھے گئی۔
''ہمارا اب جائز رشتہ جڑ چکا ہے ہمایوں۔ مجھے صرف تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے...... میں سب کچھ سنبھال لوں گی کسی کی جرأت نہیں تمہیں کچھ کہنے کی......''
''مجھے وقت دو خوش نما......'' اُس کا لہجہ ہر قسم

کے تاثر سے عاری تھی۔ سپاٹ، بے مہر۔ "بہت اچانک سب ہوگیا ہے، میرا دل قبول نہیں کر پارہا...... مجھے کچھ وقت دو کہ میں حقیقت تسلیم کرنے کے قابل ہوجاؤں۔" وہ گھڑی اُتار کر ایک سائیڈ پر پھینکتا چینج کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو خوش نما نے یکا یک اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں بہت محبت کرتی ہوں تم سے ہمایوں...... تمہارے لیے اپنا سب کچھ گنوا چکی ہوں، مجھے بے اعتنائی کی موت مت مارو۔" آنسو دلہن کا چہرہ اچھی طرح سے دھو رہے تھے۔

ہمایوں چند ثانیے کھڑا اُسے تکتا رہا۔ پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ اُن کی گرفت سے آزاد کرواتا ہوا دوسرے روم میں گھس گیا...... خوش نما اپنی ہچکیوں کا گلا گھونٹتی، اپنے نصیب کو روتی رہی جو کسی گناہ کی پاداشت میں گہری نیند سو گیا تھا۔

☆☆☆

باریک کٹی ناریل، ڈنڈیاں اُتری کشمش، پانی میں بھیگے بادام، ایک طرف رکھے چھوٹے چھوٹے گلاب جامن اور پانی میں جوش کھاتی الائچی کی پیاری سی خوشبو...... ایک طرف زردے کی پوڑیاں رکھی تھیں...... چوتھی کی رسم کے فوراً بعد خوش نما نے میٹھے میں ہاتھ ڈالا تھا۔ جہاں آراء خوش ہوتی ہوئی اُس کے پاس آئیں۔

"بیٹا۔ اتنی جلدی کیا تھی، مہوش یا ماریہ کو تو کر لیتیں ساتھ۔" وہ بجھی بجھی خوش نما کو دیکھ رہی تھیں...... گزشتہ چار دنوں میں وہ ایک بار بھی دل سے مسکراتی نظر نہیں آئی تھی۔

"مجھے آتا ہے اماں...... فکر نہیں کریں۔" وہ مختصر سا بولی۔ جہاں آراء اُس کی دل جوئی کے لیے مزید کہنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں ماشاء اللہ بہت سلیقہ مند بچی ہو...... ہمایوں کو میٹھے میں زردہ بہت پسند ہے خوشی، دیکھنا تمہارے ذائقے کی تو پھر بات ہی الگ ہوگی۔" خوشی کفگیر ہلاتے ہوئے پھیکا سا مسکرا دی۔

"جو انسان دل کو نہ بھاتا ہو، اُس کا ذائقہ پھر کیا خاک اثر کرسکتا ہے۔" اُس کی آواز سرگوشی سی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن جہاں آراء کا پورا دھیان اُسی کی طرف لگا ہوا تھا۔

"تم دونوں کے بیچ اب بھی سب کچھ ٹھیک نہیں ہوا؟"

"اتنی آسانی سے سب ٹھیک کہاں ہوتا ہے، وقت تو ہر چیز میں لگتا ہے ناں......" وہ جیسے تسلی دینے والے انداز میں جھکی نظروں کے ساتھ بولی۔

جہاں آراء کو دکھ نے گھیر لیا...... اپنی چھوٹی بہو کے لیے کیا کچھ نہیں سوچا ہوا تھا اُنہوں نے۔ لیکن کمزور لمحوں کی زد میں ہوئی ایک غلطی ساری زندگی کی ندامت میں دھکیل دیتی ہے۔

گھر کے باقی فرد اُس سے بہت خوش تھے...... وقفے وقفے سے اُس سے چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ اُس کا گریز سب لوگ نئی دلہن کی شرم گردان رہے تھے۔ شام تک زردے کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ہمایوں کے بڑے بھائی نے گھر کے بڑے ہونے کے ناطے اُس کے پہلے پکوان پر نیلا نوٹ اُس کے ہاتھ پر رکھا تو وہ جھینپ گئی تھی۔

"رکھ لو بھئی، ایسا زردہ تو زندگی میں کبھی مہوش نہیں بنا پائی...... تم نے دل نے خوش کیا۔" وہ ہنس کر بولے تو مہوش آنکھیں نکالنے لگی۔

"یا اللہ کل تک جو میرے ذائقے کے گن گائے جاتے تھے آج پارٹی ہی بدل ڈالی...... مردوں کا بھی کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔" اُس کی بات پہ بے تو جہی سے کھاتا ہمایوں لحظہ بھر کو چونکا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں بھابھی......" خوش نما نے ایک نظر ہمایوں پر ڈال کر کہا تو غیر محسوس سی خاموشی پھیلتی محسوس ہوتی تھی۔ ہمایوں نے ہاتھ کھینچ لیے...... پانی کا گلاس پکڑا۔

"آپ نے تو کچھ کہا نہیں دیور صاحب۔ ہم سے اتنا بھی کیا پردہ کہ تعریف بھی گول کر جائیں

آپ......" مہوش چھیڑنے سے باز نہیں آتی تھی۔
ہمایوں کی بات نے اُسے حیران کر دیا۔
"میں میٹھا اتنا کھاتا ہی کہاں ہوں...... ہاں بس ٹھیک ہیں۔" خوش نما کو ہتک کا شدید احساس ہوا تھا...... ہمایوں اُٹھنے کو تھا کہ جہاں آراء نے پکار کر کہا۔

"خوش نما کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے ہمایوں...... مجھے اُس کی طبیعت کچھ ناساز لگ رہی ہے کل اُسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔"
"کل تو میری شوٹنگ ہے......" وہ ہلکا سا جھنجلا کر بولا تو جہاں آراء نے ایک تیز نظر اُس پر ڈالی تھی۔

"تمہاری ذمہ داری اُس سے زیادہ اہم ہے...... میں کچھ نہیں سنوں گی۔" وہاں موجود باقی افراد نے بہت حیرت و ناسمجھی سے اُن تینوں کو دیکھا...... نئی دلہن کا لیا دیا انداز، اور دولہے کا کترانا...... محبت کی شادی تھی۔ اُن کی اُلجھن آمیز نگاہیں خوش نما پر جم کر رہ گئیں...... بہت جلد اُلجھن دور ہونے والی تھی۔

☆☆☆

زندگی بے کیف و بے مقصد ہو کر رہ گئی۔
ہمایوں اتنا بدل گیا تھا کہ اُس کی سنگت بھی اُس کے لیے اب کسی مسرت کا باعث نہیں بن پاتی تھی۔ خوش نما کو لگا تھا کہ اُن دونوں کی شادی اُن کے بیچ آئی تلخی کو بہا کر لے جائے گی...... لیکن ہمایوں نے اُسے غلط ثابت کر دیا تھا۔ کبھی وہ سوچتی کیا محبت بس اتنے عرصے کے لیے ہوتی ہے؟ اُسے تو ابھی بھی محبت بھی تھی...... ہمایوں سے...... اپنے شوہر سے، اور اپنے بچے کے باپ سے...... اور بچے کا ذکر کریں تو، شروع کے ماہ گزرنے کے بعد وہ اب بہتری کی طرف گامزن تھی...... پیٹ کا بڑھتا اُبھار اور اُس کے چہرے پر پھیلتے ممتا کے رنگ...... وہ پہلے سے بڑھ کر اتنی نکھر رہی تھی کہ جہاں آراء چپکے سے اُس کے کان میں کہتیں۔

"تمہاری کوکھ میں بیٹا لگتا ہے، بیٹے کی ماں پر اتنا روپ چڑھتا ہے کہ اللہ کی شان......"
اور اُس کی تو سمجھ سے بالاتر تھا کہ وہ اللہ کی شان پر خوش ہو کہ افسردہ...... اُسے ہمایوں سے انتہا کا پیار تھا، اور اُسی کی نسبت بچے سے بھی...... اب جب کہ جب ہمایوں کی دلچسپی اُس میں رتی برابر بھی نہیں رہی تھی تو خوش نما کو بھی بھول گیا کہ ماں بننے والی ہے...... ایک بوجھ تھا جسے وہ اُٹھائے رکھتی تھی، ذرا سا بھی شوق نہیں تھا جو وہ بیدار ہوتا پاتی۔
اور جہاں آراء بیگم......!
خوش نما اُن کے پاس گئی تو بہت ظرف دکھانے پر بھی وہ کبھی اس لڑکی کو اپنے گھر کی زینت نا بناتیں، جو پہلے ہی اپنے کردار کی ثبت مہر لیے ہوئے ہوتی...... مگر اُن پر پانی پڑ گیا کہ مجرم بھی کون؟ اُن ہی کا اپنا بیٹا...... وہ ایک زناٹے دار چھپڑ سے خوش نما کے چودہ طبق ضرور روشن کر دیتیں، اگر اُنہیں گمان گزرتا کہ اس سے بھیانک خواب چکنا چور ہو جائے گا اور وہ وقت کے اُس پڑاؤ پر کھڑی ہو جائے گی کہ جب وہ پاکیزہ تھی...... خوش نما اُن سے ایک راستہ مانگنے آئی تھی۔

"خودکشی...... یا اپنی رخصتی؟"
گناہ دونوں نے مل کر کیا تھا کہ تو اس کا بوجھ بھی دونوں مل کر اُٹھاتے...... ورنہ ساری زندگی دونوں کو احساس ہی نہ ہو پاتا کہ وہ کیا کر گزرے ہیں۔

اور خوش نما اُسے بھی کون سا احساس تھا کہ خودکشی...... یا رخصتی میں زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ پہلی چیز کرتی تو حرام موت تھی...... دوسری چیز ہوئی تو زندگی حرام ہو گئی......!
غلط قدم بہت آسانی سی پڑ جاتا ہے...... چیزیں صحیح ہونے میں عمریں بیت جاتی ہیں۔ ہمایوں کا تو شاید دل ہی بدل گیا تھا، رشک کریں کہ کیسی محبت تھی اُس کی۔
اگلے دن وہ شہر کی مشہور گائناکولوجسٹ کے پاس

آ گئی...... ہمایوں اور کہیں نہ کہیں اُس کی بھی تمام اُمیدوں پر پانی پھیرتے ہوتے وہ گوئی ہوئی۔

"آپ کا بچہ ماشاء اللہ صحت مند ہے، اور پریگنینسی کی معیاد کے مطابق گروتھ بھی بہت اچھی ہورہی ہے...... آپ صرف اپنا خیال رکھیں اور متوازن غذا لیتی رہیں۔"

چند دوسری ہدایت غیر دلچسپی سے سننے کے بعد وہ دونوں اُٹھ آئے...... واپسی کے سفر میں خوش نما نے اُس کٹھور انسان کی طرف بہت نرم نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم کب تک یہ رویہ اپنائے رکھو گے ہمایوں؟ تمہاری بے رخی اندر ہی اندر مجھے کاٹ رہی ہے۔"

"کیوں...... تمہیں میرا نام چاہیے تھا، اب کیا مسئلہ ہے؟"

"مجھے تمہاری محبت چاہیے تھی ہمایوں...... میں بیوی ہوں تمہاری، تم اب اجنبی کیوں ہو گئے ہو...... وہ سارے خواب تم کہاں توڑ آئے جو مجھے دکھائے تھے۔" وہ احتجاجاً چٹختے ہوئے کانچ کی طرح بولی تھی...... ہمایوں لب بھینچے سنتا رہا۔

"پلیز، خوش نما۔ مجھے جھگڑالو عورتیں بالکل پسند نہیں ہیں...... اس سب کی ذمہ دار تم خود ہو۔ میں تمہیں کچھ اور ہی سمجھا تھا لیکن تمہیں اگر مجھ سے محبت ہوتی تو میری بات مانتیں...... جو چل رہا ہے اُسے چلنے دو اور مجھے سمجھنے دو کہ آنے والا وقت مجھ پر کس قدر گھیرا تنگ کرتا ہے۔"

"ہمایوں ہمارے رشتے کو نجانے کس کی نظر لگ گئی۔" وہ سر جھکائے آنکھوں بہانے لگی۔ ہمایوں پراسرار سے لہجے میں بولا۔

"اس سب کی وجہ یہ "بچہ" ہے۔" اُس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا مگر خوش نما کی بھیگی آنکھیں اُس کے پتھریلے چہرے پر ٹھہری رہیں...... اُسے بس اپنی پروا تھی۔ خوش نما کی عزت تو جیسے کوئی تھی ہی نہیں...... اُسے اپنی کوکھ میں پھوٹتی کونپل سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔ جو اُس کی محبت کے گرد سیسہ پلائی دیوار کی مانند ثابت ہو رہا تھا۔

انسان ایک غلطی کرتا ہے...... اور پھر اُس کے پچھتاوے میں ہزار اور غلطیاں...... وہ پہلے بے وقوف تھی، اور اب بھی......

اُن کی محبت کا ماضی بے داغ ہوتا...... تو رشتہ بھی شفاف رہتا۔ اتنی سی بات تھی...... اور گھومتی ہی جاتی تھی۔

☆☆☆

ہر ایک شکل کالی اماوس ہو جاتی تھی جب خوش نما کے جسم پر نظر جاتی۔

خوش نما نے نکاح کی اُوٹ میں چھپنے کا اچھا سوچا تھا مگر دیکھنے والے بھی تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں...... آنکھوں ہی آنکھوں میں بھانپ لیتی تھیں عورتیں۔ خوش نما کا دل کرتا تھا وہاں سے بھاگ جائے اور کہیں ایسی جگہ چلی جائے جہاں کسی انسان کی بو اُس تک نہ پہنچ سکے...... ہمایوں کٹھن وقت میں اُسے چھوڑ کر جا چکا تھا، اور پیچھے ہوتیں چہ مگوئیاں...... ! جلدی کی شادی...... سرد رویے...... میکے والوں کے بے رنگ منہ، اور وہ وہ باتیں نکلیں کہ جو سرے سے وجود نہ رکھتی تھیں۔

جہاں آراء اُس کا دل بہلانے کی کوشش کرتیں، مہوش تو بس خالی خالی نظروں سے دیکھتی تھی...... جیسے کچھ پتا تو چلے اُسے بھی، بہنیں الگ شرم سے عرق عرق ہوئیں کہ واپس پلٹ کر سسرال سے نہ آئیں۔

وہ ماں کے گھر آئی ...... دادو درختوں پر پرندوں کے لیے لٹکتے آب خوروں میں پانی ڈال رہی تھیں۔

"خوشی گھر آ جایا کرو، ہمایوں تو گھر نہیں ہوتا ہوگا...... پھر بھی بہت مصروف رہتی ہو۔" دادو سرسوں کا تیل لے کر محبت میں اُس کے بالوں کی جڑوں میں لگانے لگیں۔ حمل کی وجہ سے اُس کے بال اُترنے لگے تھے، کمزور ہو گئے تھے۔

"وہ گھر میں ہو پھر بھی فرق نہیں پڑتا دادو......"

وہ خلاؤں میں کہیں دور بھٹکتی روح کی طرح اُڑتی پائی جاتی۔ اور بھٹکتی روح...... آہ اچھی مثال یاد آئی کہ اُس کی بے سکونی، اذیت اور اس سب سے چھٹکارا سب ہی بھٹکتی روحوں والا ہی قصہ تھا......

''خوش نہیں ہو ہمایوں کے ساتھ......؟''

عفت بتول نے بڑی ہمت سے پوچھا...... بیٹی کا ٹوٹا بھرم دیکھنے کا حوصلہ ان میں کہیں سے نہیں تھا۔

''بہت خوش ہوں...... مطلب تھا کہ کوئی روک ٹوک تھوڑی کرتا ہے وہ۔'' وہ سکون سے بولی۔ پھر دادو کو سر اوپر کر کے دیکھا۔

''دادو وہ کہانی سنائیں ناں...... جس میں شہزادی کو بادشاہ محبت سے روکنے کے لیے پہیلی دیا کرتا ہے۔''

دادو کا من بھر آیا تھا...... اُن کی نازک سی پھولوں جیسی بچی کیسے آہ کی طرح بولتی تھی۔

''لو اب تم بچی ہو یا میرے بوڑھے ذہن کا امتحان لینا چاہتی ہو۔'' وہ اپنے بغیر دانتوں والے پوپلے منہ سے ہنستی کم تھیں اور جسم زیادہ ہلتا تھا۔ خوش نما کے چہرے پر سوگوار مسکان بکھر گئی۔

''اطلاع بھجوا دینا خوش نما، آکر تمہیں لے جاؤ گی دو ہفتے پہلے......'' عفت نے اُسے مخاطب کر کے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔ اُن کا رویہ اب سپاٹ سا رہتا تھا...... کچھ کہتی نہیں تھیں، آجاتی تو رسمی سا مل لیتیں...... اُس کی حالت سے واقف تھیں، کڑھتی بھی تھیں تو کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں...... ہاہ خوش نما!

''آپ کو تکلیف نہیں دوں گی...... میری ساس پورا خیال رکھتی ہیں۔'' وہ بال لپیٹتی اُٹھ کھڑی ہوئی...... اتنی سی دیر کو آئی تھی۔

''پہلے بچے کی دفعہ رواج ہوتا ہے...... خود کو اتنا اکیلا مت کرو۔'' انہوں نے جانے کیسے کہہ دیا۔ خوش نما خاموشی سے نکل گئی...... اور پھر تاک میں رہنے والوں کے لیے...... کچھ پریشان، کچھ چٹخارا لینے والے...... اور کچھ ہمدردوں کے لیے بھی۔ تھوڑے سے عرصے میں سچائی فاش ہو گئی۔ بدنامی کے پکے رنگ اہتمامی تھالوں میں پرداختہ کر کے اُس خاندان پر اُچھال دیے گئے تھے۔

شادی کی چھٹے مہینے...... ہمایوں کی غیر موجودگی میں وہ موت کو ہاتھ لگا کر واپس آئی۔

☆☆☆

کہر میں ڈوبی رات پر ہر طرف دھند کی گہری تہ ہوتی ......اور جاڑے کی صبح گلابی دھوپ دھمال ڈالتی۔

ایسی ایک گلابی صبح اُس گھر میں نعمت نازل ہوئی اور ایسی ہوئی کہ منہ سے ''ماشاءاللہ'' نکلتا تھا۔ امہانی بی پھولے نہ سماتی تھی کہ شکر وتریاں، اور قدر و منزلت سے اس کی نیت بھرنے والی تھی۔ جو بھی ہو، اِس سب میں اس کا بھی تو اہم کردار رہا ہے......

شادی سے پہلے سے لے کر اب بچے کی پیدائش کرنے تک وہ ہی تو پیش رہی تھی...... بروقت اس کا تجربہ کام نہ آتا تو بھلا ممکن تھا کہ سوکھا کانٹا لڑکی میں اتنی ہمت جاگتی...... اور وہاں کے لوگ بے دید تو بھی نہیں رہے تھے۔ کہ اُسے پھیکے منہ واپس لوٹا دیتے۔

اُس گھر پر اُتری اماوس اِس جلوا افروز نعمت سے شق ہو جانے والی تھی۔ بالآخر...... اور امہانی بی اِن میں شریک تھی۔ برابر شریک تھی۔

نئے سنہری پلنگ پر بچھی سرخ رنگ سے بنی نقش و نگار والی چادر کے اُوپر وہ دودھ میں کھلی گلابیت جیسا وجود لیٹا تھا۔ آنکھیں بند...... مخملی وجود...... مانو چھونے سے میلا ہوگا...... چہرے پر فرشتوں سی معصومیت...... روئی جیسے گال اور نازک بدن......! وہ بے خبر تھا اور سونے میں مگن تھا۔

اور وہ...... اِسے جنم دینے والی ماں جس نے کبھی چاند گرہن کا لحاظ نہیں کیا تھا...... وہ رات کہ بوڑھیاں جب کہتیں حاملہ عورت کے لیے محتاط لمحے ہیں، وہ اللہ سے دعا کرے، اور کوئی کام نہ کرے اندر رہے تاکہ بچے پر کوئی برا اثر نہ پڑے...... یہ کمزور عقیدہ تھا یا اُس کی بلا سے اکھان (من گھڑت باتیں) وہ رکھتی تھی جوتے کی نوک پر...... دودھ وہ

حلق سے نہ اُتار سکتی تھی۔ دہی کی ملائی اس کا جی متلا اتی تھی۔ اور تو اور اس کے تو "حاملہ عورت" والے چونچلے بھی نہ رہے تھے۔ اس پر ایسی اولاد کہ...... اللہ کی شان......!!

چیزیں جیسے پسِ پشت چلی گئیں، چھپ گئیں...... اِس لیے کہ دیکھنے والوں کے قلب احساسِ محبت میں مبتلا مارے گھبراہٹ کے ڈوب جاتے تھے۔ پہلے پہل جو تماشا اُٹھا تھا اب تو وہ بھی یوں تھا کہ...... اللہ کی ایسی نعمت ہے مجال کہ کوئی لب ہل بھی جائے...... اور پھر ایک دم پلنگ پر سفید لباس میں لپٹے وجود پر سرمئی لمبی سی پرچھائی چھا گئی۔ یہ پرچھائی اس کی ماں کی تھی۔ وہ وجود جس کے بطن سے اُس نے جنم لیا تھا۔ سوچ والے جو پوچھیں بچہ ایسا...... تو بی بی کیسی ہوگی؟ تو کہا جائے کہ ہمایوں اور خوش نما میں وہ دونوں سے اپنی شکل چرا لیا تھا...... اُن دونوں سے بڑھ کر، اور بالکل الگ......!

بی بی کے خشک ہونٹوں پر ممتا کی سی مسکان چٹک گئی۔ کہاں قلب مبتلائے محبت ہوتے تھے اور وہ تو ماں تھی...... جس کی سماعتیں قلقاریوں سے چہک اُٹھنے والی تھیں...... دو ننھے بازو اس کی چاہ میں لپکنے والے تھے...... اُن جانے سے احساس ہمکنے والے تھے۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں کھنچی چلی گئی۔ دو بازو، واہو کر کسی کا حصار بنے تو مانو کوئی کونا بھی تو خالی نہ رہا...... اُس کے ہونٹوں نے ننھے ہاتھوں کا بوسہ لیا تو ذات فنا ہوئی...... بے حواس۔

عین اسی لمحے دہلیز پر ایک اور پرچھائی نمودار ہوئی۔ اُس نے نظریں اُٹھائیں اور جانے کس کے کرم سے بہت عرصے پہلے کا سا مسکرائی۔ ہمایوں دہلیز میں کھڑا اُس کا والہانہ انداز دیکھ رہا تھا۔ خوش نما پکار اُٹھی۔

"ہمارا بچہ...... یہ کوئی شہزادہ ہے۔" وہ اُس کی سمت دیکھتے دیکھتے مسکرائی گئی۔ دو قدم فاصلہ پاٹ کر ہمیشہ کی طرح اس کے قریب آئے...... وہ بچے کو دیکھے گیا۔

"دیکھو یہ تم پر گیا ہے...... ہاں یہ تمہیں بھی پیچھے چھوڑ دے گا، پھر بھی تم پر گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" ہمایوں کی آنکھوں میں ایک تاثر ٹھہرا تھا۔

"اِس کی ناک تمہاری طرح کھڑی ہوگی...... اور ہونٹوں کی تراش اور بال......"

"جھوٹ مت بولو...... اس کے بال تمہارے جیسے ہیں۔" اُس نے زور دے کر کہا۔ خوش نما جیسے ہمایوں کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ اور اُسے نجانے کس بات پر غصہ چڑھنے لگا تھا۔

"ہاہاہا...... یہ پہلے کے بال تو کٹوائے جاتے ہیں، جو نئے ہوں گے وہ...... اور خوابیدہ آنکھیں۔"

"چپ ہو جاؤ پلیز......" اُس کے لہجے میں کاٹ اُتری۔ اُس نے بات اتنی عجلت میں ادا کی تھی کہ خوش نما کے بدن میں پھریری دوڑ گئی۔ "تم مت بھولو کہ یہ ایک ناجائز بچہ ہے...... وہ ناجائز بچہ جو وقت سے پہلے ہی اس دنیا میں آ گیا، اور میری ساری عزت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔" اُس نے ان آنکھوں کے تاثر پر اب غور کیا تھا۔ بچے پر گرفت ڈھیلی پڑی...... سانس تک ساکت ہوگئی۔

"تمہارا ہمیشہ سے یہی ارادہ تھا تم نے شاید چاہا ہی بچہ تھا مجھ سے...... لوگ جو میری بہت عزت کرتے تھے اعتماد کرتے تھے مجھ پر وہ اب اپنے گھر آنے کی دعوت بھی نہیں دیتے کہ میں اپنی بدفطرتی سے اُن کی بچیوں کو شاید نظر سے نگل جاؤں اور تم ہو کہ......" وہ بری طرح ہانپتا کف اُڑا رہا تھا۔ تو اماوس شق کہاں ہوئی تھی؟ وہ تو خوش نما کے چہرے پر برس آئی تھی۔

"ہما...... یوں۔" لٹھے کی مانند سفید پڑتی خوش نما نے سراسیمگی سے اُسے دیکھا۔ "یہ اب ہمارا خون ہے، اب کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا اس کے بارے میں ایسا مت کہو......"

"شٹ اپ...... یہ میرا خون نہیں ہے، یہ گندا خون......" وہ وحشی سا کچھ کہتا چپ ہوا اور باہر نکلتا

چلا گیا..... خوش نما اپنی بربادی پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔
اُسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ ہمایوں کو اُس سے شاید محبت تھی ہی نہیں..... وہ شاید اُس کی وقتی بھوک تھی تو اب ختم ہو چلی تھی۔
انسان کبھی نہیں سوچتے کہ اُن کے اتنے کاری بولوں پر قدرت کیسے فیصلے لے لیتی ہوگی.....! اور وہ امہانی بی (دائی) کی نیت اگر بھر جاتی تو پہچانتی..... وہ لوگ واقعی بے دید نہیں تھے۔ ہرگز نہیں تھے۔ وہ لوگ بہت بڑے ''ناشکرے'' تھے۔
خدا سے دور..... گناہوں کا ادراک ہی نہ رکھنے والے.....!!

☆☆☆

دیمک کھاتے قدیم چرچ کے سب سے اُونچے چبوترے پر رکھی پاکیزہ مورتی ہو گئی تھی خوش نما ..... جسے لوگوں نے گردن بہت اُونچی کرنے کی زحمت سے دیکھنا چھوڑ دیا تھا.....!
ہمایوں کو اپنی ناک کی پروا تھی، خوش نما تو تھی ہی جیسے بے ناک..... شادی کی مختصر مدت میں جو آثار سامنے آئے، ہر آنکھ کراہیت سے بھر آئی تھی۔
ایک دفعہ اُس کا صفی اور بانو سے سامنا ہوا اور..... یہ دونوں جو اُس کی بہترین سہیلیاں تھیں۔
''میرے گھر آؤ نا تم دونوں..... شادی میری ہوئی مصروف تم لوگ ہو۔'' وہ اپنے لہجے میں پرانی اپنائیت سمونے لگی..... وہ دونوں تذبذب کا شکار۔ انگلیاں چٹخاتیں.....
''خوش نما جلدی میں ہیں..... آئیں گے کبھی۔''
''ارے ابھی کیوں نہیں..... چند گھڑیاں ہی بتالو۔'' وہ کچھ حیران ہوئی، دونوں بہت مشکل میں آ گئیں۔
''ابھی کسی نے دیکھ لیا تو..... میری اماں تو ویسے بھی بہت غصے کی تیز ہیں۔'' بانو نے جان چھڑاتے ہوئے جانے کے پر تولے۔ خوش نما کو اب کے پریشانی نے گھیر لیا تھا۔
''سب ٹھیک تو ہے نا..... یہاں کوئی اور تو نہیں ہے؟''
''یہی تو وجہ ہے خوشی..... ہمیں تم سے ملنے کی اجازت نہیں ہے، دل برا مت کرنا مگر اماں ناراض ہوتی ہیں کہ تمہارے ساتھ دوستانہ گانٹھ کے کہیں ہم بھی..... بس یہ مائیں بھی ناں۔''
وہ کچھ شرمندہ ہوئے بے دردی سے آگے بڑھ گئیں..... خوش نما پر کھولتا ہوا تیل آ پڑا تھا۔ وہ آنکھوں کی دھند کے پار اپنی ذات کو دیکھتی رہی جس کے گرد مکڑی نے ایسا جال بن دیا تھا کہ پیچھے وہ تعفن زدہ ہو گئی تھی..... کچھ گناہ بہت سنگین ہوتے ہیں، زمانہ کبھی معاف نہیں کرتا..... اُس کی تو زندگی ہی تو نرک بن گئی تھی، اور ہمایوں تھا کہ.....
پیازی رنگت والی صبح بیت کر گلابی دھوپ میں مدغم ہو رہی تھی..... سردیاں منہ زور تھیں، سورج سرد پڑ کر بالکل بے معنی لگتا تھا..... ساتویں دن بچے کا نام رکھا گیا۔
''یوسف ہمایوں.....''
خوش نما کا ایک پل کو دل ڈول گیا تھا..... جتنا مخملی وجود تھا اُتنا خوب صورت نام..... جہاں آراء نے مٹھائی بانٹ بانٹ کے نام ایک ایک کو بتایا تھا، قصہ پارینہ ہونے لگا..... جن آنکھوں میں استہزائیہ ہنسی ہلکورے لیتی تھی وہ بھی بچے کی پیدائش اور ''یوسف'' کے نام کی مٹھائی کھانے آئے اور مٹھی میں سرخ ہرے نوٹ دباتے گئے۔ جہاں آراء بہت خوش تھیں۔
''میرے بہو بیٹے نے اتنا پیارا کھلونا مجھے تحفہ میں دے دیا، عقیقہ پر دیگوں پہ دیگیں چڑھواؤں گی.....'' وہ ہر آتے جاتے کو بہت فخر سے کہتی تھیں جیسے کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا..... ہمایوں نے کام پر جانا چھوڑ دیا تھا، لوگ چھیڑتے تھے..... بھائی کے درمیان سرد سے تعلقات تھے..... اور بیوی کے ساتھ۔ وہ پھر بھی بہت خوش تھیں۔
دھوپ نکلنے پر وہ آٹے کی ٹکیوں پر دیسی گھی لگا

لگا کر ننھے یوسف کے جسم پر مالش کیے جاتی تھیں اور اُس کے حلق پھاڑ کے چیخنے پر نہال ہوتے ہنسے جاتیں.....خوش نما کے دل سے اُس کا گلاب سا بچہ بہت آسانی سے اُتر گیا تھا.....اُس کے رونے پر وہ نظریں چرانے لگتی۔ دودھ پلانا ہوتا تو ایک بوجھ سا اُٹھا ہی لیتی تھی.....!

''ہمایوں۔ بیٹے کے پاس بیٹھا کرو.....گھر ہی ہوتے ہو تو تمہارا دل نہیں مچلتا۔'' جہاں آراء نے بہت افسوس سے ایک روز ہمایوں کو روکا۔

''گھر میں اسی کی وجہ سے ہوتا ہوں، باہر جب لوگ، سیٹ پر سب محظوظ نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو برداشت نہیں ہوتا مجھ سے.....اس سب میں آپ بھی برابر کی شریک ہیں۔'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے ماں سے مخاطب ہوا تھا.....جہاں آراء کو بڑا ناگوار گزرا۔

''ناشکرے پن کی حد ختم ہے ہمایوں.....تم نے اپنی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے، بچے نہیں تھے تم۔'' وہ ضبط کے کڑوے گھونٹ بھرتا ہوا ہٹ گیا۔ خوش نما سے بھی ایک عجیب طرح کا کھنچاؤ تھا جو اُن کے درمیان حائل دیوار گرنے نہ دیتا تھا.....خلا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

اسی شام نیلی مدھم روشنی میں خوش نما اپنے کمرے کی دہلیز پر بیٹھی تھی، جب اُس کا دیور بگڑے تیوروں کے ساتھ گالیاں بکتا گھر داخل ہوا۔ مہوش اُسے سنبھالنے گئی تو مزید غصے میں اُس نے کسی زمین پر ماری۔

''ہر کام میرے ذمے ہے، خود جو صاحب زادے آج تک گل کھلاتے آئے ہیں آگے بھی وہی کریں گے.....اتنا نہیں ہوتا کہ مدد کے نام پر گھڑی بھر آرام ہی پہنچا دیں.....اور چارپائیاں تڑوا لو، فارغ مخلوق اور حیوانی حرکات.....'' وہ کسی سے جھگڑا کر کے آئے تھے لیکن کہیں کا غصہ کہاں اُترا.....خوش نما سن پڑ گئی۔ پھر اچانک کچھ ہوا.....ہمایوں کو کہیں سے آتا دیکھا۔ پھر وہ نیچے جھکا اور کسی (پنسالوں کی بند کاٹ کر پانی کا راستہ بنانے والی) اُٹھاتے دکھا.....خوش نما کی سانس تک رُک گئی۔ وہ خوشبوؤں میں بھیگا ہوا، جسے صرف لاڈ ہی آتے تھے..... کندھے پر اناڑی انداز میں کسی ٹکائے لب بھینچے باہر جانے لگا.....خوش نما کا دل چاہا بھاگ کر اُس سے لپٹ جائے، منہ پر زور سے ہاتھ جمائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ہمایوں کی محبت خوش نما کو.....اور خوش نما کی محبت ہمایوں کو بری طرح سے چاٹ رہی تھی۔

☆☆☆

سنہری دھوپ، بہت دنوں بعد سخت ہوئی تو وہ نہا دھو کر نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ سردیاں اُسے بہت پسند رہی تھیں۔ تڑکے کی آسمان سے برستی تہ در تہ دھند، جو زمین سے ٹکرا کر بے وجود ہو جاتی پھر بھی ان سفید پردوں کا خاتمہ نہیں ہوتا تھا.....پچھلی رات کی پھوار سے بھیگی پگڈنڈیاں.....فضاؤں میں ٹھنڈی تازگی کا احساس، اور گرم راتوں میں جلتی انگیٹھیاں.....کھڑکی سے چاند کی تابانی میں کہر کو تکتے چائے کی چسکیوں میں آدھی دنیا کا لطف تو بس یہ ہی تھا۔

چاکلیٹی کلر کا گداز سا سوئیٹر پہنے اُس کے گیلے بال اُس کی پشت پر بہت نیچے تک جاتے تھے..... یوسف کو سلا کر وہ جہاں آراء کے سپرد کر آئی تھی، آج اُس کے دل میں خوش گمانیوں کی جگہ خواہ مخواہ ہی پیدا ہو رہی تھی.....یوسف کی بدولت خدا نے اُسے کتنے عظیم رتبے پر فائز کیا تھا۔ یہ بھی اُس نے آج یوسف کے ملائم گال چھونے پر اچانک سوچا تھا۔

اس سے کچھ فاصلے پر ہمایوں گندم کا بیج ہل چلی زمین میں ڈال کر لوٹ رہا تھا کہ گلی میں سفید مسجد کے پاس اُس نے دو تین آدمیوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا.....

''میں تمہیں آخری دفعہ وارن کر رہا ہوں کہ میری بہن سے دور رہنا.....ورنہ جو لاٹھی تم اُٹھائے پھرتے ہو اسی سے تمہارا بھرکس نکال دوں گا۔'' وہ

ہمایوں کا دوست تھا جو مرنے مارنے پر اُترا ہوا تھا اور دوسرا......

''اپنی مردانگی اپنے تک رکھو، تمہاری بہن کو گھر سے نہیں بلا لاتا میں......'' وہ زلفی تھا......ایک مکار و عیار چہرا والا...... جسے انسانوں کی دنیا میں صرف اپنی بھیڑوں سے محبت تھی......

گلی سے خوش نما نے ریڑھی پر پھل بیچتے پھیری والے کی آواز سنی تو تندور کے چبوترے پر چڑھ کر اُسے پکارنے لگی......

''چچا۔ تمہارے پاس میٹھے کینو ہیں، دیکھو پیسوں کے چکر میں دھوکے سے ترش مالٹے مت دے دینا۔'' وہ اس کے ابا کی عمر کا ان کے لڑکپن سے یہی کام کر رہا تھا۔ اسی لیے وہ بلا جھجک بولی تھی...... بدن پر کئی چیزیں لپیٹے وہ ریڑھی روک کر اُسے دیکھنے لگا۔

''دھوکے بازی ہمارے کاروبار میں کبھی شامل نہیں ہوئی بٹیا ......ابھی کاٹ کے تسلی کروا دیتا ہوں۔'' وہ خوش اخلاقی سے کہتا ہوا ایک کینو اُٹھا کر چھری درمیان سے چلانے لگا......خوش نما کی نظریں اُس کے کالے نمک پر جمی تھیں، منہ میں پانی بھر آیا۔

''اوہو، دیکھا چچا......'' خوش نما نے کینو کو دیکھ کر فوراً منہ بنالیا۔ کاٹنے پر اندر سے وہ سیاہ سا ہوتا خراب ہو رہا تھا......پھیری والا اس کے ناک چڑھانے پر ہنس دیا۔

''خفا کیوں ہوتی ہو بٹیا، قدرت کی بناوٹ...... باہر شکل سے صاف خوب صورت نظر آنے والے اندر سے گلے سڑے و بدبودار ہو جاتے ہیں۔'' وہ آدمی کینو پر افسوس کرتا دوسرا اُٹھانے لگا جبکہ خوش نما اُس کی سچائی پر متاثر ہو کر رہ گئی تھی۔

''بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے چچا، پتا ہی نہیں چلتا......'' اُس کے چہرے پر زخمی مسکان دھوپ میں چمک اُٹھی۔ وہ گردن گھما کے مغربی سمت دیکھ رہی تھی تو ہمایوں صاف نظر آ رہا تھا۔

''کیا ہوا بھائی۔ کیوں بچوں کی طرح لڑ رہے ہو، سب خیریت ہے؟'' ہمایوں نے اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دریافت کیا، اُس کی آنکھوں میں خون اُترا تھا۔

''یہ کمینہ انسان اپنی فطرت دکھانے سے باز نہیں آ رہا ہے......میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ میری بہن کے راستے میں اب آئے تو حرام موت میرے ہاتھوں مروگے......''

''چوڑیاں زلفی کے ہاتھوں میں بھی نہیں چھنکتیں، اتنی عزت ہوتی تو میرے سامنے آنے کے بجائے غیرت دکھاتے......اپنے خون پر زور نہیں، رعب چلے ہیں مجھ پر جھاڑنے۔'' وہ بھی کم نہیں تھا...... اُس کی بھدی سی ناک پھولنے پچکنے لگی تھی، ہمایوں نے بیچ میں آتے ہوئے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''تمیز سے بات کرو زلفی، جانوروں والی زبان انسانوں کے ساتھ مت بولا کرو......'' وہ پلٹ کر دوسرے لڑکے کو ٹھنڈا کرنے لگا......مگر زُلفی کی اگلی بات نے گویا ہمایوں پر تیزاب انڈیل دیا تھا......وہ ایک چہرا والا، ان سب سے کم تر......

''تم اپنا منہ بند رکھو نواب زادے اور گھر جا کر بیوی کو سنبھالو......کہیں ایسا نہ ہو بچی کھچی عزت بھی بھٹی میں پڑ جائے۔''

ہمایوں پورا کا پورا گھوم گیا...... زلزلہ خیز تاثرات کے ساتھ اُس نے ذرا کا ذرا مڑ کر اُس کی طنزیہ ہنسی کے تعاقب میں دیکھا......ایک بوڑھا کینو خوش نما کی طرف بڑھا رہا تھا اور وہ مسکراتی ہوئی دیوار پر لینے کو جھکی تھی......زلفی کا تو تفصیلی قصہ کسی اور مقام کسی اور وقت کے لیے ہے......اس وقت ہمایوں خطرناک عزائم کے ساتھ ایک ہی جست میں اُس کے گریبان میں ہاتھ ڈال چکا تھا۔

''میری بیوی کا ذکر بھی کیسے کیا تم نے...... تمہاری اتنی اوقات......'' بغیر حواسوں کے وہ اُس کے چہرے پر پے در پے گھونسوں کی بارش کرتا گیا، جس کے ناک سے خون کی پتلی سی لکیر ظاہر ہو گئی تھی......زمین پر گرا وہ بلبلانے لگا۔

خوش نما کینو پکڑے تندور سے اُتری...... صحن وہ عبور نہیں کر پائی تھی کہ پھٹے کف کے ساتھ آندھی طوفان کی طرح ہمایوں اندر داخل ہوا...... حیرانی میں وہ کچھ سمجھ پائی ہمایوں اتنی تیزی سے اُسے جکڑے اندر گھسیٹ کر لایا کہ کینو وہیں صحن میں گیندوں کی طرح بکھرے اپنی اپنی سمت میں سفر کر گئے۔ ہمایوں نے جنونی انداز میں بیڈ پر پٹخ کر دروازے کی چٹخنی چڑھائی تو مارے خوف کے خوش نما کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''کک...... کیا بات ہے...... ہمایوں۔''

''چٹاخ......'' ہمایوں کا لوہے کی مانند تپتا ہاتھ خوش نما کے سرد گال کو دہکا گیا...... وہ گال پر ہاتھ رکھے گنگ سی اُسے دیکھتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ دکھ...... ناراضی......!

''کیا کر رہی تھیں تم وہاں...... دیوار سے جھانک کر ہنس ہنس کر کسی غیر آدمی کے ساتھ بات کرنا، کتنا ذلیل کرو گی تم مجھے۔'' وہ آنکھوں میں انگارے بھرے اُسے بھسم کر دینا چاہتا تھا۔

خوش نما کو اپنی ہستی پاش پاش ہو کر بکھرتی نظر آئی...... اُس کی زندگی کا ایک قدم اُسے کتنا ہلکا کر کے دکھا رہا تھا سب کی نظروں میں...... پھر اُس کے شوہر کی نظروں میں۔

''تم...... تم بدکردار کہہ رہے ہو مجھے...... ہمایوں تم؟'' مارے شاک کے وہ بول نہیں پائی تھی۔ اس کی ذات کی دھجیاں اُڑ گئی تھیں...... ہمایوں کی آنکھوں میں وہ شکوک وشبہات۔

''میرے سمجھنے تک تو جاؤ ہی مت خوش نما، صرف یہ دیکھو کہ تم خود کیا کر کے دکھا رہی ہو...... تم میں کچھ حیا باقی ہے یا میرا ذلت سے ہمیشہ سر جھکائے رکھنے کا عزم کر رکھا ہے تم نے...... تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمہارا شوہر اگر سرد مہری سے پیش آتا ہے تو تم......'' وہ ایک پل کو لب بھینچ کر خاموش ہوا تو خوش نما جھٹکے سے بیڈ سے اُٹھی۔ اُس کا سرد ترین لہجہ ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑا رہا تھا۔

''کیا تم ہاں...... بولو، چپ کیوں ہو گئے ہو، میں بھی تو دیکھ لوں کہ میرے گناہوں کی کتنی بھیانک سزا مجھے دنیا میں ہی مل گئی ہے...... سمجھ لوں کہ جس شخص کو میں نے اپنے لیے سائبان سمجھ لیا تھا کہ وہ مجھے ہر حقیر نظر سے بچا لے گا اُسے ہی آج میرے کردار میں کچا پن نظر آ رہا ہے...... ہاں ہوں میں بدکردار، اس کی گواہی کے لیے تو شاید یہ ہی کافی ہے کہ تمہارے ساتھ جو ہوں......''

اپنے گالوں پر پڑتی آنسوؤں کی ٹیڑھی میڑھی لکیر کو بے دردی سے نوچ کر ناک رگڑنے لگی۔ دوسرے گال پر اُنگلیوں کا سرخ نشان اب بھی ثبت تھا...... ہمایوں دانت پر دانت جمائے اُسے دیکھ رہا تھا۔ غصے کی وقتی کیفیت بتدریج گھٹتی جا رہی تھی۔

''تمہاری آنکھوں پر غلط فہمیوں کی پٹی ہے ہمایوں اور خود ساختہ ناراضی کا بھوت...... تمہیں لگتا ہے مجھے اماں کو بیچ میں نہیں لانا چاہیے تھا، مجھے بھی اب یہی لگتا ہے...... تم اس سارے معاملے کو مکھن سے بال کی طرح نکالنا چاہتے تھے، مگر تم نہیں سوچتے کہ مکھن سے بال کھینچو تب بھی اُس میں دراڑ پڑ جاتی ہے...... پھر ہم لوگ کیسے بچ کر نکل سکتے تھے۔ کاش اس زندگی کو جینے سے میں مرنے کو ترجیح دیتی۔''

وہ ایک بار پھر بے تحاشا رونے لگی...... اندر غبار سا تھا وہ نکالنا چاہتی تھی، ورنہ اپنے ہر طرح کے جذبات کے آگے پھندہ کستے کستے وہ اندر سے یک رہی تھی...... کبھی بھی پھٹتی اور بس ختم۔ لیکن بات بھی کچھ ایسی تھی کہ دکھ آنسو بن گیا تھا۔

''اچھا بس کرو اب، تمہیں جس وقت میں نے دیکھا اُس وقت کوئی بھی یہی کرتا...... میں نے جلد بازی دکھائی، غلطی میری......'' وہ کچھ ناگواری کچھ اُکتاہٹ سے بولنے لگا۔ خوش نما کو پتنگے سے لگ گئے تھے۔

''غلطی تمہاری نہیں دراصل میری ہے...... پاگل ہو جاتی ہوں میں ہمایوں کہ کیا تھے تم اور کیا ہو...... منعم کے قول پر مجھے ہی یقین کرنا چاہیے

تھا کہ...... ہر چمکتی چیز پر دھوکا کھانے کے بجائے دیکھنے والی آنکھ رکھنی چاہیے، چاندنی راتوں کو چمکنے والی چیزوں میں اکثر سانپ بھی ہوتے ہیں۔"

ہمایوں کو ایک پل کو سانپ سونگھ گیا۔ اُس کا لہجہ بے حد کٹیلا تھا...... اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اُس نے کمان سے طنز کا ایک اور تیر برآمد کیا۔

"حیرت ہے تم نے الزام نہیں دیا کہ اب یہ...... منعم کون؟" اُس کی آنکھوں میں چھبتا......

کچھ ایسا کہ ہمایوں بے اختیار کچھ نکلنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتی کواڑ کھول کر باہر نکل گئی...... باہر دھوپ ابھی بھی نکھری نکھری اور ہلکی پُرحدت بھی تھی۔ ہمایوں پیشانی مسلتا پائنتی پر ٹک گیا۔ کمرے میں چھن کر آتی تیز سرخ خیرہ کن دھوپ کی طرح ہمایوں کی آنکھیں تو کب سے چندھیائی ہوئی تھیں......!

☆☆☆

برفیلی دیواروں کے قفس میں مقید
کبھی ہنسی کی حرارت بھی مجھ میں دوڑ چکی
آبنوسی لکڑی کہ گرد کچھ کھوجتی زندگی
یقین ہی نہیں کرتی کہ وہ میں ہی ہوں......
اپنے اپنے محاذوں پر چپ وقت کے سفیر
کھمبی کے نیلے پھولوں کے سنگ جب ملنے جائیں گے
اور برف میں ڈھلے بہہ کر قطرہ قطرہ قلزم ہو جائیں گے
ہاں زندگی! تب تم اُنہیں کبھی بھولنا مت......!

وہ کہیں جانے کے لیے بہت دنوں بعد تیار نظر آ رہا تھا۔ بلیک ڈریس پینٹ، اسکائی بلیو شرٹ اور اُسی کی اوپر بلیک واسکٹ پہنے اُس کے چمکتے بال اُوپر کی سمت اُٹھے پیچھے جمے ہوئے تھے۔ پرفیوم چھڑک کر اُس نے واچ کلائی پر رکھی اور اسٹریپ بند کرتے ہوئے اُس کی نگاہ اچانک بیڈ تک گئی۔ گداز بلینکٹ پر لیٹا یوسف اپنی بڑی بڑی آنکھیں باپ پر مرکوز کیے ہاتھ پر ہاتھ بجاتا اٹکھیلیاں کر رہا تھا...... اُس کی آنکھوں میں شناسائی اور ہونٹوں پر ایسی محظوظ کن مسکراہٹ تھی کہ ہمایوں ہپناٹائز سا ہو کر اُس کی طرف کھچا چلا گیا۔

"ارے یہ مجھے پہچان رہا ہے......" اُس نے خوش گوار حیرت کی انتہا پر پہنچ کر خود کلامی کی۔ باپ کو قریب کھڑا دیکھ کر وہ منہ سے ناقابلِ فہم آوازیں نکالتا تیز تیز ہاتھ بازو چلانے لگا...... اپنے نازک سے بازو اُوپر اُٹھائے وہ اُس کی طرف ہمک رہا تھا...... ہمایوں کا دل نجانے کیسے...... اچانک بالکل اچانک اُس کی محبت کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا تھا۔

وہ انوکھے جذبات میں گھرا اُس معصوم سے وجود پر جھک آیا...... فرشتوں کی سی معصومیت والے یوسف کے بدن سے بھینی بھینی سی مہک نے اُس کا فشارِ خون بلند کر دیا۔

"یہ قدرت کے نظارے...... اللہ کیسے بچوں کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے۔" دل میں سوچتے ہوئے اُس نے اُس کے مسلسل گالوں کو چھوتے ہاتھوں کو تھاما...... وہ کھلکھلانے لگا اور ہمایوں دیوانہ سا ہوا...... اُس کے پھولے گال...... گلابی ہونٹ، روشن پیشانی...... خوابیدہ آنکھیں ▪ ہمایوں نے بے قابو ہو کر نرمی سے اُس کی ٹھوڑی کو چوما تھا...... اُس کی شیو چبھنے پر وہ کسمسایا پھر ہنستے ہوئے جیب کو مضبوطی سے پکڑ لیا......

یوسف گھر کا کھلونا تھا اور جہاں آراء کی دن بھر کی حسین مصروفیت...... وہ جوں جوں بڑا ہو رہا تھا دھیرے دھیرے لفظ پکڑنے لگا تھا...... ابو...... بو...... ام...... اں...... جہاں آراء نہال ہوتیں اور خوش نما کو اُس کی ہر حرکت پر مخاطب کرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے اُنہوں نے گھر سے نکلنا بھی کم کر دیا تھا...... ہمایوں کو بھی انسیت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن آج تنہائی نے بہت گہرا جادو کر دیا تھا۔

کتنے ہی ثانیے بیت گئے جب چوکھٹ پر پرچھائیں کی چھاؤں اُن تک پہنچی، اور وہ چونکا۔ خوش نما حیرت زدہ سی فوت ہونے کے قریب تھی کہ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اُٹھا...... کچھ گزشتہ واقعے کا اثر زائل ہونا باقی تھا اور کچھ اب...... وہ نظریں چراتا باہر

نکل گیا۔ خوش نما اُنہی احساسات سے دوچار ہوئی دو قدم آگے آئی...... اُس نے اپنے رشتے کی زندہ روح کو بہت واضح دیکھ لیا تھا۔ وہ مسکراتی اپنے بیٹے کے پاس آئی اور اُسے اُٹھانے لگی کہ موبائل کی بجتی بپ نے اُسے ایسا کرنے سے روکا۔

''ہیلو......'' وہ ابھی پورا کہہ بھی نہیں پائی تھی کہ ہمایوں کے سیل اسکرین سے نسوانی آواز اُبھری۔''

تم ابھی تک نہیں پہنچے دلبر...... اپنے اسی انتظار سے قسم سے گھائل کر گزرتے ہو، تمہاری راہ میں بچھی آنکھوں کی پتلیاں تو زخمی ہوگئی ہیں...... کیا بینائی بھی متاثر کروگے ظالم......''

انتہائی عامیانہ انداز میں شوخی دکھانے پر ہنسی کی دو تین آوازیں اور بھی بلند ہوئی تھیں...... خوش نما کے قدموں میں جیسے آگ سی دہک گئی۔

''کون ہیں آپ......؟'' اُس نے اپنا لہجہ بہت چبھتا پایا۔ دوسری سمت خاموشی چھائی۔

''خوش نما......؟'' پورے یقین سے پکارا گیا۔

''اشتیاق تھا کہ آپ سے بات کریں، شمع کہتے ہیں مجھے...... ہمایوں......''

''نہیں ہے ہمایوں...... میرا شوہر نہیں آئے گا۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی...... اُسے ذرا سی شراکت اس حال میں بھی منظور نہیں تھی۔ وہ بدلحاظ ہوگئی۔

''ارے تم بھی روایتی بیوی نکلیں...... ہاہاہاہا اچھا......'' اُس کا قہقہہ خوش نما کو سرتاپا سلگا گیا۔ ہمایوں سیل اُٹھانے واپس آیا ہوگا...... خوش نما اُسے دیکھ کر بگڑ گئی۔

''تو آپ کی تیاریاں اس لیے تھیں...... تم کہیں نہیں جارہے، میری طبیعت خراب ہے......''

''تم نے فون کیوں اُٹھایا...... کچھ کہا تو نہیں تم نے۔'' اُس کی اپنی ہی فکر تھی...... خوش نما نے وہ چونچلے جو شادی کے بعد اُٹھائے ہی نہیں گئے تھے، بلاوجہ آزمایا تھا۔

''میں نے کچھ کہا ہے ہمایوں...... تم نہیں جاؤ گے۔'' اُسے ضد سی ہوگئی۔ وہ جاتا تو جیسے بے عزتی...... تن کر آگے کھڑی ہوگئی تھی وہ۔

''مجھے کام ہے خوش نما، آجاؤں گا۔'' وہ کچھ نرم پڑا۔

''کون سا کام ہے ایسا جو تمہیں اُس ادا فروش فنکارہ کے پاس جانا زیادہ ضروری ہوگیا ہے......''

''بکواس مت کرو خوش نما...... بھولنا مت کہ تمہارا اور میرا بات منوانے والا کوئی رشتہ نہیں رہا، اور اس کی شروعات تم نے ہی کی۔''

''ہمایوں...... کب تک لڑتے رہو گے یہ سرد جنگ، اتنے کٹھور مت بنو کہ تمہارے اس برفیلے لہجے کے بعد تمہارے جذبوں کی ذرا سی گرمی مجھے پانی کر کے بے وجود کردے...... تم نے محبت کی ہے مجھ سے ہمایوں......'' اُس نے آخری بار خود کو ارزاں ہوجانے دیا...... اُس کا لہجہ زخم خوردہ تھا وجود نڈھال...... بازو پر جما ہاتھ ہمایوں نے نرمی سے ہٹایا۔

''واپس آکے سوچوں گا اس پر......'' وہ سنجیدہ تھا...... نہایت سنجیدہ...... خوش نما کو لگا اُس نے اس آدمی سے شادی کرکے پہلی اور آخری غلطی کی ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس سے اس بھی بڑی غلطی سرزد ہونے والی ہے۔

محبت منہ زور جذبہ ضرور ہے...... بے لگام نہیں...... یہ غلط نہیں کرنے دیتی، اور کبھی غلط ہوتی نہیں......

حدود ہمیشہ سے آسانیوں کے لیے ہی قائم ہوئے ہیں...... ختم حدود اور روح بے وجود...... جسمانی لطف خیزی روح میلی کردیتی ہے، اور محبت روح کے علاوہ اپنا ٹھکانا کہیں پسند نہیں کرتی......!!

وہ دونوں اپنی روحوں کے مجرم تھے...... جو جی سے اُتر گئے تھے۔ ایک اپنی بقاء میں جدوجہد کررہا تھا...... اور دوسرا شاید پچھتاوؤں سے لڑنا نہیں جانتا تھا اور سارا ملبہ پہلے پر ڈال دیتا۔

''ہمایوں کو خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ کیا کررہا

نے...... وہ محبت تو کرتا ہے تم سے مگر وہ محبت ان ناگوار واقعات میں دب گئی ہے، جو اُسے منظور نہیں تھے...... میرے بیٹے میں ہوس نہیں ہے خوش نما میں بس یہ دیکھ رہی ہوں کہ وہ کب احساس کرتا ہے کہ ذمہ دار وہ بھی ہے...... تم تھوڑا سا وقت مجھے ہی دے دو میری پیاری بیٹی۔"

جہاں آراء کے الفاظ رہ رہ کر اُسے یاد آتے رہے اور سرد رات میں منہ چھپائے وہ روتی رہی...... جہاں آراء بہت اچھی عورت نہ ہوتیں تو شاید ہمایوں کی قید میں سانس لینا اُس کے لیے مشکل ہو جاتا...... لیکن وہ دعوے دار بھی ہمایوں کی محبت کی۔ پھر اُس تکلیف کا کیا کرتی جو اندر تک کاٹتی......

یوسف کا پیٹ گڑبڑ کر رہا تھا ٹھنڈ لگنے سے دو بار تے بھی کی...... وہ کتنی دیر ہمایوں کا انتظار کرتے کرتے سوگئی۔ سرد رات کے کسی گہرے نیلے پہر یوسف کے رونے پر اُس کی آنکھ کھلی...... وہ اذان ہونے کا وقت تھا۔ خوش نما کے دل میں اُبال سے اُٹھے۔

"تم نے میری زندگی اجیرن کر دی ہمایوں...... میں تم سے پوچھ لوں گی۔" غصے کے انداز میں چکر کاٹتے ہوئے اُس نے یوسف کے لیے اندھیرے میں پیٹی کے نیچے سے ہاتھ مار کر پیمپر کھینچا...... وہ گیلا تھا یا سردی سے ٹھنڈا...... اُس نے لائٹ جلا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔

اُس کے وجود پر چیونٹیاں سی رینگتی تھیں اور اُس منحوس عورت کا وہ بدصورت قہقہہ...... پیمپر تبدیل کرنے پر بھی یوسف کے رونے میں کمی کے بجائے مزید تیزی آئی...... خوش نما کے سر میں درد کی ٹیسوں کے باعث دھماکے ہو رہے تھے...... اور جہاں آراء تک جانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ بازو میں اُٹھائے اُٹھائے ٹھنڈے فرش پر اُسے جھولانے لگی مگر سب بے سود تھا...... کوفت، اُکتاہٹ اور تکلیف نے اُس کا دماغ خراب کر دیا...... یوسف کو بیڈ پر پٹخ کر بند ہوتی آنکھوں کو مسلنے لگی۔ ہمایوں کی بے رخی میں وہ اپنے بچے کی محبت بھی بہت جلد بھول جاتی تھی۔ اور اس وقت اہانت کا احساس بھی حاوی تھا۔

"یا اللہ اتنا تو کبھی نہیں رویا...... کہیں پیٹ میں درد نہ ہو، کیا کروں اس وقت۔" مارے باندھے وہ اُٹھی اور بہت احسان کر کے پیٹ درد کا سیرپ پلایا...... یوسف کی چیخیں تو دل دہلاتی تھیں، خوش نما روہانسی سی ہوتی چپ کراتی رہی۔

اُجالا ہونے سے کچھ لمحے قبل ہی وہ جا کر چپ ہوا اور خوش نما نے شکر کا سانس لیا...... وہ خود بھی سر باندھے ڈھے گئی۔

ہمایوں پوری رات نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

اور پھر رات کے بالوں میں چاندی اُتری تو عجیب سیا سرمئی پن دھرا رہ گیا...... صبح نے انگڑائی بھی لے لی تھی، پر لگتا تھا اُونگھ گئی ہے۔ پچھمی پربت سے ذرا اوپر شاہ خاور سرما کے کہرے سے یوں بھی بات بات اُلجھتا تھا...... نئی بات تو یہ رہی کہ فلک کے سرمئی سینے میں آگ بھی بھڑکنے لگی۔ دور آسمان کی پرلی طرف بادل مدھم سے گڑگڑائے، کوئی طوفانی آثار تھے اور خوش نما کی ایکدم چیخ سنائی دی گئی...... ہمایوں نے ابھی قدم ہی دھرے تھے۔

"خدا خیر کرے......" مہوش کا دل بری طرح دہلا۔ جہاں آراء کے قدم زمین پر نہ پڑتے تھے۔ خوش نما حواس باختہ سی ننگے پیر بھاگ آئی۔

"یوسف...... یوسف، وہ آنکھیں نہیں کھول رہا۔" اُس کے لب اور ہاتھ رعشہ زدہ لگ رہے تھے۔

"ارے...... ہاتھ پیر چھوڑ دیتی ہو، بچہ ہے گہری نیند میں ہوگا چلو اندر......" مہوش ساس کو سنبھالتی اُس کی ہمراہ ہوئی۔ خوش نما کا دل کسی انہونی کے ہاتھوں لرزتا تھا۔

"اُس کے...... ہونٹ نیلے لگ رہے ہیں، اور جسم بھی سرد ہے۔" اُسے لگ رہا تھا اُس کا پیٹ تند آلے سے کاٹا جا رہا ہے...... ہمایوں کچھ لمحے معاملہ

سمجھتا رہا پھر تیزی سے باہر نکلا۔
تینوں کمبل میں لپٹے ننھے یوسف پر جھکی...... یخ جسم، ہلکے نیلے ہونٹ، لٹھے کی مانند رنگت اور بالکل ساکت سپاٹ...... جہاں آراء نے اُسے جھنجوڑ کے آواز دی۔

''یوسف، ماں کی جان...... ٹھنڈ لگ گئی ہے بچے کو۔ کتنی بار کہا ہے ہیٹر جلا لیا کرو، مہوش توے پر انگارے نکال آؤ تم۔'' بیڈ پر بیٹھ کر اُنہوں نے ہدایت جاری کی اور یوسف کو گود میں لیا۔

''اماں یہ تو جاگ نہیں رہا ہے...... خدارا اسے اُٹھائیں۔''

''خوش نما بچے کا تو جسم اکڑ چکا ہے......'' جہاں آراء کے ہاتھ پاؤں پھولے اور خوش نما پر قیامت سی بیتی...... ہمایوں تیزی سے اندر آیا تو خوش نما کو لگا ڈوبتے پر تنکا پھینک دیا گیا ہو۔

''ہمایوں میرا بچہ......''

''ڈاکٹر کو لایا ہوں، یوسف کو مجھے دیں......'' ہمایوں کے لب بھینچے تھے، خوش نما تیزی سے اُس کے سامنے آئی۔

''میرا بچہ مجھے کھیلتا ہوا چاہیے، جیسے ہر صبح اُٹھ کے قلقاریاں کرتا ہے...... اسے شاید سردی لگی ہے، رات میں نے......'' وہ گڑلاتی ہوئی اچانک چپ ہوئی...... جیسے کچھ یاد آیا۔ ایڑی کے بل گھومتی ہوئی الماری تک گئی۔

''یہ...... یہ سیرپ...... پلایا تھا ڈاکٹر سے کہنا رات سے......''

''خوش نما سنبھالو خود کو...... انجیکشن لگے گا تو ٹھیک ہو گا یہ، شاید بے ہوشی طاری ہو...... اماں۔'' سنجیدگی و نرمی سے اُسے ٹوکتے ہوئے اُس نے ماں کو اشارہ کیا...... خوش نما کی آنکھوں میں رات والی خفگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ہمایوں اسی تیزی سے باہر نکلا اور ادھر بادل بڑے زور سے گرجے تھے۔

وہ ننھا فرشتہ باپ کی بانہوں میں کسمسایا نہیں...... اور ہمایوں ابراہیم کا دل چاہا وہ اسی قدر اُسے اپنی پناہ گاہ میں جکڑے رکھے۔ گاؤں کا ڈاکٹر تھا، ہمایوں اُسے گھر سے بلا لیا تھا...... ڈاکٹر نے اُسے چیک کیا پھر ہمایوں کے ہاتھ میں پکڑے سیرپ کو...... معاملہ عجیب تھا اور کچھ صاف بھی، اُسے سمجھ میں آیا یا نہیں مگر جتنا واضح تھا اُس نے وہ کہہ دیا۔

''بچہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے......'' ہمایوں نے کرنٹ کھا کر اُسے دیکھا۔ اُس کا وجود آندھیوں کی زد میں آ گیا۔ یوسف کی بند پرسکون آنکھیں، اور آنکھوں پر سنہری اُبھار...... باریک سے ہونٹ جن سے کچے دودھ کی باس جدا نہیں ہوئی تھی، اور وہ معصوم صورت...... اُنسیت اور لگاؤ کی الگ جگہ، اُس سے بھی ہٹ کر یہ خبر دل چیر دینے والی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہو یار۔ نہیں نہیں...... میرا بیٹا ٹھیک ہے، تمہیں اس لیے لایا تھا میں؟ معمولی سی سردی ہی لگی ہو گی اور......''

''ہاں شاید معمولی سی سردی ہی لگی ہو گی...... پر بچے بھی تو بہت نازک ہوتے ہیں ناں۔''

''اللہ کو پیارا، اس طرح...... اچانک۔'' ڈاکٹر کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔ وہ اس وقت ہاتھ پھیلائے ''باپ'' لگ رہا تھا...... پھر غضب تو یہ ہے کہ زندگی کسی کشکول میں نہیں پھینکی جاتی۔ اور انسان اللہ کو پیارے ہی ہوتے ہیں کچھ بہت زیادہ پیارے...... تو اچانک کا کیا پیچ سوال؟

''کک...... کیا کہا تم نے؟'' خوش نما نے کھلے کھلے منہ کے ساتھ پوچھا۔ دو آنسو ہمایوں کی آنکھ سے ٹپکے۔ کھڑے قد والا مرد، اور بازوؤں میں بھینچا بے جان بچہ...... بادل چیختے رہے۔ جہاں آراء نے سر سے دوپٹا کھینچ کر زمین پر مارا اور دھاڑ بلند کرتے ہوئے بین کرنے لگی۔

''دو تین گھنٹے پہلے ہی خوش نما...... کیا تمہیں موت کی باس نہیں آئی تھی۔'' ہمایوں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ آواز میں سیلاب کی سی آمیزش تھی...... خوش نما کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

”سیرپ......؟“

”نہیں وہ ایکسپائرڈ نہیں تھا...... اللہ نے ہمارے گناہ کی سزا دی ہے۔“ خوش نما زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اُسے سکتہ ہوگیا......

کچھ ہی دیر میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ جہاں آراء کا صحن بستی کے لوگوں سے بھر گیا۔ تیز ہوائیں دوطرفہ تھیں اور اتنی سرد تھیں کہ لوگ پتھر ہوتے جاتے تھے......اک یوسف خاموش تھا، جیسے پہلے اُس کا وجود بے ضرر تھا، ان چاہا۔ باپ کے پیار سے محروم...... ماں کے اپنی مرضی کے مطابق کے التفات...... وہ دادی تھیں جن کا دل آری سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیا جا رہا تھا۔ اور وہ جو اب نو ماہ کا ہو کر برس، روز سے زیادہ بڑا لگتا تھا اُن کے ہاتھوں سے بہت چپکے سے پھسل گیا...... اب وہ خاموش تھا لیکن کسی ایک دل پر خوف کے پربت گر چکے تھے......!

”تم میرا بچہ لے کر گئے تھے، بے جان سا لے کر کس کا آگئے ہو؟ میرا بچہ بہت چالاک تھا یہ تو پہچانا نہیں جاتا......“ خوش نما ماتھے پر شکن ڈال کر پوچھتی، اور آخر تک آتے ہوئے ہنس پڑتی۔ زمزمہ روتی کر لاتی اُٹھی اور بہن کو باہوں میں بھر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”یہ کیا ہوگیا خوش نما...... تم نے کبھی یوسف کی زندگی کی لکیر لمبی ہونے کی دعا نہیں کی تھی کیا...... اللہ ماں کی سننے سے انکار تھوڑی کرتا۔

وہ خوش نما کے شانے پر سر پٹخنے لگی تو وہ چونکی۔ پھر اُسے دیکھا اور سرگوشی کی۔

”ہاں میں نے نہیں کی تھی...... میں نے واقعی کبھی نہیں کی۔ جب ہی تو وہ میرے نصیب سے الگ کر لیا گیا۔“ آنکھیں بنجر تھیں مگر اُس کے منہ سے جملوں کی ادائیگی...... عفت نے اُس کا سکتہ توڑنے کے لیے کتنا جھنجوڑا تھا۔ بستی کی عورتیں ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ہمایوں اپنی کھوکھلی زندگی پر سب سے دور تنہا لیر لیر بیٹھا تھا......

اور پھر صدمہ بس یہیں تک نہ رہا......دل، پتھر ہو جائیں تو اللہ انسان کو کبھی نہ کبھی ایسا جھٹکا دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل جائیں اور پتھر میں جان پڑ جائے...... یوسف کو غسل دینے کے لیے اُٹھایا گیا۔ ہمایوں کو پہلی بار بے انت تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ننھا سا وجود بنا کوئی جواز دیے خاموشی سے اُن کا بوجھ ہلکا کر کے چلا گیا تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ اُسے نہیں چاہتا تھا......اور دوسرا وقت اب تھا جب وقت گنوایا جا چکا تھا۔

اُسے غسل دینے والے نے اس کے کپڑے اُتارے اور غسل کے فرض ادا کرنے لگا تب...... ہاں تب ہی سب نے ایک حیران کن منظر دیکھا۔ ہمایوں ششدر رہ گیا اور دیکھنے والوں کے دل کانپ گئے...... یوسف کے جسم سے پیمپر علیحدہ ہوا، اور وہاں جگہ جگہ دھبے سے بنے تھے...... ہلکے سرخ، جامنی پھیلے پھیلے سے اُس کی سپید رانوں پر بے حد نمایاں......اور پھر جس میں پیمپر پھیلایا گیا تو...... ایک دو منہ بچھو چپکا تھا۔ عام بچھو کی نسبت زیادہ بڑا اور زہریلا...... اتنا موٹا ہو چکا تھا جیسے خوب خون چوستا رہا ہو۔ مولوی کی آواز سرسرائی۔

”بچے کی موت بچھو کاٹنے سے ہوئی......رات بھر وہ معصوم کو کاٹتا رہا۔“

وہ واقعی بہت زہریلا تھا اور مسلسل کاٹنا بچے کی برداشت سے بہت زیادہ ہوگیا...... ہمایوں کا دل مٹھی میں لے کر کسی نے مسل ڈالا......اور خوش نما؟

”بچھو......وہ پیمپر......“ اور سکتہ ٹوٹ گیا......

وہ تڑپ تڑپ کر بلکتا رہا اور خوش نما کو وبالِ جان لگا تھا...... وہ پیدا کرنے والی تھی ماں نہیں بن سکی تھی۔ ہمایوں کو لے کر اُس کی نفرت ختم ہوتی تو وہ اس کی موت کی باس بھی سونگھ سکتی......کوئی انگاروں کا تھال اُچھال دیا گیا تھا......لوگوں کے کلیجے منہ کو آئے۔

”میرا یوسف...... بچھو کی اذیت سے......“

صورِ اسرافیل اُس کے کانوں کے قریب پوری قوت سے پھونکا گیا......وہ فنا ہوئی۔

☆☆☆

ہرنی کا بچہ بے رحم ہاتھوں گرفتار ہوا اور موت اُس کی آنکھوں میں جم کر زندگی خشک کر گئی۔ ہرنی ''ماں'' تھی۔

چڑیا بے پناہ سردی میں اپنا بچہ پروں میں چھپائے بیٹھی رہی...... بچہ بچ نہ سکا تو خود بھی گر گئی۔ بغیر بالوں والا بچہ اُس کے جسم سے چمٹا تھا الگ کیا گیا تو اگلے ہی لمحے وہ بھی زمیں بوس ہو گئی...... عورتوں نے کہا۔ ''ماں تھی نا، جب تک بچہ سینے سے لگا تھا تسلی تھی...... جونہی الگ ہوا خود بھی مر گئی۔''

اور وہ انسان تھی خوش نما...... تلاطم برپا کرتے جذبات رکھنے والی...... اور وہ بھی تو ماں تھی اور پھر قصور وار...... چند لمحے وہ یونہی خلاؤں میں دیکھتی رہی۔ پھر ایسے حلق پھاڑ کے چلائی کہ کئی لمحے ہچکی لگی رہی۔

''یوسف...... میرا بچہ......'' وہ ایک بار پھر چلائی اور دیوانہ وار اُس کی سمت لپکی...... اُسے چھین کر وحشت بھری نگاہیں چہرے پر دوڑائیں، اُس کے عزیزوں کے رونے میں اور زیادہ روانی آ گئی تھی...... اور خوش نما کی ممتا میں۔

''میں نے تمہیں ختم کر دیا یوسف...... میں بہت بری ماں ہوں، میں نے اپنے ہاتھوں سے...... مجھ سے ناراض نہ رہنا میرے بچے۔'' وہ اُس کے ہونٹ منہ دیوانگی میں چومتی اسے زور سے سینے سے لگائے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی...... کوئی آگے نہیں بڑھا سوائے ہمایوں کے......

''میں ایک بدنصیب ماں ہوں، اپنی خوشی ڈھونڈتے ڈھونڈتے تمہیں قربان کر بیٹھی...... یا اللہ میرے یوسف کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی، میں وہ تکلیف کیوں نہیں محسوس کر سکی......''

خوش نما کی باتوں سے فضاؤں میں بہت نمی بھر گئی تھی۔ موسم نے سوگ کیا...... اور سورج نے تو کہرے کے بیچ پھنس کر کوشش ہی ترک کر دی تھی۔ ہمایوں نے اُس کے کندھے کو چھوا۔

''خوش نما۔ خود کو قصور وار مت گردانو...... تم نے......''

''ہاتھ مت لگانا مجھے تم......'' وہ یکایک بھوکی شیرنی کی طرح اُس پر جھپٹی۔ ''تم بزدل انسان...... تم قاتل ہو میرے بچے کے، تم نے مارا ہے اسے...... تمہارے کرداروں کی سیاہی نے میری زندگی برباد کر دی ہے...... میری زندگی کا وہ بھیانک ترین وقت تھا جب میں نے تمہیں ''انسان'' سمجھ لیا تھا، تم تو اس قابل ہی نہیں ہو......'' ہر طرف سکوت چھا گیا تھا...... ہمایوں نے لب بھینچ لیے۔ اُس کے کف آلود لہجے سے دو تین آوازوں کا شور سنائی دیتا تھا۔

''صبر کرو خوشی...... یہ وقت اس تماشے کا نہیں ہے......''

''یہ حقیقت تمہیں تماشا لگ رہی ہے...... اسی تماشے سے تو ڈرے ہو تم ساری زندگی، پہلے میری زندگی اُجاڑ دی اور اپنی عزت ذلت کا راگ الاپتے رہے...... مجھے لوگوں کے سامنے نظریں ملانے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔ بدکردار تم تھے ہمایوں تم، گناہ گار تم بھی تھے لیکن اپنا گھر بچانے کو میں سب سہتی گئی۔'' وہ چلا چلا کر اپنا تماشا خود لگانے لگی کہ لوگ ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر دیکھیں۔

''تم ایک بھیڑیے ہو، اپنے گناہوں کا بوجھ میں اُٹھا لوں گی لیکن اپنے ساتھ تم میرے جواب دہ بھی ہو گے اللہ کے سامنے......'' اُس نے کبھی ہمایوں سے شکوہ نہیں کیا تھا۔ نہ اُسے گناہوں کے تختۂ دار پر لٹکایا تھا۔ لیکن اس وقت وہ حواسوں میں نہیں لگتی تھی، قطعی نہیں......

''خوش نما......'' ہمایوں ضبط سے ہونٹ کاٹتا بے بسی کی انتہا پر تھا...... اسے وہ اس وقت پاگل لگ رہی تھی۔

''لیکن اب بس......'' اُس نے یوسف کو مضبوطی سے پکڑے آنسو بے دردی سے نوچے۔ ''تمہارے میرے بیچ سے اب اس نام نہاد رشتے کی دیوار میں خود گراتی ہوں...... اب مزید یہ طوق مجھے

لٹکانے کی ضرورت نہیں رہی، آج اس گھر سے میں اپنے بیٹے کے ساتھ ہی جاؤں گی......" حتمی لہجے میں کہہ کر وہ پھر سے یوسف کی طرف جھکی، آنکھیں پانیوں سے لبریز ہوئیں......سلطنت لٹ گئی تھی۔ جس کا احساس انہیں بہت تاخیر سے مگر ہوا چاہتا تھا۔

"یوسف میرے بچے......میں نے تمہیں مار ڈالا، اپنی ماں کے لیے ایک بار آنکھ کھول دو......ایک بار۔" برسات برستی رہی، اور سرد بدن اُس کے سینے سے لگا موت کی ٹھنڈک باور کراتا رہا......یوسف نے آنکھ نہیں کھولی لیکن پھر ہمایوں نے یوسف کو زبردستی اُس سے لیا تو......

"یہ......یہ، اب میری طرف کیوں آرہے ہیں۔" اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خوف کے فلک بوس محل دکھنے لگے۔ لوگوں نے ناسمجھی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"ارے روکو اِن کو یہ مجھے کاٹنے آرہے ہیں، میرے بیٹے کو بھی چھپاؤ......اماں" وہ چیخنے چلانے لگی۔ زمین پر تو کچھ نہیں تھا پھر کہاں اشارے کر رہی تھی وہ؟

"خوش نما میری بچی ہوش کرو......" جہاں آراء غم سے نڈھال تھیں عفت کے ساتھ سنبھالتے سنبھالتے ڈھے گئیں۔ خوش نما میں بجلی کی سی تیزی لپک رہی تھی۔

"وہ مجھے کھا جائیں گے، یہ بڑے بڑے سیاہ شکل......یہ مجھ پر چڑھ رہے ہیں......آآآ۔"

"کون خوش نما......کچھ نہیں ہے۔" ہمایوں نے اُسے مضبوطی سے پکڑ کر سختی سے پوچھا۔ خوش نما کی آنکھوں میں بیگانگی تھی......صرف بیگانگی۔

"ارے یہ دیکھو ناں......تم تو یہی چاہتے ہو ہم دونوں مر جائیں......یہ میرے پیروں پر چڑھ رہے ہیں، یہ سیاہ بچھو میرے ہاتھوں پر بھی رینگ رہے ہیں......بچھو......بچھو۔" خوف سے اُس کا منہ کھل گیا اور وہ وہیں......ہاتھ مار مار کلائیاں سرخ کرتی ہمایوں کی بانہوں میں جھول گئی۔ ہمایوں کی آنکھوں میں گہری لالی اُتری ہوئی تھی۔

"میرے بالوں پر سے ہٹاؤ۔" اُس نے بال نوچ ڈالے۔ "ہٹاؤ انہیں میرے جسم سے۔ اماں......اماں مجھے بچاؤ......" وحشیانہ انداز میں کلائیاں اتنی زور سے جھٹکی گئیں کہ اُس کے بازو خراشیں پڑ گئیں......وہ پاگل لگ رہی تھی، جنونی۔

خوش نما کو اپنے بیٹے کی موت پر پہلا دورہ پڑا تھا......آخری نہیں......! یہ بھی اُن کی "محبت......"

کہنے والے مذہبی، معاشرتی دائروں سے ہٹ کر کہہ کچھ بھی دیں......لیکن محبت کے سنجوگ میں، خط مستقیم پر نہ چلو تو فطرت کا حسن ہی لٹ جائے۔ اور انجام پر تو......میرا فقط یہ کہنا ہے کہ......

"آدھی بھوک پوری "محبت" کھا جاتی ہے......اور پوری بھوک "آدھا" انسان......"

☆☆☆

موسم سرما کے جانے اور واپس گرما کے آنے پر۔

اُفق گرد بار، اور موسم سرمئی ہو رہا تھا۔

چھاجوں چھاج مینہ برسنے کے بعد تواتر سے رم جھم اب بھی جاری تھی اور اُس کی آنکھوں کے کٹورے خالی ہو چکے تھے۔ معروف سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر ضمیر مرزا کی تھکی تھکی سی نگاہیں خوش نما پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً انہوں نے پانی کا گلاس آگے کیا اور خوش نما نے بنا حجت کے لبوں سے لگا کے چند گھونٹ اُتارے۔ وہ خزاں کے زد میں آئے شاداب درخت کی مانند اپنے اندر کی ساری داستان جھاڑ کر خالی ہو چکی تھی۔

"انسان بہت گنجلک ہے، کب کس چیز کا شدید اثر لے لے اُسے خود بھی معلوم نہیں پڑتا......" ہلکا سا کھنکار کر انہوں سے کہنا شروع کیا۔

"یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو بیٹے کہ اپنے بیٹے کی جان تم نے لی ہے......اللہ کو یہی منظور تھا، جو چیز ہم اپنے شعور میں رکھ کر نہ کریں وہ گناہ نہیں گنا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سبق بھی تو دینا ہوتا ہے

ناں.....اُس کی نعمت کی قدر نہ کی جائے تو وہ اُسے واپس لینے پر اتنی ہی قدرت رکھتا ہے جتنی کہ عطا کرنے میں.....''

''لیکن اللہ ناراض ہے مجھ سے.....میری زندگی اب ایسے ہی الجھنوں میں پھنس کر گزرے گی۔'' خوش نما کی کھولی گئی کھڑکی کے پار ابھی تک بارش کی دھندلی چادر دھرلی تک تنی ہوئی تھی۔ پٹونیا کے جھولتے پھول ہتھیلیاں پھیلائے پور پور بھیگے اپنی رنگت سے مزید نکھرے لگتے تھے۔

''اللہ ناراض ہوجائے تو وہ انسانوں کی طرح قطع تعلق نہیں کرتا، تمام راستے مسدود نہیں کرتا اور نہ ہی غائب ہو جاتا ہے کہ ڈھونڈھنے سے ہی نہ ملے.....اُس کی مہربان صفت سب سے اوپر ہے خوش نما، وہ منتظر ہے کہ تم اُس سے ہدایت کی، معافی کی طلب گار بنو.....وہ تمہیں تمہاری ہر الجھن سے نکال لے گا.....غلطیاں انسان ہی کرتے ہیں مگر جھکتے بھی انسان ہی ہیں۔ تم نے اُس ذات کو پالیا تو باقی کوئی ڈر تمہارے پاس نہیں بھٹکے گا.....'' وہ مسکراتے ہوئے اثر انگیز لہجے میں اُسے سمجھا رہے تھے۔ خوش نما انہیں دیکھتی چلی گئی۔

''یہ اتنا آسان ہے.....؟''

''زندگی میں آسان چیزیں بھی آپ نے کر کے دیکھ لیں.....اب مشکل کر کے دیکھیے، اس سفر پہ بھی خود کو تنہا نہیں پائیں گی.....'' خوش نما نے گہری سانس بھر کر خود کو ہلکا کیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمایوں اُسے باہر بٹھا کر اندر آیا تو ڈاکٹر مرزا جیسے اُسی کے منتظر تھے۔

''یہ دو دوائیاں میں نے تجویز کی ہیں.....ایک صبح شام کھلایئے، اور دوسری سر درد ہونے پر.....''

''ڈاکٹر صاحب۔ میری وائف ٹھیک ہوجائے گی ناں.....؟'' اُس نے کسی قدر اُمید سے پوچھا تو وہ آگے ہوئے۔

''آپ کی وائف ٹھیک ہیں.....وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہیں، آئندہ سے آپ انہیں پہلے سے بہتر پائیں گے۔ انہیں وقت دیجیے ہمایوں.....اُن کی زندگی میں ہونے والے ناگوار واقعات نے اُن کو تنہا کر دیا ہے اور اس سب کے ذمہ دار آپ بھی ہیں۔'' وہ نہایت صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے تو ہمایوں کی نگاہیں جھک گئیں۔

''میں جانتا ہوں کہ میں ذمہ دار ہوں اور میری ایک غلطی یہ بھی ہے میں نے سب کچھ خوش نما پر چھوڑ دیا تھا، اور اپنی کوئی غلطی مانی ہی نہیں جبکہ سب سے زیادہ قصوروار میں ہی تھا.....میں نے خود غرضی میں نا صرف ایک نازک لڑکی کی ذہنی حالت بگاڑ دی ہے، بلکہ اُسے بہت اذیتوں سے بھی دوچار کیا ہے.....''

''میرا مقصد آپ کو پچھتاووں میں مبتلا دیکھنا ہرگز نہیں نہ ہی میں آپ کو بلیم کروں گا۔ جو ہو جاتا ہے اُس سے پیچھا چھڑانا چاہیے تب ہی آپ کچھ سیکھ کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ انسان کی سرشت ہے کہ وہ ایک غلط چیز کو صحیح کرنے میں پھر غلط کرتا جاتا ہے.....ایک غلطی پر آ کر ٹھہر جانا بے وقوفی ہوتی ہے۔ بیٹا یاد رکھیے کہ پوری زندگی ایک غلطی اور ایک توبہ پر نہیں گزاری جاسکتی۔'' ہمایوں ایک ٹک اُنہیں سنے گیا۔

''انسان گناہ کرتا ہے اُس سے سیکھتا ہے، توبہ کرتا ہے.....پھر کوئی غلطی کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے، اور یہ سائیکل انسان کے ختم ہونے تک جاری رہتا ہے۔ انسان کے بس میں ''کوشش'' ہوتی ہے وہ اس سے بچنے کے لیے وہی کرتا ہے، اچھی بات ہے کہ آپ کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہے پھر آگے بڑھ کر ازالہ کرنے کے بجائے آپ کس انتظار میں ہیں.....؟''

اُن کے سوالیہ انداز پر ہمایوں کی آنکھیں چمک اُٹھی تھیں.....واپسی کے سفر میں دونوں ہی خاموش تھے.....اور شاید خود بھی واپسی کے سفر میں تھے جو بہت دور چل چکے تھے۔

''تمہاری طبیعت اب ٹھیک ہوجائے گی خوش نما.....'' ہمایوں نے ہلکی ہلکی پھوار میں سڑک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کی آواز کی سطح تارکول کی مانند بھیگی

ہوئی لگی تھی...... خوش نما کچھ دیر بعد بولی تو لہجے میں ٹھہراؤ رچا تھا۔ ہمایوں کو اتنے ماہ میں وہ پہلی بار محسوس ہوا...... یعنی وہ اب پہلے جیسی ہو جائے گی۔

''میں تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں رہ سکوں گی ہمایوں...... مجھے علیحدگی چاہیے۔''

''خوش نما......'' اُس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ ''تم نے سارے فیصلے خود ہی کر لیے۔''

''میرے سارے فیصلے ہی غلط تھے ہمایوں...... میں تو اپنی آج تک کی زندگی میں کچھ بھی صحیح نہیں کر سکی، اب مجھے کرنے دو۔ تم بھی اپنی زندگی سکون سے گزارو اور......''

''شٹ اپ خوش نما......'' وہ بہت ناراضی سے گویا ہوا۔ یوسف کی موت کے بعد سے وہ جتنا تکلیف میں رہا تھا خوش نما انجان تو نہیں تھی مگر پھر بھی......

''اپنی زندگی کی غلط چیزیں ہم مل کر صحیح کرتی ہیں، جب مجھے تمہارے ساتھ رہنا منظور نہیں تھا کیا میں نے تمہیں چھوڑ دیا تھا......؟''

''نہیں، ہم تو ساتھ ہی تھے...... ہے ناں؟'' اذیت پسندی سے اُس کا لہجہ تمسخرانہ ہو گیا۔ اُس کی سنہری رنگت اب قدرے سانولی تھی جس میں سرخی گھل گئی تھی۔

''وہ الگ بات ہے کہ میں بہت عرصہ جھنجلاہٹ کا شکار رہا...... لیکن مجھے ہماری زندگی سنوارنے دو خوش نما، مجھے بہت کچھ کھونے کے بعد احساس ہوا کہ میری زیادتیوں نے تمہاری زندگی بھی کتنی اجیرن کر دی...... میں نے اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑا، پھر ہم پُرسکون کیسے رہ سکتے تھے۔ ہماری ذرا سی غفلت ہمارے لیے بہت بڑی سزا بنی ہے ہمارا بچہ ہم سے چھین گیا...... میں تمہارا مجرم ہوں خوش نما تم مجھے کوئی سزا دے دو۔''

''سزا ہی سمجھ لو...... مجھے علیحدگی چاہیے......''

''مجھے تمہارا ساتھ چاہیے خوش نما...... تم مجھ سے الگ ہو گئیں تو مجھے زندگی بھر چین نہیں ملے گا۔'' وہ کرب سے کہتا ہوا خوش نما کو منت سے دیکھ رہا تھا۔

کئی لمحے خوش نما کے گرد سناٹے اُترے رہے لیکن وہ جیسے بت تھی...... بہری، اندھی۔

''میں تمہارے ساتھ اپنی محبت کی خاطر رہی تھی ہمایوں...... روپ کے شیدائی تم خود کو کھو یا مجھے، کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن اب تم ہمدردی میں مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو، یا پھر اپنے بوجھ کے کفارے کے طور پر...... مجھے تمہاری محبت نہیں چاہیے ہمایوں۔''

''پلیز خوشی۔ میرے جیسی غلطی تم مت دہراؤ۔ میں بہت برا ہوں مگر مجھے اچھا بننے کے لیے تمہارا ساتھ چاہیے کیونکہ میں صرف تمہارے لیے بننا چاہتا ہوں...... مجھے محبت نامی کوئی بھی چیز نہ ہوتی تو میں تمہارے سامنے کبھی شاید بے بس نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کی کوتاہیوں کو درگزر کر کے ہمیں پھر سے ''یوسف'' سے نوازے گا...... تم اگر چاہو گی تو ہم شہر چلے جائیں گے، سب بھول کر زندگی شروع کریں گے، اسی محبت کی خاطر مجھے مت چھوڑو جو اب تمہارے شکوؤں اور نفرت میں الجھ کر رہ گئی ہے...... مجھے تمہاری ضرورت ہے خوش نما۔''

ہمایوں حسرت سے اُس بت بنی لڑکی کو دیکھ کر شکست خوردہ سا کہتا رہا۔ وہ لڑکی جو ذرا سی توجہ پر خوش ہو اُٹھتی تھی اب جیسے پتھر پر کوئی ضرب اثر ہی نہیں چھوڑتی تھی۔

''خود کو وقت دو تم ہمایوں...... جذباتیت ختم ہونے پر تمہیں اپنی باتوں پر ہنسنا نہ پڑ جائے......'' خوش نما نے لب کشائی کی اور پھر خود ہی ہنستی چلی گئی۔

''مجھے چھوڑو، اپنے دل کی آخری بات مان لو خوش نما...... میرے دیے دکھوں سے نالاں ہو کر خوشی کو مت ٹھکراؤ۔ میں اتنا کہوں گا کہ ٹھوکر کھایا ہوا شخص دوبارہ غلطیاں نہیں دہراتا۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہو گا پھر مجھے تمہاری مرضی کے لیے وہ منظور ہو گا......''

گاؤں پہنچنے تک بارش مکمل طور پر تھم چکی تھی......

کچی پگڈنڈیوں پر جگہ جگہ پانی جمع تھا۔ کہیں بنے جوہڑ اور کیچڑ...... تاہم آسمان بہت نکھر چکا تھا۔ سفید بدلیوں کے نقش ونگار بہت حسین تھے ورنہ شفاف اُفق پر لازم تھا کہ دھنک کا خم نمایاں ہو جاتیں...... دھلے دھلے پیڑ پودے اور کھیتوں کی ہریالی طبیعت پر خوش گوار اثر ڈالتی تھی۔ خوش نما احتیاط سے چلتی ہوئی سوچتی جا رہی تھی...... آوازیں تھیں، بازگشت......

ایک لڑکی خوش نما...... جو کمال کا رقص کر لیتی ہے اور محبت بھی......

خوابوں میں سوچا گیا شہزادہ بہت آسانی تک اُس کی مٹھی میں آ گیا۔

''کچھ تصادم شروعات میں کتنے حسین ہوتے ہیں...... اور اختتام میں کتنے بھیانک......''

''اور پسند بھی تم اسے بار بار دیکھنے کی وجہ سے کرنے لگی ہو...... یاد کرو، تمہیں پہلے کبھی وہ پسند تھا؟''

''تمہاری خوشی کی سلامتی کے لیے کچھ بھی کروں گا میری جان......''

''یہ میرا خون نہیں...... یہ گندا خون......''

''انسان کبھی نہیں سوچتے کہ اُن کے اتنے کاری بولوں پر قدرت کیسے فیصلے لے لیتی ہو گی......''

''گندم کے ساتھ ''گیہوں'' پستے ہیں، سوکھے کے ساتھ ''سبز'' جلتے ہیں...... اور کتنا برا ہوتا ہے......''

''بٹیا، قدرت کی بناوٹ...... باہر شکل سے صاف خوب صورت نظر آنے والے اندر سے گلے سڑے و بدبودار ہو جاتے ہیں۔''

''پوری زندگی ایک ''غلطی'' اور ایک ''توبہ'' کے ساتھ نہیں گزاری جا سکتی......''

اور جیسے بادشاہ نے شہزادی سے کہا تھا...... اور شہزادی سمجھ گئی تھی......

''اپنے مقام سے گرنا کبھی آسان نہیں ہوتا...... بارش کے قطرے بادلوں کی آنکھوں میں ہوتے ہیں تو شفاف رہتے ہیں، جب آسمان سے زمین پر پڑتے ہیں تو بے وجود ہو جاتے ہیں...... کیا انسان اپنے مقام سے گریں گے تو کیچڑ نہیں ہوں گے؟''

ہمایوں نے اُس کی پشت دیکھی...... وہ خاموشی مگر ہموار چال سے چلتی جا رہی تھی۔ شاید فیصلہ ہو چکا تھا......

پھر یوں ہوا کہ اُس کے قدم ایک جگہ ڈگمگائے...... اُس نے اپنی آنکھوں کی بوندیں اُنگلی کی پوروں سے چنیں اور ''اپنے'' گھر کی طرف بڑھی...... ہمایوں کا دل رُک سا گیا۔

پھر وہ مسکرایا...... دل سے، نما نما...... اُس کے قدم اُلٹے مڑ گئے۔

☆☆☆

موم بتی پگھل کر آتشیں لو جگا رہی تھی۔

نیند میں ڈوبی خوش نما کو کسی سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ یک لخت اُس کے محسوسات جاگ گئے...... ٹانگوں میں جنبش ہوئی، جسم تھرتھرایا۔ یہ دورے کی علامت تھی۔ اُسے لگا، اُس کے کندھے پر کچھ ہے وہ خوف سے چیخنا چاہتی تھی کہ...... ایک دم ہمایوں جاگ گیا۔ وہ ہمایوں کا بازو تھا جو اُس کے گرد بنائے وہ ٹیک لگائے کچی نیند سو رہا تھا۔

''خوش نما میں ہوں، تمہارے ساتھ ٹھیک ہو؟'' خوش نما گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''پانی پیو گی؟'' ہمایوں نے نرمی سے دریافت کیا اُس نے کوئی جواب نہیں دیا تو اُس کا سر کندھے پر ٹکائے تھپکنے لگا۔ وہ کچھ دیر اسی حالت میں رہی...... یہاں تک کہ ہمایوں کو اپنے کندھے پر نمی کے پھیلنے کا احساس ہونے لگا۔ وہ رات رات بھر جاگتا تھا تاکہ خوش نما کو تنہائی محسوس نہ ہو، وہ جیسے تمام جذبوں سے عاری ہو چکی تھی...... جتنا بگڑ گیا تھا وہ کم تو نہ تھا۔

اُس نے خوش نما کے بالوں پر لب رکھ دیے۔ یہ بہتری کی نوید تھی...... کچھ وقت لگنا تھا۔ لیکن چیزیں ٹھیک اسے ہی تو کرنی تھیں...... کچھ بھی کرنا تھا، اپنی بیوی کے دل بہلانے کے ساماں کے لیے......

☆☆

عندلیب زہرا

میں عبیر فاطمہ

ہر ماہ کی پانچ تاریخ عبیر فاطمہ کے گھر بڑی ہنگامہ خیز ہوتی تھی۔ وہ اور سب بہن، بھائی دھلے دھلائے کپڑوں میں تتلی کی طرح اڑتے پھرتے۔ امی بھی سلائی مشین اور نمکو پیکنگ کا کام چھوڑ کر باورچی خانے میں کھانے تیار کرتیں۔ مٹر پلاؤ، دودھ والی سویاں، کبھی سموسے، دہی بھلے، دھلا دھلایا گھر، ہر چیز میں ترتیب، ہر کام میں سلیقہ، قرینہ نظر آتا۔

کبھی سہ پہر اور کبھی شام ڈھلے ماموں کی آمد ہوتی۔ چم چماتی گاڑی سے ماموں اترتے، سفید کلف لگے کپڑوں میں کتنے پروقار لگتے اور تمکنت سے سر اٹھا کر قدم بڑھاتی مامی پیچھے ملازم جس کے ہاتھ میں شاپر تھامے ہوتے۔ سب گھر والے لائن بنا کر ماموں مامی سے ملتے، ماموں امی کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور خطیر رقم کا لفافہ ہاتھ میں تھما کر تھوڑی دیر بعد ہی جانے کا عندیہ دے دیتے۔ امی کے پکے کھانوں کو کبھی کبھار ہی چکھنے کا شرف ملتا۔

''اور بھائی، دو نوالے لیں تھوڑا سا، آپ کی پسند کا کھانا ہے۔'' امی تکرار کیے جاتیں۔

مامی اس مہمان نوازی سے لاتعلق نظر آتیں۔ کچھ انجان، کچھ بے نیاز۔

ایک وقت تھا جب عبیرہ اور اس کے بہن بھائی ماموں کی گاڑی کو اتراتی نظروں سے دیکھتے، محلے کے بچوں کو جتلاتی نظروں سے دیکھتے۔

''ہاتھ مت لگاؤ'' وہ بچوں کو گاڑی کو ہاتھ لگانے سے روکتے۔ پھر پتا نہیں کیسے عبیر کا یہ فخر کم مائیگی میں بدل گیا اور وہ سارے ماحول سے کٹتی چلی گئی۔ وہ ماموں کی عزت کرتی تھی دل سے، ان کی ممنون رہتی، وہ اپنے ماموں کی خدمت گزار بھانجی تھی لیکن دل میں کسی کونے میں ان کے لیے شکوہ کناں رہتی۔ جب وہ ابا کو نظر انداز کر دیتے، بڑھے ہوئے ہاتھ کو دو انگلیوں سے مس کرتے گویا ملنے کا فریضہ پورا ہو چکا۔

میلے کچیلے، دبلے پتلے جھکے کندھوں والے ابا کتنے کمتر لگتے تھے ناں۔ عبیر کا دل دکھ سے بھر جاتا اور کم مائیگی کا احساس بھی۔

ماموں کے جانے کے بعد اس نے امی سے ایک بار شکوہ کیا۔

''کیا تھا، اگر ماموں، ابا سے ہاتھ ملا لیتے۔'' اس نے دلگیر لہجے میں شکوہ کیا۔

''نکھٹو اور نکمے مردوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی عبیر۔'' امی نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا اور عبیر کو چپ لگ گئی۔ وہ دیکھتی کہ امی کی بات سو فیصد درست تھی۔

امی اپنے سب بہن بھائیوں کا کام کرتیں۔ ہر غمی خوشی میں عاجزی کے ساتھ، سر جھکا کر، خاموشی سے، پھر بھی ان کا مقام نہ تھا۔ بینا خالہ اور چھوٹی خالہ چھوٹی ہونے کے باوجود معتبر سمجھی جاتیں۔ ان کی رائے صائب ہوتی اور مشورے مفید...... کیونکہ بینا خالہ کے شوہر بہت بڑے سرکاری افسر تھے اور چھوٹی خالہ دبئی میں کئی برس سے مقیم تھیں۔ ان کی آمد پر سب

الرٹ ہو جاتے۔ حتیٰ کہ ماموں بھی۔

ایسے میں دس گیارہ سال کی عبیر دیکھتی کہ وہ اور ان کی فیملی پس منظر میں چلے جاتے۔ جن کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

شاید عورتیں اپنے سے وابستہ مردوں کی وجہ سے معتبر ہو جاتی ہیں۔ عورت کا اپنا کوئی مقام نہیں ہوتا نہ حیثیت، مرد عورتوں کو عزت دیتے ہیں اور تحفظ بھی، ایسی کتنی باتیں اس کے ذہن میں گردش کرنے لگتیں۔

اس کی امی صدیقہ اپنے سب بہن بھائیوں میں خوب صورت تھیں، خوب سیرت، ہنر مند لیکن نکمے مرد سے شادی نے ان کی ہر خوبی کو گہنا دیا تھا۔ مشقت، صبر، سمجھوتا...... اور اب اس جدوجہد میں عبیر بھی خاموشی سے شامل ہو گئی تھی۔

''میرے اماں ابا نے ہر چیز دیکھی۔ خاندان، شکل، صورت، ذاتی گھر، چھوٹی فیملی ماسوائے لڑکے کے جو لاپروا، غیر ذمہ دار تھا'' دھاگا توڑتے ہوئے اکثر امی ماضی کے ابواب کھولتیں۔

''سب کہتے تھے لڑکا شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گا'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہتیں۔

''امی! آپ کتنی خوب صورت تھیں ناں'' چھوٹی ماہا پرانی تصویریں دیکھ دیکھ کر تبصرہ کرتی۔

''اب تو آپ کے بال گر گئے ہیں اور رنگت بھی خراب ہو گئی ہے'' اویس افسردگی سے کہتا۔ امی مسکرا کر بات پلٹ دیتیں۔ عبیر خاموش رہتی۔

''تم ہمارے کپڑے پہنتی ہو'' ماموں کی اقرا اسے اکثر جتلاتی۔

''ہمارے ڈیڈی ان کے بلز پے کرتے ہیں'' سعود اکثر تمسخرانہ کہتا۔ ماموں اور خالہ کے بچے آپس میں دوست تھے۔

''صدیقہ خالہ بہت پور (غریب) ہیں'' بینا خالہ کے بچے تبصرہ کرتے۔

یوں عبیر اپنی ذات میں سمٹتی چلی گئی۔ وہ کبھی دیگر کزنز کے درمیان نہ بیٹھی جو اسے، اس کا مقام جتلاتے۔

اس نے ٹیوشنز پڑھانا شروع کر دیں اور اقرا کے اترے کپڑے کبھی نہ پہنے۔ ہاں ماموں کی وہ اب بھی عزت کرتی۔ انہوں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا تھا تحفظ دیا تھا وہ ان کی مشکور بھی اور ممنون بھی، بس۔

☆☆☆

وقت اپنی چال چل رہا تھا، اتار چڑھاؤ کے ساتھ، سبک رفتاری کے ساتھ، بی اے کے بعد وہ



اسکول میں پڑھا رہی تھی۔ ذمہ دار، قابل اور حساس ٹیچر کب پرنسپل کو اچھی لگی اتنی اچھی کہ اپنے بیٹے شرجیل کے لیے رشتہ طلب کر بیٹھیں۔ جو سیلف میڈ اور محنتی انسان تھا۔ عبیر کو دیکھا تھا اس کا ذکر سنا تھا، حالات سے واقف تھا، سو خوش تھا۔

صدیقہ نے بھائی بھابھی سے مشورہ طلب کیا۔

''عبیر کو تو میں نے اپنی بہو بنانا ہے۔'' کم گو نخریلی مامی میں اچانک محبت امڈ آئی تھی۔ اتنی لگاوٹ پہلے کبھی نہ تھی۔ ماموں بھی متانت سے سر ہلا رہے تھے۔

امی گو مگو میں تھیں، ابا عضو معطل کی طرح، بہن بھائی ناسمجھی کے عالم میں بیٹھے تھے۔

اور عبیر وہ خوف زدہ تھی۔ اس کے علم میں سعود کے کرتوت تھے۔ آوارہ، نکما، غیر ذمہ دار، عورتوں کا رسیا۔

کیا ایک اور صدیقہ کا جنم ہونے والا تھا؟

اس نے دزدیدہ نگاہوں سے سلائی مشین دیکھی، جو گھر رگھر رکی آواز کے بعد اب رکنے لگی تھی۔ تھکنے لگی تھی ان عورتوں کی طرح جو نکمے مردوں کی زندگی میں ساتھ نبھاتے نبھاتے تھکنے لگتی ہیں۔ ہانپنے لگتی ہیں۔ لیکن نہ سفر ختم ہوتا ہے نہ مشقت۔

''سعود کیا کرتا ہے؟'' ابا نے اچانک سر اٹھا کر سوال کیا تھا مامی گڑبڑا کر ایک لحظے کو خاموش ہو گئیں۔

''باپ کا سب کچھ اس کا ہے گھر، کاروبار، لاڈلا ہے ناں شادی کے بعد سب لڑکے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔'' مامی کی زبان فراٹے سے چل رہی تھی۔

''شادی کے بعد.....شادی کے بعد'' یہ جملہ عبیر کے گرد چکرا رہا تھا۔

''بس ہم اگلے ہفتے رسم کرنے آئیں گے۔'' مامی نے تحکمانہ انداز میں کہا، ماموں کچھ خاموش تھے۔

''تم سوچ لو، ایک بار پھر۔'' امی کی گو مگو صورت دیکھی تو رسانیت سے بولے۔

''ارے ساری زندگی آپ کی کمائی کھائی ہے.....کیا سوچنا انہیں تو شکر گزار ہونا چاہیے۔'' مامی کی پاٹ دار آواز بھی گھر میں چھائی خاموشی کا تاثر ختم نہیں کر پا رہی تھی۔

''بھائی! سعود کے دوست، حوالات، لڑکی کا معاملہ۔'' امی کی آواز گھٹ گئی تھی۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں افواہ تھی۔'' مامی نے مکھی اڑائی گویا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شاید مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ وہ رات سب پر بھاری تھی۔

امی جو سعود سے قطعاً مطمئن نہ تھیں مگر بھائی کے احسانات تلے دبی ہوئی تھیں، ابا جو عضو معطل تھے۔ غیر ذمہ دار نکمے مردوں کے گھر کے فیصلے یونہی دوسرے لوگ کرتے ہیں اپنی جاگیر سمجھ کر۔ عبیر کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ جب اس نے تاریکی میں ایک ہیولا دیکھا۔ کمزور، لاچار، بے بس وہ امی تھیں۔ خاموشی سے اس کی پائنتی کی طرف بڑھ گئیں۔

''عبیر فاطمہ!'' تاریکی میں آواز گونجی۔

''جی۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔ لیکن لہجے کی لرزش نہ چھپا سکی۔

''سو گئی۔''

''نہیں! بس۔'' وہ پھر سے رونے لگی۔

''میری بچی میں تجھے دوسری صدیقہ نہیں بننے دوں گی۔'' انہوں نے پیار سے اس کا چہرہ ہتھیلی میں بھرا۔ تو عبیر کی آنکھوں سے کئی آنسو ٹوٹ کر ماں کی ہتھیلی میں جمع ہو گئے۔ صدیقہ ان آنسوؤں کو غور سے دیکھنے لگیں۔ جن میں ماضی کے عکس بن اور بگڑ رہے تھے۔

''ارے لڑکا بہت خوب صورت ہے، اکلوتا ہے، اپنا گھر، ماں باپ خوشی سے نہال تھے۔''

''سنا ہے لڑکا لاپرواہے۔ باپ کے پیسے پر عیش کرتا ہے۔'' کوئی سرگوشی میں کہتا۔

”ارے لڑکے بالے یونہی ہوتے ہیں...... ماں باپ، خاندانی شریف ہیں۔ شادی کے بعد سدھر جائے گا۔“ اماں ناک پر سے مکھی اڑاتیں۔

”اتنے امیر لوگ تمہارے گھر آئے کیسے۔“ کوئی ان کے مڈل کلاس گھر کو حیرت سے دیکھتا اور طنزاً سوال کرتا۔

”میری صدیقہ کی خوب صورتی دیکھی ہے۔ سب میں الگ دِکھتی ہے۔“

اماں کو اس کی خوب صورتی پر ہمیشہ سے ناز رہا تھا اور لالچ کا انجام وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

امیر لوگوں کو غریب گھرانہ درکار تھا اپنے بگڑے بیٹے کے لیے۔ ساس، سسر کی وفات کے بعد شوہر نے پیسہ اڑا دیا۔ کاروبار تباہ بس گھر اپنا تھا سو عزت سے وقت گزر گیا کیسے؟ یہ وہی جانتے تھے جو اس چھت تلے رہتے تھے۔

دوسروں کا دست نگر بن کر رہنا آسان کام نہیں ہوتا۔ خوب صورت، بااعتماد، سمجھ دار صدیقہ اپنے ہی بہن بھائیوں میں کم عقل اور کم تر ہو گئی۔

غریب، کم عقل ہو جاتا ہے اور بے وقوف بھی...... اور شاید بدقسمت بھی۔

عبیرا ایسے انجام سے ڈرتی تھی۔

☆☆☆

”ابا! آپ ساری زندگی ہمارے لیے کچھ نہیں کر پائے لیکن اب آپ ... دکا میری خاطر۔“ صبح ناشتے کے بعد عبیر ابا کے پاس بیٹھ گئی۔ جو خلاف معمول گھر پر تھے۔

”تیرے چھوٹے بہن بھائی، ماں کی بیماری۔“ ابا بے بسی سے گویا ہوئے۔

عبیرہ کو لگا وہ جلتی دھوپ میں تنہا ہے اور اسے یہ جنگ خود لڑنی تھی۔ اس نے ماموں کا نمبر ملایا۔ کال کاٹی پھر ملائی پھر کاٹی آخر بے بسی سے رونے لگی۔

اچانک اسے کندھے پر کسی کا دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے سر اٹھایا وہ اویس تھا۔ بچپن سے نکل کر نوعمری کو چھوتا۔

”آپی! میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں سعود بھائی کو انکار کروں گا۔“ اس کے لہجے میں بڑے بھائیوں والی بزرگی تھی۔ فکر مندی تھی۔

”آپی! وہ آپ کے قابل نہیں ہیں۔ ہم انکار کر دیں گے۔“ ماہا نے ہمدردی سے ہاتھ سہلایا۔

اویس نے نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی، ماموں نے کال اٹینڈ کی اس نے موبائل عبیر کو تھما دیا۔ دونوں بہن بھائی اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

”ماموں۔“ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

”مم...... میں۔“

”عبیر فاطمہ کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا ہے ہم اس پر غور کر رہے ہیں۔ آپ سے مشورہ درکار ہے اپنی صائب رائے دیجیے۔“ اچانک اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر امی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں جب ابا نے فون تھام لیا۔

”میں چاہتا ہوں کہ میری عبیر کو ایسا جیون ساتھی ملے جو ہنر مند با کردار اور شریف ہو۔ رشتے نبھانے والا...... آپ کی طرح۔ لاپروا نہ ہو میری طرح...... آپ کے سعود کی طرح۔“ ابا نے بات ختم کی اور مسکراتے ہوئے عبیر کو دیکھا۔ جہاں بے یقینی تھی، حبس ختم ہو گیا تھا اور موسم ہلکا پھلکا۔

ابا کے محض ایک جملے نے فیصلہ کر دیا تھا۔ اسے اب ساری زندگی ابا کا احسان مند ہو کر رہنا تھا۔ ماموں واقعی رشتے نبھانے والے تھے۔ بھانجی کی قابلیت اور سیرت سے بھی آگاہ تھے اور بیٹے کے کردار سے بھی۔

☆☆☆

”میں عبیر فاطمہ!“

جو خواب دیکھتی تھی ایسے ہم سفر کا جو کسی فلمی ہیرو سے مشابہ نہ ہو...... چاند تاروں کی باتیں نہ کرتا ہو فلمی گیت نہ سناتا ہو مگر ذمہ دار، تحفظ دینے والا مرد ہو اور شرجیل کے روپ میں خواب مجسم ہو گیا۔

جو بڑے بنگلے میں نہیں رہتا۔ بہت پیسے والا نہیں ہے لیکن ایسا ہے جس کی موجودگی مجھے خوشی بھی دیتی ہے اور اعتماد بھی۔

☆☆

آسیہ مرزا

میرے ہم نفس میرے ہم نوا

حیات علی کی تین بیٹیاں تھیں۔ یہ ایک متوسط گھرانہ تھا۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ راحیلہ بیگم کے سگھڑاپے کا منہ بولتا ثبوت۔ اولاد کی تربیت میں کہیں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ نیلوفر تو تھی ہی ماں کی طرح صابر و شاکر اور ارسلہ نے اس کا لقب قارئ آپا رکھ دیا تھا۔ اریبہ چھوٹی فرسٹ ائیر کی طالبہ تھی۔ بس پڑھائی اور موبائل گیمز سے دلچسپی تھی مگر اماں کا درد سر تو ارسلہ تھی۔

نیلوفر کی منگنی جہاں ہوئی تھی وہ لوگ بہت لالچی تھے اور آئے دن کوئی نہ کوئی مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ ارسلہ کو اس کی خالہ کا بیٹا سکندر پسند کرتا تھا لیکن غربت کی وجہ سے ارسلہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مہوش جیلانی اور اکبر جیلانی کے دو بچے ہیں، رومی اور آبص۔ آبص ایک حادثہ کی وجہ سے اپنی زندگی سے بے زار ہے۔

نادیہ شاہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ کالج کے ایک ٹور پر اس کی ملاقات آبص سے ہوتی ہے جہاں دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

آبص کی ماں کو اس رشتے سے اختلاف ہوتا ہے اور وہ نادیہ شاہ کے گھر جا کر اس کی بہت بے عزتی کرتی ہیں۔ جب وہ اس کے بھائی کو مروانے کی دھمکی دیتی ہیں تو مجبوراً نادیہ شاہ آبص کو چھوڑ دیتی ہے اور اپنا گھر بھی تبدیل کر لیتی ہے۔

ارسلہ کو اپنی دوست رومی کے بھائی آبص میں اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آتی ہے۔ جب اس کے گھر والے آبص کا رشتہ طے کر آتے ہیں تو وہ زبردستی اپنی بات منواتی ہے۔



ارسلہ کی شادی آبص سے ہوجاتی ہے لیکن وہ اس بات سے انجان ہے کہ آبص ایک حادثہ میں اپنی ٹانگ سے محروم ہوچکا ہے۔

گیارہویں قسط



"ارے ارے...... ذرا ٹھہرو، گاڑی کہیں روک دوں۔ ایسا نہ ہو تم آئی لو یو بول دو اور میرے دل کی دھڑکن تھم جائے اور گاڑی کسی پول سے ٹکرا جائے۔" حمزہ خوف زدہ ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا اور گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا پھر بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا۔

"قسم سے تم نے جس ڈرامائی انداز میں کہا ناں کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، مجھے تو یہی لگا۔" وہ یک دم لب بھینچ کر نگاہیں چرا گئی۔

"میرا خیال آئس کریم کھاتے ہیں اور یہیں بیٹھ کر تمہاری بات بھی سن لیتا ہوں۔" اس نے آئس کریم بار کے سامنے گاڑی روک دی۔ "آئس کریم دل و دماغ کو سکون بخشتی ہے، خاص کر گرمی کے موسم میں۔" وہ زور زور سے ہارن دینے لگا۔ آئس کریم پارلر سے لڑکا بھاگتا ہوا آیا۔

"مجھے آئس کریم نہیں کھانی حمزہ۔ ہم گھر چلتے ہیں۔" وہ اضطراری انداز میں بولی۔

"آ...... چھا۔" اس نے بیٹھے بیٹھے ہی رخ موڑا۔ ایک لحظہ کے لیے چپ ہو کر اس کی شکل دیکھی پھر مسکرا دیا۔ "چلو آئس کریم کھالو۔ بات گھر جا کر کر لیں گے۔ مجھے لگتا ہے تم کچھ کہنے سے ہچکچا رہی ہو۔" اس نے نزدیک آئے بچے کو آئس کریم کا آرڈر دیا پھر مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آج دھوپ نہیں ہے یا شاید تم ساتھ ہو اس لیے محسوس نہیں ہو رہی ہے۔" اس نے شیشے کے باہر جھانکا۔

"امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ سخت بے بسی محسوس کر کے رہ گئی تھی۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش بلکہ ہر بات کر دینے کی خواہش دل میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ اس کے معصوم بے ریا چہرہ اور خوش فہمی سے بھری چمکیلی مسکراہٹ نے اس کے حوصلے کو پست کر دیا تھا۔ وہ عجیب آزردگی کی لپیٹ میں تھی۔ حمزہ نے اس کا پسندیدہ آئس کریم فلیور منگوایا تھا۔

"مجھے یاد ہے، بچپن میں اس فلیور کے لیے تم کتنی ضد کرتی تھیں۔"

وہ ڈسپوزل کپ میں سجی آئس کریم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔ میں ضدی تھی کیا؟"

"نہیں۔ ضدی تو نہیں تھیں مگر اس فلیور کے لیے ضد کرتی تھیں۔ خیر۔ تم شاید ان ایزی فیل کر رہی ہو۔" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بالکل درست اندازہ لگا رہا تھا۔ وہ چپ رہی۔ غنیمت جانا کہ وہ ہارن دے رہا تھا۔ اس نے آئس کریم پارلر سے بھاگ کر آنے والے بچے کو پیسے پکڑائے، اپنی ادھوری آئس کریم کا کپ بھی تھمایا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ وہ شرمندگی محسوس کر کے رہ گئی کہ اسے تسلی سے آئس کریم بھی کھانے نہ دی۔ مگر وہ کیا کرتی یکا یک عجیب سی وحشت سوار ہو گئی تھی۔ وہ جلد از جلد گھر جانا چاہتی تھی، ایک طرح سے حمزہ کی نگاہوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔ اس کی قربت سے فرار چاہ رہی تھی۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی تو وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اترنے لگی۔ اس کے اس انداز پر حمزہ ایک گہری سانس کھینچ کر ہنسا۔

"لگتا ہے مجھ سے جان چھڑانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی ہے تمہیں۔" وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے نزدیک آیا۔

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ خجل ہو گئی۔

"تم اندر آؤ ناں۔" وہ ادپری دل سے بولی۔

"ایک شرط پر آؤں گا......" وہ ذرا سا آگے ہو کر اس کی سمت جھکا۔ "جو بات کرنے والی تھیں وہ کرو گی۔" نادیہ شاہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ پلکیں لرز کر جھک گئیں۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا کن خوش فہمیوں کو پال بیٹھا تھا۔

”میرا خیال ہے تم نو دو گیارہ ہو جاؤ، یہ زیادہ اچھا ہے۔“ وہ یک دم ہلکی سانس کھینچ کر اپنے اعصاب سنبھال کر مسکرانے لگی۔
”یعنی چلا جاؤں۔“ وہ مصنوعی پن سے اسے گھورنے لگا۔ وہ ہنستے ہوئے سر اثبات میں ہلانے لگی۔
”انکار کی لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے“
ساتھ ہی اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔
”تم بھی نا۔“ وہ مسکرا دی اور پلٹنے لگی۔ تب اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے اسے روکا۔ وہ ٹھٹکی۔
”نادی ڈیر! اگر کوئی میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہو تو کیا اخذ کرنا چاہیے......“ وہ ابرو اچکا کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ ”میرا خیال ہے یہی کہ اس میں مقابلے کی طاقت نہیں اور جانتی ہو، مقابلے کی ہمت اس وقت جواب دے جاتی ہے جب اندر سے ہار مان لی جائے۔ دل شکست قبول کر لیتا ہے۔“ وہ یوں بولا جیسے کوئی استاد کم سمجھ طالب علم کو آگاہ کر رہا ہو۔
”یہ تمہارا غلط تجزیہ بھی ہو سکتا ہے۔“ وہ دھیرے سے بولی۔
”ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ اینی وے۔ ہار مان لو تو بتا دینا۔“ وہ ایک طرف ہو کے اسے جانے کا راستہ دیتے ہوئے بولا۔
”حمزہ...... تم......“ وہ تڑپ کر پلٹی اور سخت بے بسی کے احساس کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔
”محبت میں طالب کی نگاہ راستوں کی تکلیفوں پر نہیں، منزل پر ہوتی ہے۔ راستہ طویل ہو یا مختصر، راستے کا تعین درست ہو تو منزل آ ہی جاتی ہے۔“ وہ اس کے پلٹنے پر اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے جمائے بے حد اعتماد سے بولا۔
وہ افسردگی سے ہلکی سانس بھر کر رہ گئی۔
”اگر راستے کا تعین درست ہی نہ ہو تو آگے جا کر پچھتاوا ہو جائے کہ کتنے درخت پیچھے چھوڑ آئے۔ اس چھاؤں کے لیے جو چھاؤں نہ بن سکی۔“ وہ بے اختیار کہہ گئی۔
”یہ تم عورتیں ہر رشتے میں خوف، وہموں اور اندیشوں کو پہلے دل میں جگہ کیوں دیتی ہو......“ گویا اس کی بات کو اس نے کوئی معنی نہیں پہنائے۔ ”یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم......“ یہ کہہ کر وہ ہلکے سے ہنسا اور گلاسز آنکھوں پر جمائے۔ ”اور سنو، مجھے پورا یقین ہے میں نے بالکل درست راستے کا انتخاب کیا ہے۔ الہام ہو جاتا ہے مجھے۔“ اس نے چھیڑا۔ پھر ہاتھ ہلا کر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ دوسرے پل گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔
وہ گھر کے دروازے پر رک کر پلٹ کر اڑتی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کے وجود پر ایک ایسی اجنبی سی گمبھیر اداسی چھا گئی تھی جیسے شام ہوتے ہی کسی بیوہ کے گھر کے آنگن میں اتر جاتی ہے۔
جیسے ریل کے گزر جانے کے بعد چھوٹے سے اسٹیشن پر پھیل جاتی ہے۔
وہ ڈھیلے ہاتھ سے دور بیل بجانے لگی۔

☆☆☆

رومی کی رسم میں وہ خاصی پیش پیش رہی۔ مہوش نے اسے بہت شان دار شاپنگ کرا دی تھی۔ رومی سے ذرا کم قیمتی سوٹ پہنا تھا مگر بے حد خوب صورت اور اس کے ہمراہ میچنگ جیولری۔ اچھے پارلر سے بالوں کو آگے سے دیدہ زیب اسٹائل دے کر آئی تھی۔ قرینے سے کیے گئے میک اپ میں وہ کسی مغرور حسینہ کی طرح ادھر سے

اُدھر گھومتے ہوئے، جان کر آبص کے سامنے سے گزری، اس کا خیال تھا وہ اسے پکارے گا اور وہ اسے نظر انداز آگے بڑھ جائے گی۔ وہ بے قرار ہو جائے گا اور وہ اس کی بے قراری پر فخر سے ہنس دے گی مگر ایسا کچھ ہوتا نظر نہ آ رہا تھا۔ سو اس کی اپنی بے چینی بڑھنے لگی۔

مہمان رخصت ہو گئے۔ رومی نے لابی کے ایک سنگل صوفے پر پہلے اپنا موبائل لے کر سیلفیاں لیں پھر اپنے فیانسی سے گفت و شنید میں مصروف ہو گئی تھی۔ مہوش لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ملازم ڈائننگ اور ڈرائنگ روم کی حالت سدھار رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں آئی اور جان کر جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر آئی تاکہ وہ سو بھی رہا ہو تو جاگ جائے مگر وہ پہلے ہی جاگ رہا تھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس کے جارحانہ انداز کو محسوس کر گیا تاہم کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہ کیا۔

"جھوٹے اور دھوکے بازوں سے دنیا بھری پڑی ہے، ذرا جو احساس ہو۔ شرم نام کو تو ہو۔" وہ بڑبڑاتی ڈریسنگ کے سامنے جا کر جیولری اتارنے لگی۔ "افسوس دو دن میکے رہ کر آئی ہوں مگر اس کا کوئی خاص اچھا اثر نہیں پڑا تم پر۔" وہ کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"سنا تھا کہ آب وہوا کی تبدیلی دل پر بڑا خوش گوار اثر چھوڑتی ہے۔"

"زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے......" وہ جارحانہ انداز میں پلٹی۔ "خوشی خوشی نہیں گئی تھی میکے اور پلٹ کر نہ آتی ناتو پتا لگ جاتا آج آپ کو بھی اور آنٹی کو بھی۔"

"تم کو میں نے اتنی کالز کی تھیں اور مجھے نہیں خبر تھی کہ تم صبح صبح ہی میکے دوڑ جاؤ گی۔ میں اٹھ کر سوری کرنا چاہتا تھا تم کو، مگر تم نے موقع ہی نہیں دیا......" وہ قدرے سنبھل کر بات کو بڑھانے کے بجائے سمیٹتے ہوئے بولا۔ "اینی ویز۔ ایک بار پھر سوری کر رہا ہوں۔ گو کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر جو ہوا بے ساختگی اور بے ارادہ ہوا تھا۔" اس کا لہجہ وضاحتی تھا۔

"آپ کی شاید خاندانی عادت ہے بندے کو پہلے تماچا مارو، زخمی کرو پھر سوری کہہ دو۔ مہذب لوگ ہیں نا آپ۔ لفظ سوری کی کوٹنگ کر کے رویوں کی ساری بدصورتی چھپا دیتے ہیں۔" وہ جلے کٹے انداز میں بولی۔

آبص اس پر ایک متاسفانہ نظر ڈال کر رہ گیا۔ کتنی حسین تھی وہ، مگر اس کا حسن اس کی زبان کھلتے ہی بدصورتی میں ڈھل جاتا تھا۔

رشتوں ناتوں کی زنجیر میں جکڑا انسان کس قدر کمزور ہو جاتا ہے، اس کا احساس پہلی بار شدت سے آبص کو ہونے لگا۔ خصوصاً جب اتنے چاہنے والوں کی نگاہ آپ پر جمی ہو۔ آپ سے وابستہ ہو ان کی عزت۔

وہ بھی اس بدزبان جھگڑالو اور لالچی فطرت والی لڑکی کو محض اسی لیے سہہ رہا تھا۔

"سچ ہی ہے ازدواجی تعلقات خلوص اور سچائی کی بنیاد پر ہی قائم ہونے چاہئیں۔ تعلق میں خلوص اور سچائی نہ ہو تو وہ سراسر فریب ہے۔ غرض پر قائم ہونے والے تعلق میں آسودگی نہیں ہوتی۔"

اس نے زور سے کتاب بند کر دی۔

"رشتے احساس سے زندہ رہتے ہیں، انہیں محسوس کیا جائے، اہمیت دی جائے، تب ہی قائم رہتے ہیں۔ محسوس نہ کیا جائے تو اس کھردرے پودے کی مانند ہو جاتے ہیں جن کا ہونا محض کانٹے کی طرح آپ کو اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ سچ کہا آپ نے مگر شادی کی رات ہی آپ نے رشتے کی ڈور کاٹ دی تھی۔ اس احساس کو بجھا ڈالا تھا، اب کسی برتتے پر محسوس کروں میں۔" وہ دوبدو بولی۔

"دیکھو ارسلہ! نادیہ شاہ سے میرا کوئی شرعی رشتہ نہیں ہے، مگر تمہارے ساتھ ہے اور یہ بات ذہن میں رکھو

کہ میں تمہارا شوہر ہوں، نادیہ شاہ کا نہیں۔ وہ میری زندگی میں تھی "تم" ہو۔ وہ جا چکی ہے۔ تم...... موجود ہو۔ اور پنے وجود کا احساس کرواؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، تمہاری موجودگی، تمہارا وجود۔" وہ کتاب ایک طرف پھینکنے کے انداز میں رکھتا ہوا بولا۔ اس کے انداز میں دبا دبا غصہ تھا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

"شرعی شوہر ہونے سے رشتے کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ یہ حوالہ اس وقت مضبوط نظر آتا ہے جب س میں دیانت داری بھی ہو۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"اوہ" وہ ابرو اچکا کر مسکرایا۔ مگر اس مسکراہٹ میں شگفتگی نہ تھی بلکہ افسوس اور برہمی تھی۔ "تو پھر دیانت ار اور خود غرض تو تم بھی ہو۔ تم نے بھی یہ تعلق غرض سے ہی باندھا ہے۔ اب چاہے اس غرض کو تم خوابوں یا اپنی خواہشوں کی تکمیل کا نام دو یا شوق جستجو کا۔ مگر دولت حاصل کرنے کے لیے تم نے مجھے قبول کیا اور اب بھی یہی تقاضا ہے تمہارا۔ تو پھر الزام صرف مجھے کیوں دیا جائے۔ دیانت دار، وفادار اور مخلص تو تم بھی نہیں ہو ارسلہ۔"

وارڈ روب سے اپنا نائٹ گاؤن نکالتے ہوئے بلبلا کر پلٹی۔ آبص کے الفاظ تیر کی طرح اس کے عصاب پر لگے تھے۔

"چلیں، یہی سمجھ لیں۔" وہ اندر ہی اندر اس کھلی اہانت پر گیلی لکڑی کی طرح سلگی تھی مگر اعصاب کو سنبھال کر اس کی طرف آئی۔

"اس کے باوجود میرے تقاضے پورے نہیں ہوئے۔ آپ کو بیوی مل گئی، معاشرے میں مقام مل گیا۔ آنٹی کی اپنے سرکل میں عزت رہ گئی۔ مگر میرے ہاتھ تو کچھ بھی نہیں آیا۔" وہ تیکھے پن سے کہہ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ "دھوکے باز نہ کہوں تو کیا کہوں۔" اس نے چٹختے اعصاب کے ساتھ باتھ روم کا دروازہ پٹاخ سے بند کر دیا۔

آبص مجروح نظروں سے دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔ غصے کا احساس دل کے ہر گوشے سے اٹھ رہا تھا۔ رگوں میں خون کی جگہ آگ دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ لیٹ کر کروٹ بدل گیا۔ عجیب ذلت کا احساس ہو رہا تھا۔ جس تنتنے سے گئی تھی، اس سے کہیں زیادہ تنتنا اور کڑواہٹ بھر کر لائی تھی اپنے ساتھ۔ جبکہ وہ اس کے آنے تک یہی سوچتا آ رہا تھا کہ اس سے معافی مانگ لے گا۔ اپنا رویہ نرم رکھے گا، اس کی رنجیدگی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس نے ایک خوب صورت کلائی کی گھڑی کا تحفہ لے کر رکھا تھا۔ وہ کسی اچھے دوست کی طرح س کے ہمراہ یہ لمحات گزرنا چاہتا تھا۔ اس چخ چخ سے وہ بے زار ہو گیا تھا۔ مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس حد تک بے حسی کا مظاہرہ کرے گی۔ نہ صرف اس کے رویے کڑوے اور ناقابل برداشت ہوتے جا رہے تھے بلکہ س کے تقاضے بھی بڑھتے اور مضبوط ہوتے جا رہے تھے۔

اس کی سوچوں کی طنابیں یوں ہی تنی پڑی تھیں۔ وہ کپڑے بدل کر بستر پر آ کر لیٹ گئی تھی اور یہ سوچ سوچ کر آبص سلگتا رہا کہ اسے اپنی کسی بھی بدکلامی کا بالکل بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔

☆☆☆

صبح امی اس کے کمرے میں آئیں تو وہ چائے کا مگ تھامے کھڑکی کے پاس کھڑی باہر صحن میں نگاہیں جمائے مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔ رات بھر کی بے خوابی اور ذہنی پراگندگی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"ماضی اگر تلخیوں رنجشوں سے بھرا ہو تو اسے دل سے لگائے رکھنے کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اس تلخ ناآسودہ ورق کو اس کتاب سے پھاڑ دو نادی۔"

نادیہ شاہ نے اپنے کھنچتے ہوئے اعصاب کو گہری سانس کھینچ کر ڈھیلا چھوڑتے ہوئے پلٹ کر امی کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی یہ ایک طرح کی تمہید تھی۔ وہ حمزہ کے حق میں اسے دلائل دینے آئی تھیں۔

''اگر کتاب کا ورق ہوتا تو ضرور پلٹ دیتی۔ پھاڑ کر الگ کر دیتی مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت اس کی یہ اثر انگیزی کب تک طاری رہتی ہے مجھ پر پتا نہیں۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''نہیں نادیہ۔ ایسا نہیں ہے، یہ محض انتہا پسند سوچ ہے۔ جب انسان خود فانی ہے تو اس کی سوچ، اس کی کیفیات، اس کے جذبات سب فانی ہیں۔''

''آپ شاید مجھے حمزہ کے لیے قائل کرنے آئی ہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی مگر اس کی مسکراہٹ میں افسردگی جھلک رہی تھی۔

''ہاں۔'' امی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''میں تمہاری خیرخواہ ہوں۔ تمہیں یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ انسان ہو کر ہمیں بہت سی چیزوں، رشتوں اور رویوں پر سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے آبص سے شادی کرنے کے بعد بھی تمہیں سمجھوتے کی زندگی گزارنی پڑتی۔ اسے چھوڑ کر بھی اور حمزہ کو پا کر بھی۔ اسے کھو کر بھی...... تو پھر ان میں جو سب سے بہتر راستہ نظر آرہا ہو، اس طرف کیوں نہ قدم بڑھا دیے جائیں۔ رفتہ رفتہ تم اپنی زخموں کی اذیت کو محسوس کرنا چھوڑ دو گی۔ انسیت ہو جائے گی تمہیں حمزہ سے۔'' امی نے اس کے کندھے کو نرمی سے تھپکا۔

''میں پریشان ہوں تو صرف اس لیے نہیں کہ میں آبص کو بھولنا نہیں چاہتی۔'' وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔ ''بلکہ حمزہ جیسے مخلص، سچے اور دیانت دار انسان کو دھوکا دینے سے خوف زدہ ہو گئی ہوں۔ یہ منگنی میں نے کرلی، تب میں حمزہ کو اتنے نزدیک سے جانتی نہیں تھی۔ مگر جب اسے جاننے لگی تو مجھے لگا میں ایک بہت پیارے انسان کو دھوکا دے رہی ہوں۔ اس کی بے پایاں محبت کے بدلے دھوکا...... یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی اس کے ساتھ وہ بھی میرے ہاتھوں...... یہ کیسے ہوسکتا ہے امی۔ میں اتنی بے رحم تو نہیں ہوں۔'' وہ شدید اذیت محسوس کر رہی تھی پھر کپ تپائی پر رکھ کر کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''میں اس کے ہاتھ میں ایک پھیکا بے رنگ پھول دے دوں۔ محبت میں بے اعتنائی کا ہلکا سا چھینٹا بھی محبت کی شفاف چادر پر صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ دھوکا محبت کے پودے کو کھا جاتا ہے امی۔ حمزہ کی محبت کے پودے کو تناور درخت بننے اور پھر ٹوٹتے نہیں دیکھنا چاہتی یا تو اس سے دور ہٹ جاؤں یا پھر اسے وہ سب بتا دوں جو میرے دامن میں بھرا پڑا ہے۔ کل یہی باتیں مجھے اور ہمارے درمیان بنتے رشتے کو داغ دار کر دیں گی۔''

امی نے تڑپ کر اسے دیکھا اور کچھ کہنا چاہا مگر اس نے ہاتھ جوڑ کر انہیں کچھ کہنے سے روک دیا۔

''پلیز امی...... پلیز۔ میں حمزہ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتی۔ فیصلے کا اختیار میں اسی کے ہاتھ میں دینا چاہوں گی۔ پھر جو فیصلہ کرے گا وہ، مجھے قبول ہوگا مگر اسے بے خبر رکھ کر میں اس کے ساتھ یہ ظلم نہیں کروں گی۔ میری غیرت اور آپ کی تربیت یہ گوارا نہیں کرتی۔'' وہ کرسی سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ امی نے مجروح نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ ان کا بدن کانپنے لگا۔ وہ نڈھال سی نزدیک رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

کوئی مرد بھلا اتنا وسیع قلب کہاں ہوگا جو تمہاری محبت کے قصے سن کر ہنستے ہوئے تمہیں اپنا لے گا۔ چاہنے والوں کو بھی تو چاہت کی طلب ہوتی ہے۔ اف یہ کیسا ظلم خود پر ڈھانے چلی ہو نادی۔ وہ سخت نڈھال اور شکستہ نظر آنے لگی تھیں۔

☆☆☆

نیلوفر کی نند سلمیٰ آپا نے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی، وہ گھر آئی تھیں اور کسی کام سے باورچی خانے کے سامنے سے گزریں۔ ادھر نیلوفر کو گوشت بھونتے بھونتے چکر آنے لگے، طبیعت بگڑنے لگی متلی آنے لگی۔ اس نے سلمیٰ آپا کو مدد کے لیے پکارا۔ اور بولی۔

''آپا۔ پلیز، یہ گوشت بھون لیں۔ میں ابھی آئی۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر باورچی خانے سے نکل بھاگی، دامنہ بھر کرتے نہ نکل جائے۔

ادھر سلمیٰ آپا کو پتنگے لگ گئے۔ان کی نند ہونے والی انا پر گویا گرم چھینٹا پڑا تھا۔ وہ بلبلا اٹھیں۔ مارے غصے پانی بھر جگ ہنڈیا میں انڈیل دیا اور اماں کے پاس جا کر شور مچانے لگی۔

نیلوفر کی مجال کیسے ہوگئی کہ نند کو کہہ دیا سالن پکالو۔

''ہائے اماں۔ یہ اوقات ہے میری، احمر اور اس کی بیوی کی نظر میں...... پورے بائیس دن کے بعد آئی ں اور مہارانی مجھے کہتی ہے سالن بنالوں اور خود جا کر کمرے میں بند ہوگئی۔'' اس کا واویلا اماں کو تڑپا گیا۔ بیٹی کی بت میں تڑپ کر نیلوفر کو جالیا۔

''ارے شرم نہیں آئی تمھیں۔ نند سے کام کرواؤ گی، یہی سکھایا ہے تمہارے اماں ابا نے کہ بڑی نند کو بے زت کرو۔ تاکہ وہ دوبارہ نہ آئے۔''

''خدانہ کرے اماں۔ وہ تو مجھے متلی ہو رہی تھی، بھوننے کی وجہ سے۔ گوشت جل نہ جائے اس لیے میں نے پا سے کہہ دیا۔ معاف کر دیجیے، غلطی ہوگئی۔ مجھے چولہا بند کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ مجرمانہ انداز میں ایک طرف ھڑی تھی۔

''بس بس رہنے دو۔ ایک تم ہی ماں نہیں بننے جا رہی ہو، ہم نے بھی دو دو بچے پیدا کیے ہیں۔ میں نے تو ی نند کو کبھی ایسے آرڈر نہیں چھوڑ دیے، نہ ایسے ناٹک کیے تھے۔'' سلمیٰ آپا تڑخ کر بولیں۔ یوں تو وہ احمر اور نیلوفر و خوش خبری پر مبارک باد دینے آئی تھیں صبح سے، مگر اب کون سی خوشی اور کون سی مبارک۔ الٹا قضیہ کھڑا کر رکھا ا۔

ادھر نیلو یہ بھی نہ کہہ سکی، آپ نے کون سا گوشت بھون لیا۔ الٹا جگ بھر کر پانی ڈال دیا۔ سارا مزا خراب ر کے رکھ دیا تھا۔ وہ ساس کی کھری کھری سن کر کمرے میں چلی آئی۔ مگر احمر کے آنے پر پھر وہی سلمیٰ آپا کا رونا ونا شروع کر دیا اور مصنوعی خفگی دکھا کر بیگ اٹھا کر گھر سے نکلنے لگیں تو احمر نے انہیں بڑی منتوں سے سمجھا بجھا کر وکا۔

''ارے ایسے کیسے چلی جائیں گی۔ اتنے دنوں بعد تو آئی ہیں۔'' وہ انہیں پیار سے بٹھانے لگا۔

''ارے بس رہنے دو۔ اتنے دنوں بعد آنے پر کون سی قدر ہوئی میری......! تاج پہنا دیا مجھے۔ الٹا تمہاری یوی نے یہ جتا دیا کہ کھانا نہیں بناؤں گی اور مجھے بنانا پڑے گا۔ یعنی یہاں آ کر کام کروں، مفت کی روٹی نہ وڑوں۔ ہائے ہائے۔ اب پہلے والا میکا کہاں رہا۔ جب دل چاہا منہ اٹھائے چلے آتے تھے میں اور میرے بچے۔'' وہ دوپٹے کا کونا اٹھا کر ناک اور آنکھیں رگڑنے لگی۔

احمر انہیں پیار سے سہلا کر وہاں سے اٹھ آیا اور کمرے میں آیا تو نیلوفر افسردہ سی مسہری پر بیٹھی تھی۔ دن بھر لٹیاں کر کے وہ نڈھال سی ہوگئی تھی۔

''حد کرتی ہو تم بھی نیلو۔ آپا سے کسی کام کا کہنا چاہیے تھا تمھیں۔ تم کیا اماں بھی کہتیں تو طوفان ہی آنا تھا۔'' وہ اس کے نزدیک مسہری پر بیٹھ کر پیروں سے موزے کھینچ کر اتارنے لگا۔

''قسم سے احمر۔ مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں ہرگز نہ کہتی۔ بس مجھے یہ تھا کہ گوشت جل نہ جائے۔ میں نے ان سے معافی مانگ لی تھی، اگر آپ کو یقین نہیں تو آیئے آپ کے سامنے بھی دوبارہ مانگ لیتی ہوں۔'' نیلوفر اٹھنے لگی تھی کہ احمر نے جلدی سے کہا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟ پاگل ہو۔ مجھے معلوم ہے تم نے ان سے معافی مانگی ہوگی۔ میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہا

ہوں کہ ان کو چھیڑنا گلے ہی پڑ جاتا ہے۔ جل جانے دیتیں سالن کو، مگر خود کو تو نہ جلاتیں۔ چلو خیر جانے دو۔" وہ اسے دل گرفتہ دیکھ کر نرمی سے بولا۔ "سلمیٰ آپا ہمیشہ سے ایسی ہی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہیں۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے، جسمانی ہی نہیں ذہنی بھی۔ اور میری ٹینشن نہ لیا کرو، طبیعت خراب ہو تو مجھے کال کر کے کہہ دیا کرو۔ میں باہر سے کچھ کھانا لیتا آؤں گا۔"

"میں جانتی ہوں آپ مجھے ہر راحت دینا چاہتے ہیں۔" وہ محبت اور لگاوٹ سے احمر کی طرف دیکھنے لگی جو ایک ٹھنڈی چھاؤں کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ "بس میں چاہتی تھی سلمیٰ آپا اتنے دنوں بعد تو آئی ہیں، کھانے پر روکا تھا میں نے ہی۔ اماں نے ہی انہیں یہ خوش خبری دی تھی، اس لیے دوڑی دوڑی چلی آئیں۔ اب ان کی خاطر بھی نہ کرتی۔"

"نہ ہی آتیں تو زیادہ اچھا تھا نا۔" احمر ہلکے سے ہنسا۔ پھر بیسن کے پاس جا کر ہاتھ منہ دھو کر تولیے سے پونچھتے ہوئے بولا۔

"چلو ان کے ساتھ کھانا کھا لیں اور وہی بدمزا سالن کھاؤں گا اور یہی سلمیٰ آپا کو بھی کھلاؤں گا جو ان کے جھگڑے کی نذر ہو گیا ہے۔" اس کا انداز شگفتہ سا تھا، وہ چھیڑنے لگا۔ نیلو بھی ہنسنے لگی۔

دستر خوان چن دیا تھا۔ سلمیٰ آپا اپنے دونوں سپوتوں کے ہمراہ بیٹھ گئیں اور اماں اور احمر سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔ احمر بھی خوش گوار باتوں سے ماحول کو خاصا سازگار بنا چکا تھا۔ نیلوفر نے بڑی جلدی میں میٹھا بھی بنا لیا تھا۔ چند کباب بھی پڑے تھے، وہ بھی تل کر دستر خوان پر رکھ دیے تھے مگر ادھر سلمیٰ آپا کے دل کی آگ بجھی نہ تھی، وہ سالن کا نوالہ کھاتے ہی احمر سے کہنے لگیں۔

"بڑا ہی بدمزا کھانا بناتی ہے تمہاری بیوی۔ اور تم ہو کہ اس کے قصیدے پڑھتے نہیں تھکتے۔ حد ہو گئی اتنا ٹیسٹ بگڑ گیا ہے تمہارا۔" ادھر سلمیٰ آپا کا بولنا شروع ہوا اُدھر اماں کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ صبح سے وہ ان کا راگ سن سن کر تھک گئی تھیں۔

"اے ہے، اب بس بھی کرو سلمیٰ۔ تم تو ہاتھ دھو کر پیچھے ہی پڑ جاتی ہو۔"

"لیں، میں نے کیا غلط کہا۔ ذرا کھا کر دیکھیں، منہ سے نکلتا ہے نوالہ۔" وہ مصنوعی معصومیت سے بولیں اور یوں نوالہ چبایا جیسے بحالت مجبوری چبا رہی ہوں۔

"ہاں، ہم بھی یہی کھا رہے ہیں۔ تم کوئی انوکھا نہیں کھا رہیں اور تم نے ہی اس میں بالٹی بھر پانی جھونکا تھا۔ اب لذت میں فرق تو آئے گا۔"

"اماں...... کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ آپ بھی میرے لتے لینے لگیں۔ اپنی چہیتی بہو کو سنائیں۔" سلمیٰ آپا تنک کر بولیں اور ہاتھ جھٹک کر دستر خوان سے اٹھنے لگیں تو احمر نے جلدی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روکا۔

"کیا کر رہی ہو آپا۔ رزق چھوڑ کر نہیں اٹھتے۔ اب بدمزا ہے تو بدمزا سہی۔" وہ تحمل سے بولا پھر نیلوفر کی طرف دیکھ کر ہلکے سے آنکھ ماری۔ "میں بھی تو یہی بدمزا کھانا کھا رہا ہوں۔"

"ہاں تو کہو اپنی بیوی کو کہ کھانا پکانا سیکھے نا کہ بستر پر استراحت فرماتی رہے۔ اونہہ، بچے ہم نے بھی پیدا کیے ہیں، یہ انوکھی ماں بن رہی ہے۔"

"اب بس بھی کرو گی یا نہیں۔" اماں کو پتنگے لگ گئے۔ "پنجے جھاڑ کر پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔ نہیں پسند تو چھوڑ دو۔ یہ کباب کھا لو، میٹھا کھا لو۔"

"جی آپا یہ میٹھا کھا لیں۔ پسند آئے گا آپ کو۔" نیلو نے جلدی سے میٹھے کا باؤل ان کی طرف کیا۔ مبادا اماں کی پھٹکار پر وہ آپے سے باہر نہ ہو جائیں اور دستر خوان سے اٹھ نہ جائیں۔

”ہنہہ ...... دکھاؤ، اب یہ کون سا اچھا ہوگا۔ خیر دو ادھر چمچہ۔“ وہ منہ بنا کر بیٹھے کا بڑا سا پیالہ اپنی طرف کر کے دوسرے پیالے میں بھرنے لگیں اور چمچہ بھر کر منہ میں رکھا۔ احمران ہی کو دیکھ رہا تھا۔ ذرا سا شرارت آمیز انداز میں ابرو اچکا کر بولا۔

”یہ میں نے بنایا ہے۔ یقیناً مزے کا ہوگا۔“ اس کی شرارت میں چھپا طنز، نیلو کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تاہم وہ جلدی سے سر جھکا گئی۔ سلمٰی آپا نے کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ احمر کے کندھے پر ہلکی سی چپت ماری۔

”شریر نہ ہو تو ...... آئے تم کب سے کوکنگ کرنے لگے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولیں اور میٹھا مزے لے لے کر کھانے لگیں۔

نیلو نے سکھ کا سانس لیا۔ کوئی چیز ان کی پسند کی تھی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ اسی درمیان ان کے شوہر نامدار بھی انہیں لینے چلے آئے، چائے پی کر یوں وہ فتنہ روانہ ہوا۔

دوسرے دن نیلوفر احمر اور ساس سے اجازت لے کر میکے چلی آئی، دو روز کے لیے۔ اس کی طبیعت خاصی ابتر تھی۔ جس دن وہ آئی اسے پتا چلا عقیلہ خالہ کی طبیعت خراب ہے۔ سکندر خاصا پریشان تھا اور خالہ کے کہنے پر اریبہ کو ساتھ لے جانے کو آیا تھا۔

”ارے میں آ جاتی ہوں، کیا ہو گیا بیٹھے بٹھائے عقیلہ کو۔“ اماں پریشان تھیں۔

”ارے نہیں خالہ۔ آپ زحمت نہ کریں۔ نیلو بھی آئی ہوئی ہے اس کا خیال رکھیں آپ۔ امی نے کہا ہے بیا کو لے آؤں۔ وہ ایک دو دن امی کے پاس رہ لے گی۔“ یہ کہتے ہوئے سکندر نے اریبہ کی طرف دیکھا۔

”رہ لو گی ناں۔“

اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔ اریبہ کے دل کی کلی گویا کھل اٹھی۔ وہ چائے سکندر کو دیتے ہوئے سر ہلا گئی۔

اور جب سکندر کے ہمراہ بائیک پر بیٹھی تو اسے اپنے دل کی دھڑکن اتنی تیز محسوس ہوئی کہ اسے لگا شاید سکندر کو بھی سنائی دے رہی ہوگی۔

”آرام سے بیٹھو، اتنی کنفیوز کیوں ہو رہی ہو۔“ سکندر اس کے دل کی کیفیت سے بے خبر اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔ اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ سکندر کے گرم کندھے سے بار بار پھسل رہا تھا۔

”گر جاؤ گی، سنبھل کر بیٹھو۔“ اس نے اسپیڈ آہستہ کر دی۔

”تم شاید بائیک پر بیٹھنے کی عادی نہیں ہوناں۔“ وہ دھیرے سے بولا۔ ”ارسلہ ہی بیٹھا کرتی تھی۔“

”عادی ہو جاؤں گی۔“ وہ یک دم تڑپ کر بولی۔

”ارے نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ سکندر جلدی سے وضاحت دینے لگا۔ ”ارسلہ کی طرح تمہیں بھی گاڑی والا شوہر ملے۔ بائیک کی عادی ہو کر کیا کرنا ہے۔ یہ تو ہم جیسے سیلف میڈ لوگوں کی سواری ہے۔“ اس کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔ جیسے کوئی خیال، کوئی یاد دل کو مسوس کر رہ گئی ہو۔

”میں ارسلہ آپا کی طرح بنگلے، گاڑی کی تمنا نہیں کرتی۔ پیسہ رشتوں اور محبتوں سے بڑھ کر تو نہیں ہوتا۔“ کسی سمجھ دار عورت کی طرح بولی۔ سکندر مسکرا دیا۔

”اب زیادہ بڑی بڑی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے بائیک گھر کے سامنے روک دی۔ وہ نیچے اتر گئی۔

”باتیں بڑی ہیں یہ تو نہیں پتا مگر سچ ضرور ہے۔ میرے دل کا سچ۔ مجھے دولت کی چاہ نہیں ہے سکندر بھا...... بھائی......“ وہ نظریں جھکا گئی۔

بھائی پر اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ سکندر سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔
''میرے نزدیک رشتے اہم ہیں اور سب سے بڑھ کر دل کی خواہش۔'' پلٹ کر دروازے کی جانب بڑھ گئی پھر سکندر کا انتظار کرنے لگی۔ چابی اس کے پاس تھی۔ وہ جانتی تھی خالہ دروازہ کھولنے نہیں آسکتیں۔
سکندر اس کی باتوں کو سنی ان سنی کر کے جیب سے چابی نکال کر گیٹ کھولنے لگا اور پھر اسے اندر جانے کا راستہ دیا اور خود بائیک گھسیٹ کر اندر لانے لگا۔
وہ خالہ کے کمرے کی جانب بھاگی، سکندر نے جلدی سے اسے روکا۔
''سنو۔''
وہ پلٹی۔ سکندر عقیلہ خالہ کے دروازے سے ذرا فاصلے پر رک گیا تھا۔ کچھ مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔
''امی کو دو روز پہلے اٹیک ہوا تھا۔ بلڈ پریشر بھی خاصا ہائی تھا، آج صبح بھی طبیعت اپ سیٹ تھی۔''
''اوہ۔ آپ نے بتایا کیوں نہیں، جب اٹیک ہوا تو......''
''میں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا آپ لوگوں کو۔''
''کیسی بات کر رہے ہیں، ہم غیر تھے کیا۔ آپ کی پریشانی ہم سے الگ ہے کیا۔ خیر، اب کیسی طبیعت ہے خالہ کی۔ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں۔''
''اینجیو گرافی ہوگی ان کی۔ کارڈیالوجسٹ کو دکھادیا ہے، یہی کہا ہے انہوں نے۔ ہارٹ میں کہاں بلاکیج (رکاوٹ) ہے اور ہے بھی یا نہیں، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ دعا کرو بائی پاس کی ضرورت پیش نہ آئے۔'' سکندر بے حد شکستہ دکھائی دے رہا تھا۔ ''خیر، تم پریشان مت ہو اور امی کے سامنے اس طرح کی کوئی بات مت کرنا۔'' سکندر اسے متفکر دیکھ کر تسلی آمیز انداز میں مسکرایا۔ ''تم پریشان رہوگی تو امی کو کیسے سنبھالوگی۔ ان کو میں نے تفصیل نہیں بتائی۔''
''اوکے، آپ فکر نہ کریں۔ منٹوں میں خالہ کو ٹھیک کردوں گی۔'' وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی اور پلٹ کر عقیلہ خالہ کے کمرے میں چلی آئی۔
وہ بستر پر لیٹے ہوئے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر خوش گوار حیرانی سے اٹھنے گیں۔
''ارے بیا۔ تم......''
اریبہ بھاگ کر ان کے نزدیک آئی پھر جیسے خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بے اختیار ہو کر ان کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔
''ارے رے...... یہ کیا بھئی۔''
''آپ اتنی بیمار ہوگئیں اور بتایا بھی نہیں۔'' وہ شکوہ کرنے لگی۔
''کہاں ہوں بیمار۔ بالکل ٹھیک ہوں۔'' اسے پچکارنے لگیں، پھر دروازے میں کھڑے سکندر کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
''منع بھی کیا تھا تمہیں، راحیلہ کو مت بتانا۔ وہ خود بے چاری حیات بھائی کے پیچھے لگی ہے۔ ادھر نیلوا لگ امید سے ہے تو طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اس کی۔''
سکندر کسی قسم کا جواب دینے کے بجائے پلٹ کر چلا گیا۔
''اس لڑکے نے کردیا ناں تم سب کو پریشان۔ ارے معمولی سا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ وہ ہاسپٹل لے کر دوڑ گیا مجھے۔ لو بھلا، اس عمر میں یہ چھوٹی موٹی بیماریاں تو لگ ہی جاتی ہیں۔ پتا کیسے چلے اب جوان نہیں رہے۔'' وہ یہ کہہ کر نقاہت سے ہنسیں اور اسے تھک کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

”نہ......رومت۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“
اریبہ ان سے الگ ہوئی اور آنکھیں پونچھنے لگی۔
”منع کیا تھا سکندر کو، راحیلہ کو نہ بتائے۔ پگلا ہے تمہیں لے کر آ گیا۔“ خالہ کہہ رہی تھیں، وہ چونکی۔
تو کیا خالہ نے نہیں بلایا تھا اسے۔ سکندر نے تو یہی کہا تھا اماں نے بلایا ہے اریبہ کو۔ تو کیا سکندر خود اپنی مرضی سے اسے لینے آیا تھا۔ اتنا اعتماد کیا تھا اس پر۔
”تمہاری تو اپنی پڑھائی بھی ہے، کہاں تم میرے پیچھے پریشان ہوگی۔“
”ارے نہیں خالہ! پڑھائی کا کیا ہے، ہوتی رہے گی۔ آپ سے بڑھ کر تو نہیں ہے نا۔ اماں تو خود آنے والی تھیں یہ سن کر۔ مگر نیلو آپا ٹھہرنے آئی ہیں نا تو نہیں آ سکیں۔“ وہ مسہری سے اتر کر چادر کی سلوٹ ٹھیک کر کے ان کے پیروں پر پھیلانے لگی۔
”ہاں، یہ مجھے کہہ رہا تھا بیا کو لے آتا ہوں۔ کل بھی کہہ رہا تھا، میں نے روک دیا۔ خوامخواہ تمہاری پڑھائی متاثر ہوگی۔ مگر یہ بضد رہا کہ وہ آ جائے گی تو آپ کو تسلی رہے گی اور بیا آپ کی خدمت کرے گی۔ اچھی طرح سے۔ مجھے یقین ہے آپ اس کے ساتھ بہتر محسوس کریں گی۔ کر لی اس نے اپنی اور لے آیا تمہیں پریشان کرنے۔ چلو خیر۔“
خالہ کی باتیں اریبہ کے دل کی دھڑکن میں ایک انجانا سر جگا رہی تھیں۔
تو کیا سکندر کو اتنا یقین تھا اس پر۔ وہ اسے اتنی اہمیت دیتا تھا۔ اسے جانتا تھا کہ وہ اس کی ماں کو خوش رکھ سکے گی۔ وہ از خود رفتہ سی خالہ کے پیر دبانے لگی۔
یہ احساس بڑا ہی خوش کن تھا کہ سکندر اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے۔ لاکھ وہ اس کی محبت کو نظر انداز کر رہا مگر دل سے اس کو اہمیت دے رہا ہے۔ محبوب کی ذرا سی توجہ دل میں کیسے کیسے پھول کھلا دیتی ہے۔ اریبہ کو تو کچھ ایسا ہی لگنے لگا تھا کہ اس کا ویران دل گلستان ہو گیا ہو۔ ہر جگہ پھول ہی پھول، مہک ہی مہک ہو۔ وہ یک دم خود کو معتبر سمجھنے لگی۔ عجیب سا اطمینان دل کو بخش گئی تھیں یہ باتیں۔ وہ خالہ کے پیر دبانے لگی۔
”ارے یہ کیا کر رہی ہو، آرام سے بیٹھو یہاں میرے پاس۔“ خالہ نے اپنے پیر جلدی سے سمیٹ لیے اور محبت سے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔
”خدمت کے لیے نہیں بلایا تمہیں۔ بس اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے تمہیں پاس دیکھنا چاہتی ہوں۔ دیکھو تمہارے آنے سے میرا دل ہی نہیں یہ گھر کے در و دیوار بھی کھل اٹھے ہیں۔“
عقیلہ خالہ کے لہجے میں حقیقی شفقت محبت چمک رہی تھی۔ وہ اریبہ کو بڑی میٹھی نظروں سے تک رہی تھیں۔
اریبہ شرما کر سر جھکا گئی۔ اسے جانے کیوں یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ خالہ کی نگاہیں نہ ہوں، سکندر کی مقناطیسی نگاہیں ہوں۔
”نیلو کی طبیعت کیسی ہے۔“ خالہ کی آواز پر وہ اپنے خیالات سے نکلی۔ اور سر اثبات میں ہلایا۔
”جی کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے، الٹیاں کرتی رہتی ہیں۔“
”ہاں یہ تو ہوگا۔ اللہ اتنی بڑی خوشی سے نواز رہا ہے۔ ماں جیسا رتبہ ملنا کہاں آسان ہوتا ہے مگر جب عورت مشکل جھیل لیتی ہے تو اتنا بڑا انعام پا کر ساری تکلیف بھول جاتی ہے۔“
”جی خالہ۔“ وہ سر ہلا گئی۔
”ایسے ہی تو رب کریم نے ماں کے پیروں تلے جنت نہیں رکھ دی۔ موت سے لڑ کر آتی ہے مگر پھر بھی یاد نہیں رہتا، ساری تکلیف خواب ہو جاتی ہے۔ درد کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں رہتا۔“ انہوں نے ہلکا سا سانس بھر کر

اریبہ کا کندھا تھپکا۔ پھر اسے محبت سے تکنے لگیں۔
"سچ کہوں تو اب اس گھر میں بھی سکندر کے بچوں کی قلقاریاں، کھلکھلاہٹیں سننے، دیکھنے کو ترس رہی ہوں۔ گھر اولاد سے آباد ہوتے ہیں۔ اولاد کی اولاد سے۔" خالہ کی ٹھنڈی سانس میں خواہشوں کا دھواں تھا۔ ادھر اریبہ بے عنوان سی شرم محسوس کر کے رہ گئی۔ وہ بھلا خالہ کی ان باتوں کا کیا جواب دیتی۔ پھر کچھ نہیں سوجھا تو مسہری سے اترتے ہوئے بولی۔
"چائے بنالوں، اپنے لیے بھی اور سکندر بھائی کے لیے بھی۔"
عقیلہ خالہ تکیے پر سر رکھے چھت کو تکتے ہوئے شاید اپنی ہی باتوں کے احساس میں ڈوبی ہوئی بہت دور تک نکل گئی تھیں۔ یکلخت چونکیں۔
"انہوں نے کھانا کھالیا ہے کیا؟"
"ارے کہاں۔ لو دیکھو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ اپنی طبیعت میں ایسی پڑ گئی کہ اس کے کھانے پینے کا خیال ہی نہیں رہا۔ آفس سے آتے ہی بس میری طبیعت سست دیکھی تو تمہیں لینے دوڑ گیا۔" عقیلہ خالہ نے پیروں سے چادر کھینچ کر ہٹائی اور مسہری سے اٹھنے لگیں۔
"دیکھتی ہوں، کچھ کھانے کو دوں اسے۔"
"ارے اے، یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔ باورچی خانے جائیں گی کیا آپ۔" اریبہ نے جلدی سے انہیں روک دیا۔ "میں دے دیتی ہوں۔ آپ کو اب بالکل بھی بستر سے نہیں اٹھنا۔ سکندر بھائی الگ خفا ہوں گے۔ چلیں لیٹ جائیں۔"
وہ پیار سے انہیں تھام کر لٹانے لگی۔ خالہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا اور ممتا بھرے احساس سے اسے دعائیں دینے لگیں۔
"جیتی رہو۔ خدا نصیب اچھے کرے۔"
اریبہ دھیرے سے مسکرادی اور کمرے سے نکل آئی۔
اس نے باورچی خانے میں قدم رکھا تو نگاہ سکندر پر پڑی۔ چھوٹی سی میز پر کچھ کھانے پینے کی چیزوں کے شاپرز پڑے تھے اور وہ خود کرسی پر بیٹھا پلیٹ اپنے آگے رکھے برگر تناول کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا۔
"آئی ایم سوری، میں اکیلے ہی کھانے بیٹھ گیا۔ تمہیں نہیں پوچھا۔" اس کی حیرت پر وہ یہی اخذ کر کے شرمندگی سے بولا۔
"میں کھانا کھا کر آئی تھی۔ آپ ہی آفس سے آئے تھے، بھوکے تھے۔ میں تو خود آپ سے کھانے کا پوچھنے آئی تھی۔ سوری کی کیا بات ہے۔"
"بیٹھو۔" اس نے میز کی دوسری طرف رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔
"آپ تو اتنا سارا کھانا لے آئے ہیں، مجھے زحمت سے بچانے کے لیے۔" وہ شاپرز پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔
"ارے نہیں، بھوک بہت لگ رہی تھی۔ اب تم کھانا پکاتیں تو انتظار کرنا پڑتا مجھے۔ لو، کھاؤ تم بھی۔"
"خالہ کو دے آؤں۔" وہ شاپر کھول کر پلیٹ میں برگر نکالنے لگی۔ سکندر نے اسے ٹوک دیا۔
"نہیں۔ امی کے لیے چولہے پر سوپ رکھا ہے۔ بس یہ دینا ہے اور ہمراہ ڈبل روٹی۔ یہ برگر انہیں نہیں دینا۔ ان کے لیے ابھی نقصان دہ ہے۔ نمکین ہے یہ بہت زیادہ۔"

وہ آخری نوالہ کھا کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا اور سنک کے پاس جا کر ہاتھ دھونے لگا۔ اریبہ اٹھ کر سوپ کا معائنہ کرنے لگی۔ پھر برنر کھول کر اسے گرم کرنے رکھ دیا اور ٹرے نکال کر اس میں قرینے سے ڈبل روٹی کے سلائس رکھنے لگی۔

''یقین کرو آج بہن کی کمی بہت ہی محسوس ہوئی ہے مجھے۔ بہن ہوتی تو یہ سارے کام کر لیتی۔ تمہیں پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔'' سکندر اسے دیکھنے لگا، اسے حقیقتاً اس کے آنے سے ڈھارس سی مل گئی تھی۔

''بہنیں ایسی ہی ہوتی ہوں گی۔ بالکل تمہارے جیسی۔ ساری تکلیف سمیٹ لیتی ہیں، اپنے نازک کندھوں پر گھر کا بوجھ اٹھا لیتی ہیں اور خبر بھی نہیں ہوتی سارے کام ہوتے چلے جاتے ہیں۔'' سکندر تولیہ ایک طرف ڈال کر اس کی طرف آیا۔ ''تمہارے آنے سے یہ کمی اب محسوس نہیں ہو رہی ہے مجھے۔'' اس نے اپنائیت آمیز انداز میں اس کے سر پر دھیرے سے ہاتھ رکھا۔

اریبہ کا جھکا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا تھا۔ کوئی پتھر تھا جو کھٹاک سے مارا گیا تھا۔

کوئی کوڑا تھا جو پشت پر پوری طاقت سے لگا تھا۔ وہ بلبلا کر رہ گئی تھی۔

وہ صدمے کی کیفیت سے نکلی تو وہ باورچی خانے سے جا چکا تھا۔ وہ اپنے اعصاب کو سنبھالتے ہوئے ایک سانس کھینچ کر رہ گئی مگر ضرب بہت اذیت ناک تھی۔

☆☆☆

''گاڈ سیک ارسلہ! خود پر کنٹرول کرو۔ ورنہ بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تم میرے ضبط کا امتحان لیتی جا رہی ہو۔ چینج یور ایٹی ٹیوڈ۔''

مہوش کی برداشت جیسے جواب دے رہی تھی۔ آج پھر انہوں نے آبص کو بنا ناشتا کیے آفس جاتے دیکھا تھا۔ نصیر کا کا بھی بے حد متفکر تھے کہ آبص اب صرف جوس وہ بھی آدھا گلاس پی کر چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے شکایت کی کہ آبص میاں کی بیگم ان کا خیال بالکل نہیں رکھتیں۔ جبکہ ناشتے کی میز پر تلخ کلامی اب روز کا معمول بن گئی ہے۔ وہ یونہی بنا کھائے پیے چلے جاتے ہیں۔

''کیا چینج کروں میں۔ کیا چاہتی ہیں آپ؟'' ارسلہ بغیر جھجکے، ڈرے نوکروں کی موجودگی میں مہوش سے الجھ پڑی۔ ''اس کی راہ میں آنکھیں بچھا دوں۔ دل قدموں میں رکھ دوں۔ ملازمہ بن جاؤں اس کے لیے، یہ چاہتی ہیں آپ۔''

''ربش۔'' مہوش کو اس کی عقل پر کوڑے برسانے کا دل چاہنے لگا۔

''تمہیں ملازمہ نہیں بلکہ ملکہ بنا کر رکھنا چاہتی تھی میں۔ آبص کی ملکہ...... مگر تم...... تم تو کنیز بننے کے لائق بھی نہیں ہو۔''

وہ نفرت اور غصے سے گاڑی کی چابی میز پر پٹخ کر خود بھی صوفے پر بیٹھ گئیں۔ انہیں صبح صبح اکبر کے ہمراہ بینک جانا تھا مگر ارسلہ کی چخ چخ میں وہ الجھ کر رہ گئی تھیں۔

''آبص کی نرمی، اس کی ایک غلطی کا تم فائدہ اٹھانا چاہتی ہو۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے کرتے ہوئے تم اپنا ہی نقصان کر لو گی۔ اگر میرا بیٹا مزید بکھر گیا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔''

مہوش نے جیسے پھنکارتے ہوئے اور کھا جانے والی نظروں سے ارسلہ کو گھورا۔ جس پر ان کی اس پھنکار کا مطلق اثر ہوتا دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ اپنے کھلے بالوں پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے ہلکے سے ہنسی اور بالوں کو ایک ادا سے جھٹکا دے کر صوفے پر گر گئی اور مہوش کی طرف دیکھنے کے بجائے بڑی بڑی کھڑکیوں کے سلائیڈ کے خوب صورت کانچ سے لان میں گھاس کی کٹائی کا منظر غیر دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"میں صرف اور صرف تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی تم سے۔ خوش رہو اور رہنے دو۔" مہوش اپنی جھنجلاہٹ کو دبا کر قدرے صلح جو لہجے میں گویا ہوئیں۔

"دونوں کو نہیں صرف آبص کو۔" وہ ان کی بات تیزی سے کاٹ گئی۔ "بیٹے کو خوش کرنے، اسے زندگی کی طرف لانے کے لیے مجھے بطور مہرہ استعمال کیا گیا ہے کہ چلو تیر نشانے پر لگ جائے تو ٹھیک۔ سوسائٹی میں مقام بھی سلامت رہے اور اپاہج بیٹے کو بیوی بھی مل جائے۔ نادیہ شاہ کا کانٹا بھی ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔" وہ تمسخرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

"شٹ اپ۔ تم حد سے بڑھ رہی ہو ارسلہ۔"

"میری حد کا تعین پلیز آپ مت کیجیے۔" اس نے بیٹھے بیٹھے چہرہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ "جس گھر میں حدیں پھلانگی گئی ہوں، وہاں کسی کی حد کا تعین پھر ممکن نہیں ہوتا۔" وہ ہلکی ہنسی کے ساتھ بولی۔ جواباً مہوش اس پر خونی نگاہ ڈال کر صوفے سے اٹھ گئیں اور اس سے مزید بحث کو عبث جانا۔

"میرے مطالبے جب تک پورے نہیں ہوں گے میں آبص کی زندگی اجیرن کر دوں گی۔" اس کی آواز ابھری تو مہوش کا اٹھتا قدم ٹھٹک گیا۔ ارسلہ کے لہجے میں کسی ناگن جیسی پھنکار تھی۔

مہوش مبہم انداز میں مسکرائیں اور رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا کر لوگی زیادہ سے زیادہ۔ ایسا نہ ہو طلاق تمہارا مقدر بن جائے۔ شعلہ بننے سے پہلے بجھا دی جاؤ گی۔" مہوش کا لہجہ دھمکی آمیز تھا ان کے خیال میں وہ سہم جائے گی، پسپا ہو جائے گی۔ طلاق کسی بھی عورت کے لیے کسی گالی سے کم نہیں ہوتا۔ مگر وہاں ایسا کوئی تاثر دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"بہت خوب......" اس نے نگاہوں کو کچھ اس انداز سے جنبش دی جیسے ان باتوں کو سراہ رہی ہو۔ تاہم استہزائیہ مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔ "مجھے آبص کی زندگی سے نکال دیں گی تو سوسائٹی میں کس کس کو منہ دکھائیں گی اور پھر ایک دل پھینک اپاہج بیٹے کے لیے نئے سرے سے لڑکی تلاش کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ فرض کریں مل بھی گئی کوئی غریب غرباء حسینہ تو کیا گارنٹی ہے کہ اس کی کوئی ڈیمانڈ نہ ہوگی۔"

مہوش عجیب سے احساسات میں گھرے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ دوسرے پل ان کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے وہ جھٹکے سے پلٹیں اور نصیر کا کا کی طرف گاڑی کی چابی اچھالی۔

"نصیر کا کا۔ ڈرائیور سے کہیں وہ گاڑی نکالیں میں آ رہی ہوں۔" وہ نازک سی ہیل کھٹ کھٹ کرتے ہوئے ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئیں۔

ارسلہ نے ہلکا سا سانس کھینچا اور ترحم بھری نظروں سے انہیں جاتے دیکھا۔ اس کے لبوں کی تراش میں استہزائیہ آمیز مسکراہٹ ابھر کر منجمد ہو گئی۔

"تم کیا سمجھتی ہو مہوش جیلانی۔ اتنی ساری دولت پر تم سانپ بن کر بیٹھی رہوگی اور میں فقط تمہارے بیٹے کو رجھانے، اس کا دل پرچانے میں مست ہو جاؤں گی۔ سود کے ساتھ وصول نہ کیا تو میرا نام بدل دینا۔" وہ کسی ناگن کی طرح بل کھا کر صوفے سے اٹھی اور اپنی خواب گاہ میں چلی آئی۔

"میں ارسلہ ہوں۔ تمہارے پاؤں کی خاک نہیں بنوں گی آبص جیلانی۔" وہ حقارت سے سر جھٹک کر بیڈ پر دراز ہو گئی اور اب جھگڑے کا تاثر ذہن و دل سے جھٹکنے کے لیے موبائل اٹھا کر اس میں مصروف ہو گئی۔



موسم ابر آلود ہو گیا تھا ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی تھی بڑے بڑے شفاف کانچ پر بوندیں ہیروں کی مانند دمکتی دکھائی دے رہی تھیں اس نے فائل بند کر کے سر اٹھایا تو موسم کی دلفریبی نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ

لی۔ ریوالورنگ چیئر کے ایک طرف کھڑی اسٹک کے سہارے چلتا وہ کھڑکی کے پاس چلا آیا۔
بارش کی بوندیں بے داغ شیشے پر ٹک ٹک گر رہی تھیں۔ اس نے سلائیڈ کھولی تو ٹھنڈے مست ہوا کے جھونکے فرحت کا احساس بھر گئے اس نے ایک گہری سانس کے ساتھ جیسے ان جھونکوں کو اپنے اندر اتار لیا۔
بوندوں کا رقص پتوں پر بھی عجیب سی سرسراہٹ کے ساتھ بڑا دلفریب لگ رہا تھا۔ پام کا اونچا لمبا درخت ہوا کے جھونکوں سے بڑا مسرور دکھائی دے رہا تھا۔
ایک عرصہ ہوا تھا اسے موسموں کے بدلنے سے ان کے آنے جانے سے دلچسپی نہ رہی تھی۔ مگر آج بے ارادہ وہ موسم کی تبدیلی کو محسوس کر کے رہ گیا۔ کوئی خوب صورت خیال کا جال اسے جکڑنے لگا۔

آئے موسم رنگیلے سہانے
جیا نہیں مانے
تو چھٹی لے کے آجا بالما

نادیہ شاہ کا سارا گروپ ایسی ہی ایک بارش میں بہت ترنگ میں تھا۔ نادیہ ان سب کی چھیڑ کا نشانہ تھی۔
"تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں گائے جا رہی ہو۔" اس نے اپنے نزدیک بیٹھی لڑکی کو دھپ ماری تھی۔
"قسم سے تمہارے اس ہیرو کو یاد کر رہے ہیں جس نے تمہیں بچا لیا تھا۔" ایک خاصی کمینگی سے آنکھ مار کر قل قل ہنسنے لگی۔
"یہ کیا بکواس ہے بچا لیا تو ہیرو ہو گیا وہ۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر بینچ سے کھڑی ہو گئی۔
"بالکل تو پھر ہیرو اور کیسے ہوتے ہیں۔ جان جاکھوں میں ڈال کر تمہیں بچایا اور کہتی ہو ہیرو کیسے ہو گیا۔ نادیہ ڈیئر دیکھا نہیں تم نے اکثر ڈراموں اور فلموں میں ہیرو اسی طرح انٹری مارتے ہیں مگر وہ کمبخت ایکٹنگ کر رہے ہوتے ہیں اور اس بچارے نے تو سچ مچ تمہیں بچایا ہے۔" ایک غائبانہ آبص کے حق میں دلائل دے رہی تھی۔
ان سب سے کچھ فاصلے پر درخت کی آڑ میں بیٹھا آبص بے حد محظوظ ہو رہا تھا یہ ساری باتیں سن کر، ان کی شرارتوں پر اور نادیہ شاہ کی چڑچڑاہٹ پر۔
"اچھا بس اب زیادہ ہی کچھ تعریفیں ہو گئی ہیں اس لڑکے کی۔"

جب بہتی ندیا شور کرے
میرا دل ملنے کو زور کرے
یاد آئیں خوشی کے ترانے
جیا نا ہی مانے
تو چھٹی لے کے آجا بالما
ہو ہو ہو
چھٹی لے کے آجا بالما

نادیہ شاہ ان کی شرارتوں سے شاید تنگ آ کر اٹھ کر وہاں سے بھاگی تھی۔ سب کے قہقہے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔
آبص کا دل یک دم چاہنے لگا اس بھاگتی حسینہ کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے روک لے۔ مگر چاہنے کے باوجود وہ ایسی کوئی حرکت نہ کر سکا۔ دل مسوس کر رہ گیا وہ پورا گروپ ہنسی بکھیرتا چھیڑ خانی کرتا وہاں سے گزر کر اس کی

نگاہوں سے گم ہو گیا۔
اس نے بے اختیار شیشے پر ہاتھ پھیرا اور ان بوندوں کو مسل دیا۔ ساری بوندیں پانی بن کر لکیروں کی صورت میں بہنے لگیں۔ اس نے اپنی گیلی ہتھیلی کو دیکھا اور ایک گہرا سانس کھینچ کر فضا کے سپرد کر دی۔
اس کی نگاہوں میں صبح کا بد صورت لمحہ گھومنے لگا۔ وہ ناشتے کی میز پر آیا تو اسے نصیر کا کاسے الجھتے دیکھا پھر وہ بے سبب اس سے الجھ پڑی۔ وہی بے کار بے معنی باتیں، بے وجہ کی ضدیں وہی مطالبے تقاضے وہ بنا ناشتے کیے اٹھ آیا تھا اور سب سے پہلے اس کے اکاؤنٹ میں اچھا خاصا اماؤنٹ ڈلوایا پھر آفس کا کام شروع کیا۔ ارسلہ کے ساتھ ہونے والی تلخیوں کا خیال یکدم ہی موسم کی ساری رنگینی دلکشی میں جیسے زہر سا بھر گیا۔ یوں لگنے لگا بارش کی بوندیں نہ ہوں ٹکا ٹکا کنکر برس رہے ہوں۔
اس نے جھٹکے سے سلائڈ بند کر دی۔ عجیب نفرت آمیز لہریں دل سے امڈنے لگیں۔ دل میں غم غصہ کروٹیں لینے لگا۔ ایک بے بسی سے اعصاب چٹخنے لگے۔
کبھی کبھی بہت کچھ چاہنے کے باوجود آدمی کچھ نہ کر سکے تو یہ بے بسی غصے و نفرت کا روپ دھار لیتی ہے۔ ایسی نفرت جو ہر شے سے محسوس ہونے لگتی ہے۔ اپنے اردگرد ہر رشتے سے ہر شے سے ہر چیز سے حتیٰ کے اپنے آپ سے بھی۔ انسان بے زاری اور بد دلی کا شکار ہو جاتا ہے سارے اچھے برے موسموں سے کٹ جاتا ہے ہر موسم روح پر ویرانی طاری رکھتا ہے۔ محبت سے اعتبار اٹھ جاتا ہے اور وہ بھی ایسی ہی بد دلی محسوس کر رہا تھا اس وقت۔
''تم ابھی تک آفس میں ہو۔ میں سمجھا تم گھر جا چکے ہو۔'' اکبر جیلانی کی آواز پشت سے سنائی دی وہ گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوئے۔ وہ چونک کر پلٹا۔
''اوہ مائی سن۔ اتنے خوب صورت موسم میں تم اس بند کمرے میں کیا کر رہے ہو گھر جاؤ۔'' انہوں نے اس کے نزدیک آ کر اس کے کندھے پر دوستانہ انداز میں تھپکی دی۔ تمہیں پہلے بھی کہا تھا گھر جلدی جایا کرو ابھی تمہاری شادی کو زیادہ ٹائم نہیں ہوا۔ اپنی وائف کے ساتھ ٹائم گزارو...... انجوائے کرو لائف کو۔'' انہوں نے پر شفیق انداز میں اس کے کاندھے پر ہلکے سے دباؤ ڈالا۔ ''اتنے رومانٹک موسم کو جا کر انجوائے کرو شاباش۔''
جواباً آبص نے ایک نظر ان پر ڈالی اور میز کی جانب چلا آیا۔ گھر جا کر کیا کرنا تھا۔ اس نے افسردگی سے سوچا۔ اب تو وہ گھر سے بھاگ رہا تھا اس کی نظریں ارسلہ پر اٹھتیں تو حبس اور گھٹن کا احساس شدید ہونے لگتا تھا۔ اپنے اوپر سے اختیار اٹھتا محسوس ہونے لگتا اور لگتا کسی بھی لمحے وہ بارود کی طرح پھٹ جائے گا۔
ایک مسلسل ذہنی آزار نے اسے مضمحل کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا زندگی اس کے لیے بے معنی شے ہو کر رہ گئی ہو وہ بے مقصد جی رہا ہو۔ اس بھاگتی دوڑتی دنیا کا کارہ پرزہ ہو کر رہ گیا ہو۔
ایک چھوٹی سی خوشی، ایک سچا ساتھی آدمی کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ مگر جب یہ امید بھی ٹوٹ جائے تو آدمی یاسیت کے ایسے ہی خلاء میں اتر جاتا ہے جہاں سوائے اندھی تاریکی اور وحشت کے کچھ نہیں ہوتا۔ جہاں کوئی راستہ نہیں ہوتا سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔
''آبص......'' اکبر جیلانی نے اس کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو ایک پل آبص کا دل چاہا ان کے کندھے پر کسی بچے کی طرح سر رکھ کر رو دے۔
''میں جانتا ہوں تم بہت اپ سیٹ ہو۔'' اس نے سر اٹھایا تو اکبر جیلانی اسے غم خوار نگاہوں سے تک رہے تھے۔ ایسی ہی اداسی ان کے چہرے پر بھی اتری ہوئی تھی جیسے وہ اس کی قلبی کیفیات سے باخوبی آگاہ ہو رہے ہوں۔

''بہت سے اچھے دنوں کی طرح اچھے لوگوں کو بھی ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں مگر پلٹ کر انہیں بلا نہیں سکتے نہ خود جا سکتے ہیں تو کیا ہی اچھا نہیں کہ جو ہم قدم ہیں ان کے ساتھ اچھے بن جائیں اور حال کو ماضی سے الگ کر کے خوش حال بنانے کی شعوری کوشش کی جائے۔''

باپ کی باتوں پر وہ افسردگی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

یہی تو ملال ہے کہ جو ہم قدم ہے ہم خیال نہیں۔ وہ فقط سوچ کر رہ گیا۔

''گھر چلو آبص۔'' اسے کرسی پر بیٹھتے دیکھ کر انہوں نے نرمی سے کہا۔

''نہیں میں ابھی کچھ دیر یہیں بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گیا۔

''یہ سراسر فرار ہے اور فرار ہونے والے بزدل ہوتے ہیں...... مرد بزدل نہیں ہوتے آبص۔'' اکبر جیلانی اسے حوصلہ دینا چاہا۔

''مرد بزدل نہیں ہوتے۔ مگر مرد انسان ہوتے ہیں۔'' وہ استہزائیہ ہنس دیا۔ اس ہنسی میں بے بسی چیخ رہی تھی۔

''مرد جو سینے میں دل رکھتا ہے پتھر نہیں۔ بے روح نہیں ہوتا، اس کے احساسات بھی ہوتے ہیں جن پر چوٹ پڑے تو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنا غم رونا چاہتا ہے، وہ بھی ٹوٹتا ہے، بکھرتا ہے اس طرح۔'' اس نے نفرت اور جھنجلاہٹ سے ٹشو بکس سے ٹشو کھینچ کر نکالے اور ان کے پرزے پرزے کر کے فضا میں اچھال دیے۔ ''اس طرح بکھرتا ہے وہ بھی۔''

ایک تکلیف دہ رنگ اکبر جیلانی کے چہرے پر پھیل گیا۔

''تم بہت بہادر ہو آبص۔ میرے بچے۔ اس طرح بکھر کر بات مت کرو۔'' دکھ سے کہنے لگے۔ بے اختیار جھک کر اس کے گھنے، چمک دار بالوں بھرے سر پر اپنے لب رکھ دیے۔

''تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ یقین کرو، مہوش کی کوئی رات ایسی نہیں گزری جب تمہارے غم میں اس کی آنکھیں اشک بار نہ ہوئی ہوں۔ وہ تڑپ ہی ہے تمہیں خوش دیکھنے کو۔ تمہاری خوشی، تمہارا غم، تمہاری پریشانی ہم سے الگ نہیں ہیں میرے بچے۔'' وہ آب دیدہ ہونے لگے۔

''میں جانتا ہوں، آپ اور مام مجھے بہت چاہتے ہیں۔ میں نے مام کی خاطر ہی یہ شادی کی ہے۔ جانتا تھا انہیں بھی لوگوں کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا تھا۔'' وہ افسردگی سے بولا۔ ''بس مام سے اتنی سی شکایت ہے کہ انہوں نے یہ قدم اٹھانے میں جلد بازی کر دی۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو میرے بچے۔'' اکبر جیلانی نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''اور اسی بات کا پچھتاوا اسے چین نہیں لینے دیتا۔'' اس کا ہاتھ باپ کے ہاتھ میں تھا، جسے وہ پرشفیق انداز میں سہلا رہے تھے، وہ زیادہ منتشر ہو گیا۔

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ محبت کرنے والے، محبت بانٹنے والے جذباتی ہوتے ہیں مگر انہیں نفرت کرنا نہیں آتی۔ وہ نفرت کر ہی نہیں سکتے۔ تمہارا دل بھی محبت کے لیے بنا ہے آبص۔ تم کسی بھی رشتے سے نفرت کر ہی نہیں سکتے۔ بہت جلد یہ بات ارسلہ کی سمجھ میں بھی آ جائے گی۔''

''کہیں دیر نہ ہو جائے۔'' وہ دھیرے سے کہتا کرسی دھکیل کر اسٹک پر دباؤ ڈالتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ پھر اپنا موبائل اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر جیب میں ڈالا۔ اور یونہی باپ کے چہرے پر نظر ڈال کر بے مقصد مسکرا دیا۔ جیسے کوئی کم سن بچے کو خوش کرنے کے لیے مسکرائے۔ اکبر جیلانی اسے دیکھتے رہ گئے پھر جواباً مسکرا کر کندھے پر ہاتھ پھیلا کر اس کے ہم قدم گلاس ڈور دھکیل کر روم سے باہر نکل آئے۔

فیصلوں کی ندامت سے

تکلیف دہ دکھ نہیں ہوتا
وقت کے دشت بے برگ میں
واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا

☆☆☆

بارش دیکھ کر اریبہ مچل سی گئی۔ عقیلہ خالہ کو پکڑ کر صحن میں لے آئی اور شلٹر کے نیچے رکھے تخت پر گاؤ تکیے لگا کر ان کو ان کے سہارے بٹھا دیا اور خود رسی پر ٹنگے کپڑے جلدی جلدی اتار کر تخت کے ایک طرف گٹھڑی بنا کر رکھ دیا اور جھاڑو اٹھا کر صحن میں پھیرنے لگی۔ خالہ اسے روکتی رہ گئیں۔

"اتنی مٹی پڑی ہے بارش کی وجہ سے پھسلن ہو جائے گی خالہ۔"

"ارے کل آئے گی نا زرینہ تو کر لے گی۔"

"بس رہنے دیں خالہ۔ یہ آپ کی زرینہ بھی نا۔ بالکل نکمی ہے۔ گھر کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے کل اس کی خبر لیتی ہوں۔" وہ مستعدی سے جھاڑو لگا کر کچرا ایک طرف کرنے لگی۔

"تم اگر کام میں جتی رہو گی نا اس طرح تو سکندر کو کہہ کر تمہیں واپس بھجوا دوں گی۔ بیا، مجھے بڑی ندامت ہوتی ہے تم کام کرنے کے لیے نہیں آئی ہو میرے پاس۔" خالہ کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔

اریبہ جلدی سے جھاڑو ایک طرف ڈال کر ان کے نزدیک آ بیٹھی۔

"مجھے پتا ہے خالہ۔ آپ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں اور یہ سب تو میں خوشی سے کر رہی ہوں۔ اپنا گھر سمجھ کر کر رہی ہوں۔ اچھا چلیں روئیے مت۔ میں نہیں کرتی دیکھیں جھاڑو بھی پھینک دی۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر پچکارتے ہوئے بولی۔ اور خالہ کے ساتھ خود بھی ہنس پڑی۔ عقیلہ خالہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لبوں پر لگا کر چوما۔

"پگلی۔ راحیلہ کی بیٹیاں ہمیشہ مجھے اپنی بیٹیاں ہی لگی ہیں۔ یقین کرو تمہارے آنے سے میرا دل بہت بہل گیا ہے۔ اکیلے پن کا احساس ختم ہو گیا ہے۔"

"تو بس پھر خوش رہا کیجیے۔ ساری فکریں چھوڑ دیں اور یہ سکندر بھائی کی فکر میں گھلنا تو بالکل ہی چھوڑ دیجیے۔" وہ کسی بزرگ کی طرح مربیانہ انداز میں کہنے لگی۔ "اپنے آپ کو اکیلا مت جانیے۔"

"نہیں سمجھوں گی آج کے بعد سے۔" خالہ اس کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ "اور سچ کہتی ہو اس نگوڑے کی فکر کروں گی ہی نہیں۔ بس۔" خالہ کے ساتھ وہ بھی ہنس پڑی اور سر تائیدی انداز میں ہلانے لگی۔

سکندر اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑا یہ سارے منظر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

تقدیر ہمیشہ اپنے بنائے راستے پر انسان کو چلاتی ہے انسان کے سوچے راستے اور خواہش پر نہیں چلتی۔ یہ قانون قدرت ہے جو اٹل ہے۔ تو پھر اس دلیل سے انسان بہل کیوں نہیں جاتا۔ وہ ہمیشہ اپنے نصیب سے الٹ کیوں چلنا چاہتا ہے۔ ستر ماں سے زیادہ چاہنے والا اس کا نصیب لکھتا ہے تو غلط تو نہیں لکھتا ہوگا اس کے حق میں۔ سب سے بہتر ہی لکھتا ہوگا۔ پھر جانتے بوجھتے شیطان کے تیروں سے وہ زخمی ہو کر تڑپنا کیوں پسند کرتا ہے۔ کیا لوجک ہے۔ خدایا کوئی یہ گتھی سلجھا دے۔ اسے سمجھائے۔ وہ رب کی رضا پر راضی ہونے والا کیوں نہیں بن جاتا ایک افسردہ سانس اس کے سینے کی تہ سے نکل کر آزاد ہو گئی۔ وہ کمرے سے نکل کر صحن میں چلا آیا۔ اریبہ کے آ جانے سے اماں بہل گئی تھیں۔ ماں کا چہرہ دیکھ کر اسے خاصی تسلی ہوئی۔ وہ خاصی بہتر لگ رہی تھیں۔

"شکر ہے تمہیں بھی کمرے سے نکل کر میرے پاس بیٹھنے کا خیال آ گیا۔" عقیلہ خالہ اسے دیکھ کر بولیں۔ "آؤ بیٹھو۔"

"یہ آپ کو مجھ سے زیادہ ہی شکایات نہیں رہنے لگیں۔" وہ موڑھا کھینچ کر مسہری کے نزدیک رکھ کر بیٹھ گیا

اور اریبہ پر اچٹتی نگاہ ڈالی جو سکندر کو دیکھ کر بے نیاز بننے کی اداکاری کرنے لگی تھی اور جا کر کیاری کے پاس کھڑی بھیگ رہی تھی۔

"اسے کہیے شام کی بارش میں زیادہ نہ بھیگے، بیمار شمار ہو جائے گی۔" وہ اسے براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے خالہ سے کہنے لگا۔

"بھیگنے دو۔ روز کون سا بارش ہوتی ہے۔" خالہ نے پیار بھری نظریں اریبہ پر جمادیں۔ "اسے بارش بہت پسند ہے۔ اور اس عمر میں تو ہر موسم ہی منچلا کر دیتا ہے۔"

"پھر بھی زیادہ بھیگ گئی ہے یہ۔" سکندر کو ذرا تشویش سی تھی۔

"میں اتنی کمزور نہیں ہوں کہ اس ذرا سی بارش میں بیمار شمار ہو جاؤں گی۔" اریبہ اس طرف آتے ہوئے بولی اور خالی جگ اٹھا کر صحن کے عین وسط میں رکھنے لگی جہاں بارش کا شفاف پانی جگ میں گرنے لگا۔

"خالہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں بارشیں روز روز کہاں ہوتی ہیں۔" وہ سکندر کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی۔ "یہ کرم ہم فقیروں پر شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ پھر ہم کہاں اور یہ حسین موسم کہاں۔"

سکندر یک دم نظریں چرا گیا۔ اس کا معنی خیز انداز اور تبسم اسے سنبھلنے پر مجبور کر گیا۔ وہ خالہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ نے کھانا وانا کھا لیا۔"

"ہاں ابھی کھایا ہے...... دلیہ بنایا تھا بیا نے اور تمہارے لیے پلاؤ بنایا ہے۔"

"ارے واہ پلاؤ۔ وہ چہک کر بولا۔ بیا کو پلاؤ بنانا بھی آ گیا ہے میں تو سمجھ رہا تھا یہ بس خیالی پلاؤ ہی بنا سکتی ہے۔" اس کے انداز میں چھیڑ تھی۔

"مائنڈ اٹ۔ میں کبھی خیالی پلاؤ نہیں پکاتی۔" وہ برا مان کر وہیں سے بولی پھر گیلا دوپٹا کھول کر ہلکے سے جھٹک کر سینے پر پھیلا کر اندر کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

"کھانا لگا دیتی ہوں۔" وہ گرل کھول کر اندر جانے لگی خالہ سکندر کو خفگی سے گھور رہی تھیں۔

"ناراض کر دیا نا میری بچی کو۔"

"آپ کی بچی کو میں کیوں ناراض کرنے لگا۔ یہ میری بھی کچھ لگتی ہے۔"

اندر قدم رکھتے ہوئے اریبہ کا دل ذرا سا لرزا۔ سکندر کے جملے نے اس کی دھڑکن تیز کر دی۔ اس کی سماعت بھی بصارت کا روپ دھارنے لگی۔ اس کا دل خالہ کی آواز سے بندھنے لگا۔

"اچھا کیا لگتی ہے تمہاری۔" خالہ کے لہجے میں شرارت آمیز رنگ چھلکا۔ وہ سکندر کو بغور یوں تکنے لگیں جیسے اس کی آنکھوں سے اس کے دل میں جھانک لینا چاہتی ہوں۔ مگر وہاں حالات معمول پر تھے۔ کیفیات میں قطعاً کوئی جذباتی رنگ نہ چھلکا تھا۔ اس نے بارش کے قطروں کا مزا لیتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔

"خالہ کی بیٹی ہے چھوٹی بہن جیسی۔" پھر یک دم ہنس دیا۔ "آپ جو سوچ رہی ہیں ویسا کچھ نہیں۔"

ادھر اریبہ کا دل چاہا پلٹ کر کوئی چیز اٹھا کر اپنے ہی سر پر مار لے۔ "آخر یہ آدمی کس مٹی کا بنا ہوا تھا خالہ کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔

وہ جھٹکے سے گرل کھول کر اندر چلی گئی۔

"اچھا اب زیادہ بے کار کا نہ بولو۔ شادی سے پہلے سب بہنیں اور کزنز سی ہوتی ہیں۔" خالہ برا مان گئیں۔

"تمہیں میری خوشی عزیز ہی نہیں ہے سکندر، تم...... تم لگتا ہے مجھے جیتے جی مار ڈالو گے۔ میرے مرنے کے بعد ہی اپنی زندگی بناؤ گے۔" "یونہی بے آباد رہنا چاہتے ہو۔"

"ارے ارے آپ تو جذباتی ہونے لگیں۔" سکندر نے گھبرانے کی ایکٹنگ کی اور ان کا ہاتھ تھامنا چاہا جو

انہوں نے کھینچ لیا۔

''اچھا کھانا تو کھانے دیں۔ پھر بات کرتے ہیں۔ سچی بہت بھوک لگ رہی ہے اور پلاؤ کا سن کر تو اور بھی زیادہ۔'' وہ سر کھجا کر معصومیت سے بولا۔ عقیلہ خالہ اسے گھورتے گھورتے مسکرا دیں اور پیار سے اس کے سر پر چپت ماری۔

''جاؤ کھالو۔ اور ہاں تعریف ضرور کرنا۔ بہت محنت سے بنایا ہے میری طبیعت ٹھیک ہوتی تو ضرور کھاتی۔ راحیلہ کی طرح اس کی بچیوں کے ہاتھوں میں بھی بہت ذائقہ ہے۔''

وہ موڑھے سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔ پلاؤ کی خوشبو باورچی خانے سے باہر تک آ رہی تھی۔

☆☆☆

نصیبہ۔ ارسلہ کو بلاؤ وہ ہمارے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہے۔'' مہوش کو ارسلہ کی فکر پڑ گئی۔ وہ صبح سے انہیں دکھائی نہ دی تھی۔ ناشتے کی ٹیبل سے بھی غائب تھی۔ نہ ان سے الجھی، نہ آبص سے کوئی تلخ کلامی، نہ نوکروں پر برستی دکھائی دی۔ اور اس وقت بھی اس کی غیر حاضری انہیں تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

سب خیریت تو ہے نا۔'' نصیبہ کو ارسلہ کے روم میں بھیج کر وہ آبص سے مخاطب ہوئیں جو اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا۔ اکبر جیلانی نے بھی آبص کی طرف دیکھا پھر مہوش کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''سب خیریت ہی ہے تم ہر وقت فکر مند نہ ہوا کرو۔ ارے بھئی موڈ نہیں ہوگا اس کا۔''

''وہ سو رہی تھی اس لیے میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔'' آبص نیپکن ہونٹوں پر تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

''آپ کھانا کھالیں وہ آجائے گی۔''

''کبھی کبھی اس کی ضدی طبیعت سے ڈر لگنے لگتا ہے بھوکی رہے گی کیا۔ میں جا کر دیکھتی ہوں۔'' مہوش اٹھنے کو ہی تھیں کہ نصیبہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔

''کیا ہوا۔ اسے بلایا تم نے۔''

''جی وہ ان کی طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہو رہی ہے بیگم صاحبہ۔'' نصیبہ کچھ گھبرائی ہوئی سی تھی۔

''کیا ہوا۔'' مہوش کے ساتھ اکبر جیلانی اور آبص بھی چونکے۔

''وہ جی، میں ان کے کمرے میں گئی تو وہ الٹیاں کر رہی تھیں منہ بھر بھر کر۔ میں نے جلدی سے ان کو تھام کر بیڈ پر بٹھایا ہے چکر اور نقاہت بہت تھی۔

الٹیاں یو مین......اوہ۔''

''جی......شام کو بھی وہ کچن میں آئیں تو ان کا جی متلا رہا تھا مجھ سے کھٹی میٹھی ٹافیاں لے کر کمرے میں چلی گئیں اور اس وقت بھی نڈھال ہو رہی ہیں۔'' نصیبہ پختہ اور تجربے کار عورت تھی یہ بتاتے ہوئے اس کے لبوں کی تراش میں خوش گوار مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں معنی خیز چمک۔

ادھر مہوش پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔

الٹیاں......جی متلانا، چکر آنا۔ ان کی تجربہ کار نگاہیں حیرت کے ساتھ ساتھ کسی انہونی خوشی کے احساس سے چمکنے لگیں۔ انہوں نے بے اختیار آبص کی طرف دیکھا تھا جو اکبر جیلانی کی طرح ارسلہ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر قدرے متفکر دکھائی دے رہا تھا۔

مہوش کرسی دھکیل کر اٹھیں اور ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئیں۔ ایک سرشاری کی کیفیت میں ان کا رخ ارسلہ کے کمرے کی جانب تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

آرم ہانی

باورچن

کٹلٹس فرائی کر کے اس نے بڑی پلیٹ میں طریقے سے سجا کر رکھے اور کھانے کی میز پہ درمیان میں رکھ دیے۔ ایک نظر اس نے کھانے کی میز پہ ڈالی۔ چکن مکھنی، فرائیڈ چکن، رشین سلاد، کٹلٹس، مٹن بریانی، کولڈ ڈرنکس اور تنوری روٹی۔ سب تیار تھا اور سجاوٹ لاجواب۔

''ماما سب کو کھانے کے لیے بلالیں۔'' کمرے سے نکلتی ماں کو اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور خود وہیں لاؤنج کے صوفے پہ ڈھے سی گئی۔ اب تو دل کر رہا تھا کہ بس کسی کونے میں اسے بستر لگا مل جائے اور وہ سکون کی نیند سو جائے اور ایسے میں اگر اے سی کی ٹھنڈک بھی ہو تو کیا ہی بات ہو۔ اس نے حسرت سے سوچا اور بڑے اے سی والے کمرے سے اپنی بہنوں کی پلٹن کو نکلتے دیکھا، جواب ڈائننگ ہال کا رخ کر رہے تھے۔

''تم نہیں کھاؤ گی کھانا؟'' باجی نورینہ نے اسے صوفے پہ لیٹا دیکھ کر پوچھا۔ وہ بمشکل مسکرائی۔

''بعد میں کھالوں گی۔'' اگست کی حبس زدہ گرمی میں صبح سے کچن میں کھڑے ہو کر پسینے سے جو حال ہوتا ہے ان ہی حالوں میں وہ تھی اور اس حال میں وہ بنا شاور لیے، لباس تبدیل کیے کھانا کھالیتی...... ناممکن۔ اس لمحے تو اسے خود سے گھن آرہی تھی، کیسے کسی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیتی۔

سب ڈائننگ ہال میں کھانے کے لیے چلے گئے تو اس نے سکھ کا سانس لیتے بڑے کمرے کا رخ کیا، جواب صرف اس کا لیکن باجیوں کی شادی سے پہلے سب بہنوں کا مشترکہ کمرہ تھا۔ اندر اے سی کی خنکی میں دل کیا وہیں سو جائے لیکن پہلے اس نے شاور لیا اور لباس تبدیل کیا پھر سکون سے بستر کا رخ کیا۔ اب ذرا گرمی کا زور ٹوٹا تو بھوک بھی چمک اٹھی تھی لیکن سوچا کچھ دیر کمر نکالی جائے۔ جسم بالکل اکڑ گیا تھا، صبح سے کھڑے ہو ہو کر۔ ابھی وہ لیٹی ہی تھی کہ اس کی بھانجی وردہ آ گئی۔

''خالہ! نانو کہہ رہی ہیں کہ کھانا کھالیں آپ بھی اور سب کو سویٹ ڈش سرو کر دیں۔''

''ہاں آتی ہوں۔'' اس کا سارا موڈ جو وہ بنائے



ہوئے تھی کہ کچھ دیر آرام کرے گی، یک دم غارت ہو گیا۔

"مجال ہے جو ماما اتنا سا بھی کام کر لیں۔ اب سویٹ ڈش بھی میں نکال کر رکھوں۔ اس گھر میں، میں نہ ہوں تو کوئی کام ڈھنگ سے نہ ہو سکے۔" چاروناچار اٹھتے اس نے باہر کا رخ کیا۔

سویٹ ڈش کھانے کے بعد سب کی فرمائش پہ اس نے چائے بنا کر دی۔ اب تو اپنی بھوک ہی مر گئی تھی تو کیا کھاتی۔ سب کو چائے دینے کے بعد اس نے بڑے کمرے کا رخ کیا اور اے سی آن کر کے سو گئی۔ باجیاں کب اپنے اپنے گھروں کو گئیں اسے بالکل خبر نہ ہو سکی۔ مغرب کے بعد جو سو کر اٹھی تو سب جا چکے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اتنے مہمانوں کی دعوت کی توفیق دی۔ سب آئے، اچھی طرح کھانا کھایا اور اپنے گھروں کو چلے بھی گئے۔" ماما مزے سے صوفے پر نیم دراز کہہ رہی تھیں۔

"اللہ کے بعد اس بیٹی کا بھی کبھی شکریہ ادا کر دیا کریں جو ہمیشہ باورچن بنی اتنا کچھ بنا کر دیتی ہے آپ کی لاڈلیوں کو۔" وہ ہلکا سا طنز کر گئی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ سب کچھ میری بیٹی نے ہی تو کیا ہے ورنہ مجھ سے تو ہلنا محال ہے۔" ماما مسکرا دیں۔

تہمینہ کی چار بڑی بہنیں تھیں اور ساری ہی شادی شدہ، اسی شہر میں قریب قریب رہتی تھیں۔ ہر ہفتے نہ سہی دو ہفتے میں ایک چکر تو لازمی لگا لیتیں، وہ بھی ایک ساتھ۔ ایسے میں کھانا بنانا یا چائے کے ساتھ ٹھیک ٹھاک لوازمات کا انتظام کرنا تہمینہ کے ذمے ہی ہوا کرتا تھا کیونکہ وہ اس گھر کی سب سے چھوٹی اور بن بیاہی بیٹی تھی۔ ماما جوڑوں کی مریض ہونے کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتی تھیں، نہ ہی کام کر سکتی تھیں۔ اسی لیے کچن کی ساری ذمہ داری تہمینہ کے کاندھے پہ تھی۔ جب تک ان کے اکلوتے بھائی کی شادی نہیں ہو جاتی تھی، یہ ذمہ داری اسے ہی نبھانا تھی اور علی ابھی شادی پہ آمادہ نہیں تھا۔

"اللہ کسی کو گھر کا سب سے چھوٹا پیس نہ بنائے۔" وہ اکتا کر اپنے کالج کی دوستوں میں بیٹھ کر کہا کرتی۔

"وہ کیوں بھئی؟"

"کیونکہ سب بہنوں کی شادیاں کرنا، ان کے بچے سنبھالنا، ان کے لیے کھانا بنانا چھوٹی کا فرض سمجھا جاتا ہے اور جب اس بے چاری کی اپنی شادی کی باری آتی ہے تو سب اپنے گھروں میں مصروف، کوئی پوچھتا تک نہیں۔" وہ منہ پھلائے کہتی جس کے ان دنوں رشتے آ رہے تھے اور رشتے والوں کے لیے وہ سب کچھ خود ہی بنا کر لے جاتی تھی۔ نہ کبھی کوئی بڑی بہن اس کی مدد کو آئی نہ کبھی پیش کش کی۔

☆☆☆

"لڑکا اکلوتا ہے، نہ کوئی بہن نہ بھائی۔ بس ماں ہے اور باپ بھی فوت ہو چکا ہے۔" ماما کے تفصیلات بتانے پہ اس کی آنکھیں یک دم چمک اٹھیں۔

"پھر تو فوری ہاں کر دیں۔"

"ہاں تو تب کروں نا جب وہ لوگ آمادہ ہوں اس رشتے پہ۔" ماما کی بات پہ اس کا منہ لٹک گیا۔

"تو کب تک جواب دیں گے وہ لوگ؟"

"ایسی بھی کیا بے صبری لڑکی۔" انہوں نے باقاعدہ اسے گھورا تھا۔

"ایسے رشتے بھلا روز تھوڑا ہی ہاتھ آتے ہیں۔ کم از کم اتنی مختصر سی فیملی میں، میں باورچن بننے سے تو بچ جاؤں گی، جیسے یہاں بنی پھرتی ہوں۔" ماما اس کی بات بخوبی سمجھ کر اب اسے گھور کر دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھ لینا ہاں ہی کریں گے وہ لوگ۔ جو لڑکیاں میکے میں باورچن بنی پھرتی ہیں نا۔ ان کے ساتھ سسرال میں ایسا نہیں ہوتا۔ اب ہر جگہ برا تو نہیں ہوا کرتا نا۔" بڑے مزے سے کہتی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور ماما یہی سوچ رہی تھیں کہ وہ چلی گئی تو واقعی اس گھر کا کیا ہو گا۔

پھر ان لوگوں کی جانب سے ہاں ہی ہوئی تھی۔
تہمینہ کے تو پیر زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ جلد از جلد شادی ہو اور وہ پیا دیس سدھارے۔

"ویسے میری شادی کے بعد آپ کچن کیسے سنبھالیں گی جب ہم سب بہنیں آئیں گی تو؟" مزے لے لے کر اس نے یہ سوال کیا تھا۔ یہ سوچنا ہی اسے عجیب سی خوشی دے رہا تھا کہ اب وہ بھی اس گھر میں مہمان بن کر آیا کرے گی اور بہنوں کی طرح کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی۔

"کون سنبھالے گا بھلا۔ علی کو کہہ کر باہر سے کھانا منگوایا کروں گی، جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی اور بعد میں کچن اس کی بیگم کے حوالے ہوگا۔"

"تو یہ کام آپ میرے ہوتے ہوئے نہیں کر سکتی تھیں؟ مجھے ہی کچن کی گرمی میں جھونکنا تھا۔" خفگی سے شکوہ کناں تھی۔

"اب جب ایک بیٹی گھر میں موجود ہو تو باہر سے کھانا آتا اچھا لگتا ہے کیا؟" ماما کی بات پہ اس کا مزید منہ بن گیا۔

وہ جلد ہی اس گھر سے چلی جائے گی، یہ خیال اداس بھی کرتا تھا لیکن خوشی بھی دیتا کہ کم از کم ہر وقت کچن کے کاموں اور بہنوں کی مہمان نوازی سے تو جان چھوٹے گی اس کی۔ سسرال میں دو بندے تھے اور دو بندوں کے بھلا کیا کام ہونے تھے۔ متوقع فراغت کا سوچ کر ہی اداسی خوشی میں ڈھل جاتی تھی۔

☆☆☆

اس کی سسرال میں اس کے میاں اور ساس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ فیملی تو ایسی تھی جیسے شروع ہوتے ہی ختم ہو گئی ہو۔ تین بندوں کے بھلا کیا کام ہونے تھے جب کہ کام والی بھی روزانہ آتی تھی۔ شروع کا عرصہ تو دعوتوں میں ہی گزر گیا۔ مہینے بعد ساس نے کھیر پکائی کی رسم سے کچن اس کے حوالے کر دیا۔

"اب سے کچن تمہارے حوالے۔" وہ مسکرا دی کہ کون سا بہت کام تھا کچن کا۔ ایک دن پکایا کرے گی، دو دن چلایا کرے گی۔

"ہم دو ہی لوگ ہیں گھر میں تو وقت نہیں گزرتا۔ اسی لیے کبھی ہم کسی کے یہاں چلے جاتے ہیں اور کبھی کوئی ہماری طرف آ جاتا ہے۔" ساس بتا رہی تھیں۔ "میرے تین بھائیوں کی فیملی، طاہر کے چچا کی فیملی، میری دو بہنیں۔ ہم سب اسی شہر میں ہیں تو ہر ہفتے کسی نہ کسی کا آنا جانا ہو جاتا ہے۔ مہمان نوازی بہت ہے ہمارے ہاں۔ گھر بڑا اور لوگ تھوڑے ہیں تو دوسرے شہروں سے بھی جس رشتے دار نے لاہور آنا ہوتا ہے ہمارے ہاں ہی ٹھہرتا ہے۔ تمہاری امی نے بتایا تھا کہ تم ماشاءاللہ سے اپنی ساری بہنوں کی دعوت با آسانی کر لیتی ہو۔ ہمیں ایسی لڑکی ہی چاہیے تھی اس گھر کے لیے جو اس گھر کو اچھی طرح سے سنبھال لے۔ بس بیٹا جب بھی مہمان آنے ہوں، اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ ہر شے ایک سے بڑھ کر ایک ہونا چاہیے۔ کسی بھی چیز کی انہیں کمی نہیں ہونا چاہیے۔ میں اور طاہر مہمان نوازی میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتے۔ جیسے اپنے گھر کا کچن دیکھتی تھیں نا، ویسے ہی اس گھر کا کچن بھی اب تمہارا ہے۔"

تہمینہ کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو بدن میں لہو نہیں۔

"کل طاہر کے چچا کی فیملی رات کے کھانے پہ آنا چاہ رہی ہے۔ تم دیکھ لینا کہ کیا کیا بنانا ہے اور طاہر سے منگوا لینا جو بھی بازار سے منگوانا ہے۔" ساس اتنا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ وہیں صوفے پہ ڈھے سی گئی۔

"لو جی اب یہاں بھی باورچن۔" وہ جو مختصر فیملی کا سوچ کر ڈھیروں فراغت کے خواب بن کر اس گھر میں آئی تھی۔ اس کے سارے خواب ہی چکنا چور ہو گئے تھے۔ وہ اب ان ہی خوابوں کی کرچیاں اٹھائے کل کی دعوت کے لیے سامان لکھنے کے لیے کاغذ قلم اٹھائے بیٹھی تھی۔

ایک نیا کچن اپنی نئی باورچن کا منتظر تھا۔

☆☆

عطیہ خالد

بچھڑنا بھی ضروری تھا

محبت عجب دیوانگی ہے...... دیوانگی در دیوانگی...... محبت کو بے اختیار کرتی ہوئی...... اسے مجبور اور پابند کرتی ہوئی...... محبت فقط دیوانگی ہے......

نارنجی آتشی گولا بہت دنوں بعد اپنی آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ کینیڈا کے سرد موسم میں کیسا غنیمت تھا۔ دونوں کچھ دیر سے سنگی بینچ پر بیٹھے باتیں کررہی تھیں جو ان کی فراغت کا معمول تھا۔ سامنے چھوٹی نہر بہہ رہی تھی۔ جس کے کنارے کنارے سفید براق بگلوں کے غول بیٹھے دانا چگنے میں مصروف تھے۔ ہر تھوڑے سے وقفے کے بعد وہ دانوں کے ڈبے سے مٹھی بھر کر نکالتیں اور اسے بگلوں کی طرف اچھال دیتیں۔ وہ تیزی سے پر پھڑپھڑاتے نئے دانے کی طرف لپکتے۔

''کب تک اکیلی رہوگی؟ کیوں خود کو سزا دیتی ہو ڈیئر؟ فہد بہت اچھا ہے۔'' زارا نے حق دوستی نبھایا۔

''ہاں۔ وہ واقعی میں بہت اچھا ہے...... بے ریا اور مخلص۔''

''پھر انکار کی وجہ......؟''

''مجھے شادی نہیں کرنی......'' آنا نے ہمیشہ کا جواب دہرایا۔

''آخر کیوں آنا؟ فہد کتنی محبت کرتا ہے تم سے...... کتنا شریف ہے۔ پورا اسکول اس کی شرافت اور سادگی کے گن گاتا ہے۔'' زارا نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

''مجھے کب اس کی شرافت یا اخلاص سے انکار ہے۔ میں تو پہلے ہی کہتی ہوں وہ بے ریا اور مخلص ہے، لیکن مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔'' آنا نے دانا اچھالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن اس طرح تنہا زندگی کیسے گزاروگی آنا! انسان کو انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر کب تک خود کو بہلاوے دیتی رہوگی۔''

جس دن سے زارا کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی وہ آنا کے پیچھے پڑی تھی کہ فہد کا پروپوزل قبول کرلو۔ شادی کرلو۔ فہد ان دونوں کا کولیگ تھا۔ اور آنا سے شادی کا خواہش مند تھا۔ زارا اس کو بہت پسند کرتی تھی۔ ایک زارا ہی کیا سارا اسٹاف اور بچے اس کے گرویدہ تھے۔ وہ تھا ہی اتنا اچھا۔ لیکن آنا کا جواب مسلسل انکار میں تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہاری شادی پر میں کیا پہنوں؟''

آنا نے زارا کے اصرار سے تنگ آکر بات بدل دی۔ اور زارا نے بھی جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

''ایسا کرتے ہیں آج اسکول کے بعد مارکیٹ چلتے ہیں۔ تمہارے لیے جوڑا خریدیں گے۔''

''میرے تو سارے پیریڈ ہوچکے ہیں، اب میں فارغ ہوں۔ تم بھی آف لے لو تو ابھی چلے چلتے ہیں۔'' زارا نے آنا کی آمادگی دیکھتے ہوئے جھٹ پٹ پروگرام فائنل کیا۔ دونوں مارکیٹ چلی آئیں۔

''اف...... ! سارے ہی جوڑے پیارے ہیں اس بوتیک کے تو۔ تمہاری پسند کا ڈریس مل جائے

ناولٹ



گا یہاں سے۔'' زارا جوش سے دبا دبا چلائی۔ ''یہ پر پل میکسی دیکھو......'' زارا نے ایک طرف اشارہ کیا۔
''اونہوں! بہت لاؤڈ ہے۔ اس سے بہتر تو وہ بلیک میکسی ہے۔'' آنا نے دوسری طرف اشارہ کیا۔
''اونہوں! بلیک تو بالکل نہیں۔ تمھاری وارڈروب پہلے ہی سیاہ اور سفید سے بھری ہوئی ہے۔'' زارا نے فوراً انکار کردیا۔
''چلو وہ سامنے والی شاپ پر چلتے ہیں۔'' زارا نے جلدی مچائی۔ دونوں ایک پاکستانی لڑکی کی بوتیک پر شاپنگ کے لیے آئی ہوئی تھیں اور مختلف ڈریس گھوم پھر کر دیکھ رہی تھیں کہ اسی دوران بوتیک کی اونر ان کی طرف آئی۔
''مجھے بتایئے مس! کچھ مدد میں کروں؟ کیسا ڈریس چاہیے آپ کو؟'' ینگ سی اونر نے پیشہ وارانہ مسکراہٹ سجا کر کہا۔ اس سے قبل کہ دونوں اسے کوئی جواب دیتیں۔ گرم جوشی سے ''ہیلو'' کہتے ہوئے فہد نے انہیں جوائن کیا۔
''سوری۔ میں کچھ لیٹ ہوگیا۔''
''ایسی بھی کچھ دیر نہیں ہوئی......'' زارا فوراً بولی جبکہ آنا کی مسکراہٹ تختی میں تبدیل ہوگئی۔
''ہمیں ایسا ڈریس چاہیے جو دلہن کی سب سے قریبی دوست شادی والے روز پہن سکے۔ منفرد اور شاندار ہو۔ میکسی یا لانگ فراک ٹائپ کچھ......'' زارا نے اونر کو بتایا۔
''آپ میرے ساتھ آیئے۔ میرے اسٹاک میں رات ہی کچھ نیو ڈریسز آئے ہیں۔ انہیں ابھی شو کیس نہیں کیا گیا۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کو بہت پسند آئیں گے۔'' اونر ان کو لے کر اپنے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔
کچھ ہی دیر میں اس نے کاؤنٹر پر کئی بے حد نفیس ڈریسز پھیلا دیے۔ پنک لانگ ڈریس پر فہد اور آنا نے ایک ساتھ ہاتھ رکھا۔ فہد کی آنکھوں میں لہراتی پسندیدگی دیکھتے ہوئے آنا فوراً آسمانی ڈریس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''بس! اس پنک ڈریس کو فائنل کریں۔'' زارا سمجھ گئی تھی کہ آنا کو ڈریس پسند آگیا ہے۔ وہ صرف فہد کی وجہ سے اسے رد کررہی ہے۔
''یہ انگوری بھی بہت اچھا ہے۔''
''اور یہ آسمانی بھی کچھ کم خوبصورت نہیں۔''
''نہیں! بس فیصلہ ہوگیا۔ تم یہ پنک ڈریس ہی پہنوگی۔'' زارا نے قطعیت سے کہا۔
''اسے پیک کردیجیے پلیز!'' زارا نے پنک ڈریس اونر کی طرف بڑھایا۔
''آنا...... میری بات کا جواب دیجیے پلیز......'' فہد نے آنا کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنا نے بےزاری سے اس کی طرف دیکھا۔
''آنا! میری محبت آپ کے دل پر دستک کیوں نہیں دیتی۔ کیا آپ کو میرے جذبات کا اندازہ نہیں۔'' فہد نے بےچینی سے کہا۔
''نہ جانے زارا کہاں رہ گئی۔'' آنا نے ادھر دیکھتے ہوئے کہا جس طرف ابھی ابھی زارا گئی تھی۔
''آنا! میری محبت پر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا......'' فہد کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔
آنا خاموش رہی۔
''آنا! پلیز کچھ تو بولیے...... یقین کیجیے آپ پہلی لڑکی ہیں جس کے چاہ کی اتنی شدید خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی ہے، ورنہ میں کوئی دل پھینک قسم کا لڑکا نہیں ہوں۔ میرا یقین کیجیے آنا!''
فہد کی محبت اس کے سارے وجود سے چھلکتی تھی۔ لیکن اس محبت کو باریابی نہیں ملنے والی تھی۔ اسے نامراد ہی رہنا تھا۔ اس کے نصیب میں وصل کا سکھ نہیں تھا۔
''محبت جبر کے موسموں میں نمو نہیں پاتی فہد! میں اپنے دل کو آپ سے محبت کرنے پر آمادہ نہیں پاتی۔ آپ بہت اچھے ہیں اور آپ کی ساتھی کو بھی بہت اچھا ہونا چاہیے۔ آپ ہی کی طرح مخلص اور محبت سے پر...... آپ کو میرے ساتھ پر اصرار چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔'' آنا

نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔
"میں چلتی ہوں۔ آپ زارا کو بتا دیجیے گا کہ مجھے دیر ہو رہی تھی......" آنا نے میز پر سے اپنا بیگ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا۔ ڈریس والا بیگ اٹھایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی مال سے باہر آ گئی۔

☆☆☆

چمکتی دمکتی روپہلی شام زارا کے گھر شادمانی کا پیام لے کر آئی تھی۔ سفید لمبی فراک میں سفید گلابوں سے سجی زارا بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ پنک لانگ ڈریس میں ملبوس آنا پر بھی حاضرین کی نگاہیں بھٹک رہی تھیں جو اپنی اداس آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ کسی سلطنت کی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ جس کا شہزادہ اس سے بچھڑ گیا ہو۔ فہد کی کیفیت عجیب تھی۔ اس کی چور نگاہوں کے احاطے میں آنا کا سراپا تھا...... دلربا اور دلنشیں...... وہ بے اختیار اس کی طرف چلا آیا اسٹیج پر۔
"ہیلو آنا! بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" فہد مسکرایا۔
"ارے آج کے دن اس طرح کے جملوں پر صرف زارا کا حق ہے۔"
"جی نہیں! دلہن کے ساتھ اس کی سہیلی بھی جی بھر کے تعریف وصول کر سکتی ہے۔" زارا نے دونوں کی بات سن کر کہا۔
"کتنی خوب صورت لگ رہی ہے آنا۔ زارا میں نے درست کہا ناں؟" فہد نے زارا کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔
"ہاں بالکل......" زارا نے تائید کی۔
"لیکن تم سے کم......" آنا نے مسکرا کر بات ٹالی۔
اسی دم دولہے کو اسٹیج پر لانے والے کچھ اور کلاس فیلوز نے اسٹیج کو گھیرے میں لے لیا۔ اونچے اونچے قہقہوں کی یلغار سے بچتی بچاتی آنا ایک تنہا میز پر چلی آئی۔ فہد کی نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور وہ ایسی میز پر جا بیٹھا جہاں سے بخوبی آنا کو دیکھا جا سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد آنا نے اپنی بھیگی آنکھیں پونچھیں تو وہ اس کی میز پر چلا آیا ایک اور کوشش کے لیے۔
"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"
"آپ بیٹھ چکے ہیں......"
فہد ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔
"اتنی اداس کیوں ہو آنا؟" فہد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
"ایسا تو کچھ نہیں......" آنا کی آواز بھاری تھی۔
"آنا! میں تمہارے اور تمہاری محبت کے درمیان آنا نہیں چاہتا۔ مجھے تو بس تمہاری تنہائی بانٹنی ہے، تمہارے سنگ چلنا ہے۔"
آنا کا دل چاہا کہ وہ ڈپٹ کر فہد کو خاموش کروا دے لیکن وہ خاموش رہی۔
"تمہاری آنکھیں محبت کے بے شمار رازوں کی امین معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ بول اٹھیں تو سامنے والے ان میں امڈ آنے والی باڑھ میں بہہ جائیں گے۔ اتنا کرب ہلکورے لیتا ہے ان میں۔"
آنا خاموشی سے فہد کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی خوب صورت آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھی۔
"یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو فہد! آج تو میں بے حد خوش ہوں۔ آج میری سب سے پیاری دوست کی شادی ہے۔"
"آنا! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں، مجھ سے شادی کر لو۔ ہم بہت خوش رہیں گے۔ میں تمہارا بہت خیال رکھوں گا۔"
آنا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ فہد کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا۔
"محبت کا آفاقی پرندہ ہر دل پر ایک بار ہی دستک دیتا ہے اور میں اس کی دستک پر دل کے کواڑ

کھول چکی ہوں۔ اب یہ در زندگی بھر کے لیے بند ہے۔ تم جان لو فہد کہ تمھاری کوششیں لاحاصل ہیں۔ تم کبھی بھی میرے دل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ بس آج کے بعد دوبارہ ایسی بات مت کرنا۔ ورنہ میری دوستی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے......'' آنا نے قطعیت سے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا اور اٹھ کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئی جہاں دلہن کا فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

محبت دلوں کو برمانے والا جذبہ ہے۔ دلوں کو زخمی کر دینے والا۔ چین و سکون اپنے ساتھ بہا لے جانا والا۔ جس کے گزر جانے کے بعد فقط آنسوؤں، کراہوں اور تڑپ کے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس بات کا ادراک آنا کو ہر پل ہو رہا تھا۔ ایک دل چاہتا تھا کہ فہد کا ہاتھ تھام لے، بھول جائے سب کچھ۔ کیا دیا تھا اس محبت نے آنسوؤں کے سوا۔

مسلسل تنہائی کا اثر تھا یا پھر زارا کی مسلسل فون کالز کا، اس کے سمجھانے کا کہ اس نے قدرے مسکرا کر فہد کی طرف دیکھا جو نہر کے کنارے کھڑا اس ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے وہ لپک کر قریب آ گیا۔ سنگی بینچ کے دوسرے کنارے پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کیسی ہو آنا؟'' اس نے پوچھا۔ ''اداس ہو؟'' فہد نے بات بڑھائی۔

''ہاں! زارا کے بغیر اسکول سونا سونا سا لگتا ہے۔'' آنا نے بگلوں کی طرف دانا اچھالا۔

''ہاں واقعی، اس کی کمی تو بہت محسوس ہو رہی ہے۔''

''اس کی کلاس کے بچے بھی اسے بہت مس کر رہے ہیں۔'' آنا بولی۔

''اس جیسی ٹیچر کا ملنا بھی مشکل ہے۔ مس ٹینا اس کی جگہ آ تو گئی ہیں...... پتا نہیں کور کر پائیں گی یا نہیں......''

''اگر تم فری ہو تو کینٹین چلیں کافی کے لیے۔''

فہد نے کچھ توقف سے کہا۔

''چلو......'' اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرے گھر چلو گی؟ ممی ڈیڈی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔'' فہد نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''اچھا! آؤں گی کسی دن۔'' اس کے کہتے ہی فہد کا چہرہ کھل اٹھا۔

''کسی دن نہیں، کل سنڈے ہے...... تم ہمارے ساتھ ڈنر کرو۔'' فہد نے اصرار کیا۔

''اچھا! ٹھیک ہے۔'' آنا نے گہری سانس بھری اور موبائل پر وقت دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔''

''چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ مجھے آفس میں کچھ کام ہے۔'' دونوں اکیڈمک بلاک کی طرف چل دیے۔

نیکسٹ سنڈے وہ فہد کے گھر، اس کے ممی ڈیڈی کے ساتھ ڈنر کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنے خول سے باہر نکلے اور وہ نکل آنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ وہ زندگی کے اس ڈھب کو بدل دینا چاہتی تھی۔

''آنا! بیٹا۔ یہ فرائیڈ رائس تو لو۔ تم کو تو بہت پسند ہیں۔'' فہد کی ممی نے چاولوں کی ڈش آنا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کون سا مضمون پڑھاتی ہو بیٹا تم اسکول میں۔'' فہد کے ڈیڈی پوچھ رہے تھے۔

''انگلش......'' آنا نے مختصر ترین جواب پر اکتفاء کیا۔ وہ گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

''یہ مچھلی بھی لو بیٹا! تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں......'' ممی نے تلی ہوئی خوش رنگ مچھلی کا ٹکڑا آنا کی پلیٹ میں ڈالا۔

''آپ نے مچھلی بالکل سوزی کی طرح بنائی ہے۔ بہت مزیدار ہے۔'' آنا نے حق مہمانی نبھاتے

ہوئے اپنی سوزی کو یاد کیا۔

''ہمیں بہت اشتیاق تھا کہ ہم سوزی سے ملتے۔ ایسے وفادار لوگ بہت نایاب ہوتے ہیں۔'' ممی بولیں۔

''جی۔ سوزی بہت پیاری شخصیت کی مالک تھی۔ وفا اور محبت سے لبریز۔'' ماحول اداس ہو گیا تھا۔

''تمہارے فادر بھی ٹیچر تھے۔ فہد نے بتایا تھا۔ تو ٹیچنگ تمہارے جینز میں آئی ہے...... فہد کو بھی بے حد شوق تھا ٹیچر بننے کا حالانکہ اس کا داخلہ انجینئرنگ کالج میں بھی ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے ٹیچنگ لائن میں ہی جانا پسند کیا۔ پھر میں نے ہی اس کو کہا کہ جب ٹیچنگ لائن ہی لینی ہے تو نابینا بچوں کو پڑھانے کی ٹریننگ لو اور انہیں پڑھاؤ۔ اور اس نے فوراً میری بات مان لی۔'' فہد کے ڈیڈی نے تفصیل سے بتایا۔

''اور اسے وہاں تم مل گئیں......'' ممی نے مسکرا کر آنا کا ہاتھ دبایا۔

ڈنر کے بعد سب کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر فہد آنا کو ہاسٹل چھوڑنے کے لیے چلا آیا۔ راستے میں آنا کو محسوس ہوتا تھا کہ اس کی سانسیں بند ہونے کو ہوتی ہیں۔ ہاسٹل پہنچ کر اس نے برق رفتاری سے کار کا دروازہ کھولا اور فہد کی پکار نظر انداز کرتی ہوئی ہاسٹل کی طرف دوڑ پڑی، وہ لمحوں میں فہد سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ اسے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اپنی گم گشتہ محبت کی یادیں کافی تھیں۔ وہ انہی کے سہارے زندگی گزارے گی۔ یہ طے ہو گیا تھا۔

☆☆☆

تاحد نظر نیلم پگھل رہا تھا۔ کہیں ہلکے کہیں گہرے نیلے پانیوں میں سفید برفیلی جھاگ کی گوٹ سے سجے دائروں کے اندر دائرے۔ مچلتے تڑپتے پھسلتے دائروں میں ایسا سحر تھا کہ وہ گھنٹوں اپنی کھڑکی سے انہیں دیکھتی رہتی مگر دل نہ بھرتا۔ نہ وہ تھکتی، نہ اکتاتی۔ بس مبہوت ہوئی بیٹھی رہتی۔ سوزی اس کو اس طرح مگن دیکھ کر مسکراتی اور پھر اپنے کاموں میں مگن ہو جاتیں۔

''بے بی۔ آپ کے غسل کا وقت ہو گیا ہے۔''

ان کے کہتے ہی اس کی پیشانی پر لاتعداد شکنیں پڑ جاتی۔

''مجھے کہیں جانا ہے جو میں ابھی غسل لازمی کروں۔'' یہ بحث روزانہ کی تھی۔

''مجھے ابھی سمندر کے رقص سے لطف اندوز ہونا ہے۔ آؤ تم بھی دیکھو لہریں کیسا ناچ رہی ہیں۔ ان کے رقص کی آواز کس قدر دلفریب ہے'' سوزی نے جھک کر اس کے ساتھ کھڑکی سے جھانکا اور اس کے سر پر بوسہ دیا۔

''ہے ناں سوزی۔ ان کا رقص بے مثال۔'' وہ جوش میں سوزی سے لپٹ گئی۔

''واقعی! لگتا ہے ان کی سرمستی آج حد سے سوا ہے۔'' سوزی کے چہرے پر مامتا ہی مامتا بکھری ہوئی تھی۔ بھلا وہ بے بی کی کسی بات سے اختلاف کر سکتی تھیں۔

''یہ رقص تو دیر تک جاری رہنے والا ہے جانم۔ کیوں نہ آج آپ اپنا نیلا اسکرٹ پہن کر یہاں بیٹھیں۔ اور نیلم کے آویزے۔''

''اوہ سوزی! جلدی کرو مجھے غسل کرنا ہے۔ اور مجھے اپنا نیلا ریشمی اسکرٹ پہننا ہے سفید اور سرخ گلابوں سے سجا ہوا۔''

''کیا تم مجھے سرخ گلاب بھی لا دو گی بالوں میں سجانے کے لیے۔'' آنا کی تیزی دیکھ کر سوزی ہنس پڑیں۔

''سوزی ڈیئر! کیا انکل سام وہ گلاب توڑنے دیں گے؟''

''کیوں نہیں بے بی! وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

''لیں بے بی۔ یہ رہے سرخ گلاب۔ لایئے آپ کے بالوں میں سجا دوں۔'' سوزی نے گلاب

کراس کے نم بالوں کو سنوار کر پشت پر کھلا چھوڑ دیا۔

☆☆☆

آنا کا وطن کینیڈا تھا۔ اس کے والد پاکستانی تھے اور ماں کینیڈین۔ اس کی والدہ اس کی پیدائش کے فوراً بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ اس کے والد اور میڈ سوزی نے اس کی پرورش کی تھی۔ اس کے والد اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ کیمسٹری لیب میں ایک تجربے کے دوران ہونے والے حادثے نے آنا سے آنکھوں جیسی نعمت بھی چھین لی۔ ابھی اپنی بے نوری کے غم سے آنا پوری طرح سنبھلی بھی نہیں تھی کہ ایک رات ہارٹ اٹیک سے اس کے والد کی بھی وفات ہو گئی۔ والدین کی دائمی جدائی کے بعد سے آنا اور سوزی ہی ایک دوسرے کا سہارا تھیں۔ آنا کے فادر نے ایک قلیل رقم چھوڑی تھی جس کو سوزی بہت احتیاط سے خرچ کرتے ہوئے وقت گزار رہی تھی۔ سوزی کی وفاداری یقیناً قابل تعریف اور قابل رشک تھی۔

آنا نے گھر کی حد تک خود کو بنا سہارے کے چلنے کی عادت کافی حد تک ڈال لی تھی۔ وہ کھانا خود کھا لیتی تھی۔ عموماً کچھ دیر کے ملاقاتی پہچان نہیں پاتے تھے کہ وہ نابینا ہے۔ وہ سارا دن کھڑکی سے باہر سمندر کو سنتی رہتی یا گرمیوں میں پچھلے صحن میں آلو بخارے اور بادام کے درخت کے نیچے جھولے پر بیٹھی فوک سانگ سنتی رہتی۔ کبھی کبھار سوزی کے ساتھ گھر کے پیچھے سڑک پر بھی چکر لگا لیتی۔ لیکن ایسا بھی ہوتا جب سورج خوب چمک رہا ہو اور سوزی گھر کے کاموں سے فارغ ہو۔

"سوزی۔ او بوڑھی عورت تم سنتی کیوں نہیں۔ مجھے اندر جانا ہے۔ میں تھک گئی ہوں۔ سورج مجھے کاٹ رہا ہے۔ سوزی! جلدی آؤ......" آوازیں دے دے کر میرا گلا بیٹھ رہا ہے۔" آنا غصے سے چلائی۔

"اوہ! سوری بے بی۔ کچن میں بہت شور تھا۔ میں سن نہیں پائی۔"

"اچھا! ایسا کیا بن رہا ہے ہمارے کچن میں۔"

وہ طنزاً بولی۔

"آج منڈے ہے، آپ کو یاد نہیں۔ میں اکثر منڈے کو چاپ نہیں فرائی کرتی ہوں۔"

"تم جھوٹ بولنے میں کتنی ماہر ہو بڑھیا۔ میرا خیال ہے پچھلے تین مہینے سے تم مجھے کھانے کے نام پر پچھلے آنگن میں اگنے والی مشروم اور پھلیاں کھلا رہی ہو۔"

"یہاں بیٹھ جائیں بے بی...... بیڈ پر۔ لائیں میں کچھ دیر آپ کے پیر دبا دوں۔ آپ کو آج بہت دیر باہر بیٹھنا پڑا۔ کیا میں کچھ عمدہ موسیقی کی دھنیں لگا دوں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔"

سوزی نے آنا کے لیپ ٹاپ پر اس کے پسندیدہ گیت لگا دیے اور خود اس کی ٹانگیں دبانے لگیں۔

☆☆☆

آسمان پر چمکتے گولے کی حدت محسوس کرتے ہوئے آنا نے سوزی کو کہا کہ وہ اسے سمندری لہروں کے قریب لے جائے۔ سوزی نے فوراً اس کی فولڈنگ آرام کرسی پشت پر لٹکالی اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے سمندر کے قریب لا بٹھایا۔ اس کے کانوں میں ہینڈ فری لگا کر اس کے موبائل پر اس کے پسندیدہ لوک گیت لگا کر موبائل اس کی گود میں رکھ دیا اور خود کھانا پکانے کا سامان لینے کے لیے قریبی مارکیٹ چلی گئی۔

آنا کافی دیر موسیقی اور دھوپ سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی کہ اس نے اپنے قریب سے سنا کہ کوئی اسے۔

"ہیلو..." کہہ رہا تھا۔ آواز کی کھنک ہیلو کہنے والے کی جواں عمری کا اعلان تھی۔

"ہائے۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے بڑی گرم جوشی سے تھاما گیا۔

"کس قدر جاں فزا اور فرحت انگیز دھوپ ہے آج۔" نوجوان کی آواز دوبارہ ابھری۔

''واقعی۔ کئی دنوں بعد سورج فیاضی پر مائل ہوا ہے۔''
''ہم...... واقعی۔'' جوان امنگوں بھری آواز پھر ابھری۔
''آنٹی سے ملو بیٹا۔'' ایک ننھے سے نرم ملائم ہاتھ نے اس کے ہاتھ کو چھوا۔
''ہیلو'' کی آواز نے بتایا کہ وہ ایک چھوٹی سی بچی ہے یہی کوئی چار پانچ سال کی۔
''جاؤ! کھیلو بیٹا۔'' اس نے بچی کے بال کو دور اچھالا۔ آنا کے کان کسی نسوانی آواز اور تعارف کے منتظر تھے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس نوجوان کی آواز پھر ابھری۔
''پرنیاں! زیادہ دور نہ جانا بچے۔'' اس آواز کا حامل جوان کس قدر خوب صورت تھا آنا کو بخوبی اس کا اندازہ ہوا۔
''کیا آپ کافی لیں گی؟'' پوچھا گیا۔
''عنایت ہوگی۔'' آنا نے تمام تر مسکراہٹ کو چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔ اور چند لمحوں بعد اپنے داہنے ہاتھ سے ٹکرانے والا گرم مگ تھام لیا۔
''واہ! نہایت شاندار۔ کافی بے حد عمدہ ہے۔''
''یہ کیک لیجیے مس......''
''آنا۔ آنا دلآویز ہے میرا نام......'' اس نے نہایت مہارت سے اندازہ لگاتے ہوئے چیز کیک کا پیس اٹھالیا۔
''سریلا نام ہے آپ کا، آپ ہی کی طرح۔''
''میں رمیز ہوں۔ رمیز ہمایوں۔'' نوجوان نے گلابی مائل گلاب کی طرح کھلے ہوئے چہرے کو تکتے ہوئے جواب دیا۔ آنا نے نفاست سے کیک ختم کر کے کافی کے سپ لینے شروع کر دیے۔ کافی ختم ہوئی تو سوزی بھی واپس پہنچ گئی۔
''چلیے بے بی۔ اب آپ تھک چکی ہوں گی۔''
''اوہ بڑھیا تم کتنی بور ہو۔ بھلا میں مسٹر رمیز کی رفاقت میں تھک سکتی ہوں۔ یہ انتہائی شائستہ اور دلچسپ گفتگو کرتے ہیں۔ تم گھر جاؤ اور کھانے کی تیاری کرو۔ میں سورج کے ڈوبنے سے پہلے گھر آجاؤں گی۔''
''آپ اکیلے؟'' سوزی بڑبڑائی۔
''ہاں تو کیا کوئی لاؤلشکر میری واپسی کے لیے درکار ہوگا۔ جاؤ گھر جاؤ۔ اور مجھے بور کرنا بند کر دو۔''
آنا کے چہرے پر غصے کا گلال پھیل گیا تھا۔ سوزی اپنی باسکٹ اٹھائے گہری سانس بھر کر گھر کی طرف چل پڑی۔ وہ آنا کی ضد سے بخوبی واقف تھی۔ اب اسے گھر جانے پر کوئی چیز آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔

ساری دوپہر آنا نے رمیز کے ساتھ باتیں کرتے اور گیت سنتے ہوئے گزار دی۔ رمیز وقتاً فوقتاً اسے مشروبات اور پھل پیش کرتا رہا۔ اور پرنیاں کو بھی بلا بلا کر کچھ نہ کچھ کھلانے پر آمادہ کرتا رہا۔ وہ کھانے پینے کے معاملے میں بالکل آنا کی طرح نخریلی تھی۔ کچھ دیر میں ہی اس کی آنا سے دوستی ہوگئی۔ اور وہ اس سے بے تکلفانہ باتیں کرنے لگی۔ باتوں کے دوران وہ رمیز کی بیوی کی غیر موجودگی کے بارے میں پوچھنے سے خود کو روک نہیں پائی۔
''تین سال قبل زینیا نے ہمیں چھوڑ دیا۔ اس کے سواحلی دوست کی رفاقت کی خواہش میری اور پرنیاں کی محبت سے کہیں زیادہ تھی۔'' رمیز کی آواز میں گھلے ہوئے دکھ نے آنا کو بھی اداس کر دیا۔
سورج نے رخصت ہونے کی تیاری کر لی تو رمیز نے بھی اپنی چیزیں سمیٹ کر جیپ میں رکھ لیں۔ سوزی آنا کو لینے آپہنچی تھی۔ رمیز نے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے اپنا وزیٹنگ کارڈ آنا کو تھما دیا۔ پرنیاں نے جلدی سے جھک کر آنا کے رخسار کو چوم لیا۔ سوزی نے اس کی ایزی چیئر کو فولڈ کرنے کے بعد سفید چھڑی آنا کے ہاتھ میں تھما دی۔ اور آنا راستہ ٹٹولتے ہوئے سوزی کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔
''آہ......'' رمیز کا دل کراہا۔ وہ اتنی خوب صورت، اتنی پیاری لڑکی اندھی تھی۔ اتنی دیر اس کے

پاس بیٹھ کر بھی رمیز اندازہ نہ لگا سکا تھا۔ تبھی اسے ان نیلی آنکھوں کا ڈولنا سمجھ میں آگیا۔ وہ قدرت کی اس بے نیازی پر حیران تھا اور دکھی بھی۔

☆☆☆

رمیز سے ملاقات کے چند روز بعد وہ دونوں مارکیٹ میں تھیں۔ سوزی سیل میں لگے ہوئے جوتوں کو پہن پہن کر دیکھ رہی تھی اور اس سے قدرے دور دائیں طرف آنا سی ڈیز والے دکان دار سے الجھ رہی تھی۔ اسے فوک گیتوں کی سی ڈیز چاہیے تھیں جب کہ دکان دار کا اصرار تھا کہ وہ ایک دو پاپ سانگز کی سی ڈیز بھی لے جا کر دیکھے۔ اسے پسند آئیں گی۔ اور آنا کو اس کی بات پر غصہ آگیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ غصے میں سی ڈیز خریدنے کا ارادہ ہی ترک کر دیتی ایک خوش گوار بیت بھری ہیلو نے دکان کا ماحول ہی بدل دیا۔

رمیز اسی مارکیٹ سے گروسری کر رہا تھا جب اس کی نظر سوزی اور آنا پر پڑی اور وہ فوراً ان کی طرف چلا آیا۔ آنا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ رمیز سی ڈیز خریدنے میں آنا کی مدد کرنے لگا۔ اس نے کئی نئے کلیکشنز سے آنا کو متعارف کروایا اور ان کی سی ڈیز بھی خرید وا دیں۔ سی ڈیز کی شاپ سے نکل کر آنا نے رمیز کے ساتھ گھوم پھر کر بلاوجہ ہی کچھ شاپنگ کر لی۔ سوزی اور اس نے رمیز کی آئس کریم کی دعوت بھی قبول کر لی۔

''آنا کون سا فلیور آپ کے لیے۔ اور مس سوزی آپ بھی بتایئے اپنی پسند کا فلیور۔ ویسے یہاں کی ٹوٹی فروٹی لاجواب ہوتی ہے اور پستہ بھی۔'' رمیز نے شائستگی سے پوچھا۔

''اچھا! تو میں ٹوٹی فروٹی لوں گی.....'' آنا خوشی سے چہکی۔

''اور میرے لیے پستہ، اونلی ون اسکوپ۔ مجھے زیادہ ٹھنڈا تکلیف دیتا ہے۔'' سوزی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''اور میری پرنیاں بھی ٹوٹی فروٹی لے گی۔ ہے ناں بے بی۔'' رمیز کی آواز ابھری۔

''آف کورس پاپا جانی!'' پرنیاں کی چڑیا جیسی معصوم آواز پر سب ہی مسکرائے۔ رمیز سب کے لیے آئس کریم لے آیا۔

''ٹوٹی فروٹی واقعی لاجواب ہے۔'' آنا نے کہا

''ایک کپ مزید آنا؟'' رمیز نے پوچھا۔

''ضرور، اب پستہ ٹرائی کروں گی۔'' آنا کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کی زندگی میں دوستی کے اس رنگ کی کتنی کمی تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا۔ رمیز مزید آئس کریم لے آیا۔

''واہ! یہ تو ٹوٹی فروٹی سے بھی زیادہ مزیدار ہے۔''

''سوزی! ہم نے اتنی لذیذ آئس کریم پہلے کبھی نہیں کھائی ناں۔'' آنا چہچہائی۔

''ہاں، واقعی بے بی یہاں کے فلیورز تو لاجواب ہیں۔'' سوزی مسکرائی۔ وہ آنا کے لیے بے حد خوش تھی۔

''میں جلدی ہی یہاں دوبارہ آنا چاہوں گی۔'' آنا نے اندازاً رمیز کی طرف دیکھا۔

''ضرور، میں آپ کو جلدی یہاں لاؤں گا۔ پھر ہم کچھ مزید فلیورز چکھیں گے۔''

''شکریہ رمیز۔'' نیلی آنکھیں ڈول رہی تھیں۔

ان دونوں نے رمیز کو خدا حافظ کہا تو شام گہری ہو رہی تھی۔ رمیز نے جلد ہی ملاقات کے لیے گھر آنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

آنا کو لگتا تھا دن کسی سازش کے تحت لمبے ہو گئے ہیں اور راتوں کی تاریکی گہری ہو گئی ہے۔ انتظار کی زحمت نے اس کے پھول سے رخساروں کو مرجھا دیا تھا۔ شدید اداسی نے اس کے وجود کو گھیر لیا تھا۔ آنسو ہر پل اس کی نیلی آنکھوں میں بھرے رہتے۔ سوزی کی باتیں بھی اس کا دل نہ بہلا پاتیں۔ سمندر کا رقص بھی اسے پکارتا رہتا لیکن وہ اس کی طرف دھیان نہ دیتی تھی۔ بس موبائل اٹھاتی اور پھر

رکھ دیتی۔ اس کی انا اسے خود رابطہ کرنے سے روکتی تھی۔ وہ رمیز کی طرف سے رابطے کی خواہش مند تھی۔

''بے بی! آیئے میں آپ کا لباس تبدیل کروادوں۔ آپ یہ گرم پل اوور پہن لیں۔ آج بہت سردی ہے۔''

''ہاں ہاں۔ مجھے خبر ہے کہ آج بہت سردی ہے۔ دیکھ نہیں رہیں میں نے اپنے پیروں پر لحاف ڈالا ہوا ہے یا پھر تم بھی میری طرح اندھی ہوگئی ہو۔'' آنا کا لہجہ تلخ تھا اور الفاظ تلخ ترین۔

''اچھا! یہ کافی پی لیں بے بی! آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا۔'' سوزی کافی کی ٹرے سجا کر اس کے پاس چلی آئی۔

''تم سنتی کیوں نہیں...... کتنی بار بتاؤں کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔'' آنا غصے سے بھر کر بولی۔

''ایسے تو آپ بیمار ہوجائیں گی۔''

''میں بیمار ہی ہوں...... بیمار...... اندھی اور بے بس......'' آنسو اس کے رخساروں پر پھیل گئے۔ سوزی اپنے آنسو چھپا کر کچن میں چلی آئی۔

آنا نے ایک مرتبہ پھر موبائل ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ایک دل چاہتا تھا کہ رابطہ کرلے لیکن عقل کہتی تھی کہ ایسے رابطے دکھوں کی جھیل کی مانند ہوتے ہیں جس کی تہ میں گہری دلدل موجود ہوتی ہے۔ کئی بار موبائل کو آن آف کرتے ہوئے آنا نے اپنے مخصوص کی پیڈ پر مطلوبہ نمبر ڈائل کردیا جو کہ پہلی ہی بیل پر اٹھا لیا گیا جیسے اگلا اپنے کانوں کو اس گھنٹی کے بجنے کا سندیسہ دیے بیٹھا ہو۔

''ہیلو آنا!'' اس کی ہیلو کے جواب میں مقابل کی تمام تر خوش مزاجی عود آئی تھی۔

''کیسی ہیں؟ میں شدت سے آپ کی کال کا منتظر تھا خوب صورت لڑکی۔''

آنا کا دل دھڑک دھڑک گیا۔ باوجود مغرب کی پروردہ ہونے کے اس کے اندر کسی شرمیلی مشرقی لڑکی کی روح حلول کرگئی اور وہ بس ''ہوں۔ ہاں'' ہی کرسکی۔ جب کہ رمیز دیر تک باتیں بگھارتا رہا۔

''میں آپ سے ملنے آنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے لیے وقت دینا ممکن ہوگا آنا۔'' رمیز نے اشتیاق سے پوچھا۔

''کیوں نہیں میں آج ہی سے آپ کا انتظار کروں گی۔''

''میں جلد آکر آپ کو انتظار کی زحمت سے بچا لوں گا۔''

''ضرور'' جب فون بند ہوا تو آنا کے کان حدت سے سرخ ہوچکے تھے۔ چہرہ گلاب کی مانند کھلا ہوا تھا اور ہونٹوں پر لازوال مسکراہٹ تھی۔ اس نے سوزی کی مدد سے پل اوور بھی پہن لیا اور لحاف بھی اچھی طرح اوڑھ کر سوزی سے متوقع کافی پارٹی کا مینو طے کرنے لگی۔

☆☆☆

دو تین روز گزرے تھے جب آنا اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی سمندر کو سن رہی تھی کہ قریب سے رمیز کی آواز ابھری۔ وہ گھر کے اندر آنے کی اجازت طلب کررہا تھا۔ آنا نے اس کا بھرپور خوشی سے استقبال کرتے ہوئے اسے اپنے بیڈروم میں ہی بلا لیا اور سوزی کو بہترین کافی تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ وہ دل ہی دل میں سوزی کی انتہائی شکر گزار تھی جس کے اصرار پر اس نے بروقت غسل کرکے اپنا سفید اسکرٹ زیب تن کرلیا تھا جس کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے سورج مکھی بنے ہوئے تھے۔ اس لباس میں وہ خود ایک روشن چمکتا ہوا سورج مکھی دکھتی تھی۔

''آپ بے حد خوب صورت لگ رہی ہیں۔ لباس کے معاملے میں آپ کی پسند نہایت اعلیٰ ہے۔ میں آئندہ آؤں گا تو آپ کے بالوں میں لگانے کے لیے سورج مکھی کے پھول لیتا آؤں گا۔''

''آئندہ آتے ہوئے۔'' آنا کا دل ایک اور خوش گوار ملاقات کا اسی لمحے سے منتظر ہوگیا۔ دونوں نے سوزی کی لائی ہوئی لذیذ کافی پی لی اور سینڈوچز

کھا لیے تو رمیز نے آنا کو اپنے ساتھ سمندر کے کنارے ٹہلنے کی دعوت دے دی جسے آنا نے بلا توقف قبول کر لی اور اپنی سفید چھڑی پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس ہاتھ کو رمیز نے تھام لیا۔ آنا پوری جان سے لرز گئی۔

"میرے ہوتے ہوئے کسی مصنوئی سہارے کی ضرورت نہیں مادام۔"

وہ خوش دلی سے کہتے ہوئے ہولے سے ہنسا تا کہ آنا اس کی خوش گواریت کو پوری طرح محسوس کر سکے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے سمندر کے کنارے ریت پر ٹہل رہے تھے۔

ایک دن کی چہل قدمی، کئی دنوں پر محیط ہوئی۔ آنا اور رمیز کی ملاقاتیں بڑھتی گئیں۔ اس کا ایک ریسٹورنٹ تھا۔ وہاں سے فارغ ہوتے ہوتے رات ہو جاتی لیکن وہ ہر دوسری تیسری شام کی کچھ گھڑیاں آنا کے ساتھ گزارنے ضرور چلا آتا۔ اس کی رہائش اور ریسٹورنٹ آنا کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔

آنا کی سالگرہ قریب تھی جب رمیز نے ریسٹورنٹ کی رینویشن شروع کر دی۔ اور پرنیاں کے اسکول میں ایگزام کا موسم آ گیا۔ وہ ساری دلچسپیاں بھلائے پرنیاں کو پڑھانے میں اور ہوٹل کی نگرانی میں مصروف ہو گیا۔ لیکن آنا اپنے دل کا کیا کرتی جو ہر روز رمیز سے ملنے کی ضد کرتا تھا۔ اب تو کئی دن سے رمیز کا فون تک نہیں آیا تھا اور آنا کی اداسی حد سے سوا تھی۔ خود کو مناتے مناتے ▪▪ تھک چکی تھی۔ آج تو اس کی سالگرہ تھی۔ وہ موبائل ہاتھ میں لیے صبح سے رمیز کی کال کی منتظر تھی۔ لیکن اس کا فون نہ آیا۔ بالآخر اس نے موبائل اٹھا کر رمیز کا نمبر پش کر دیا۔ فون جتنی جلدی اٹھایا گیا اتنی ہی جلدی معذرت کے الفاظ سنا کر بند بھی ہو گیا۔ رمیز اس وقت ورکرز کے ساتھ الجھ رہا تھا اس لیے اس نے آنا کی پوری بات سنے بغیر معذرت کر لی تھی۔

آنا فون پھینک کر زور سے رو پڑی۔ سوزی کے منانے کے سارے حربے بے کار ہو گئے۔ آنا نے ڈنر بھی گول کر دیا اور روتے روتے سوزی کی گود میں ہی سو گئی۔ اس کی گہری نیند کا اندازہ کر کے سوزی نے اسے بستر پر لٹا دیا اور لحاف برابر کر دیا۔ اور آنا کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات دیکھ کر افسردہ ہو گئی۔ وہ آنا سے بہت محبت کرتی تھی۔

صبح آنا کا موڈ قدرے بہتر تھا۔ باہر شدید برف باری ہو رہی تھی۔ اور ایسے میں آنا کی طبیعت مضمحل ہو جاتی تھی۔ وہ یہ دن کتابیں پڑھ پڑھ کر اور گیت سنتے ہوئے گزارتی۔ سوزی گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کیے جاتی۔ لیکن اب آنا کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا نہ گیت نہ کتابیں نہ سوزی کی بے کیف باتیں۔

وہ لحاف میں چھپی خاموشی سے رمیز کو یاد کر رہی تھی۔ اس کی باتیں......اس کا انداز......اس کی آواز اس کا قہقہہ......اس نے انگلیوں پر دن گنے۔ پورے سات دن ہو چکے تھے رمیز کا فون آئے ہوئے اور ملاقات تو پندرہ دن سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ سوچوں میں گم لیٹی ہوئی تھی کہ انکل سام چلے آئے۔ سوزی نے ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور آنا کو منا کر بستر سے نکال لائی۔

انکل سام ہمیشہ کی طرح بے حد محبت سے ملے۔ وہ آنا کے لیے ایک دلچسپ مصروفیت لائے تھے۔ ایک تو پہیلیوں کی کتاب تھی جن کو حل کرنا تھا۔ پہیلیاں بے حد دلچسپ تھیں۔ دوسرے وہ کچھ سی ڈیز لائے تھے جن کو سن کر آنا کو بریل میں ٹائپ کرنا تھا۔ دو کتابچے تھے۔ اور ان کی پے منٹ بہت مناسب تھی۔ آنا فوراً پر جوش ہو گئی۔ اور انکل سام کے جاتے ہی کتابچوں کی سی ڈیز لے کر بیٹھ گئی۔ وہ لگی رہی بمشکل اس نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اور پھر کام شروع کر دیا۔ اس نے خود کو ٹارگٹ دیا تھا کہ ▪▪ ایک ہفتے میں دونوں کتابچے مکمل کر لے گی۔

سوزی جانتی تھی کہ وہ ہفتے سے بھی پہلے یہ کام مکمل کر لے گی۔ وہ ایسی ہی تھی، محنتی، پر عزم اور پر جوش۔ جب اس کی آنکھیں روشن تھیں وہ اپنی ہم

عمر لڑکیوں میں سب سے فعال اور پرعظم لڑکی تھی۔ گھر کی الماریاں اس کے جیتے ہوئے انعامات اور شیلڈز سے بھری ہوئی تھیں۔

جس روز آنا نے انکل سام کو کتابچے مکمل کرکے دیے اور ان کی پے منٹ وصول کی تو وہ خوشی سے چیخ اٹھی اور جوش میں سوزی کو لپٹالیا۔

''میری پہلی کمائی سوزی ڈیئر۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''چلو مارکیٹ چلیں......''

انکل سام اس کی خوشی دیکھ کر ہنس پڑے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ کام اب اسے مستقل ملے گا۔ یہ سن کر تو آنا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ وہ سوزی کے ساتھ مارکیٹ چلی آئی۔ جہاں انہوں نے ضروری خریداری اور گروسری کے بعد ملک شیک پیا اور برگر کھائے۔ آنا کو ہر پل رمیز یاد آتا رہا۔ اگر وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا تو اس وقت خوشی کی نوعیت ہی کچھ اور ہوتی۔ بحر حال یہ خوشی بھی کسی طرح کم نہیں تھی۔

مستقل مصروفیت اور آمدن نے آنا کی طبیعت پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ وہ دن بھر اپنا لیپ ٹاپ کھولے کانوں میں ائیرفون لگائے مصروف رہتی۔ اس کا ہر وقت ستانے والا کمر کا درد اور کمزوری جانے کہاں اڑنچھو ہوچکی تھی۔

☆☆☆

ہوٹل کی رینویشن اور پرنیاں کے امتحان ختم ہوئے تو رمیز کو آنا بے طرح یاد آئی۔ اس نے ایک دو بار فون کیا تو آنا نے کال کاٹ دی۔ صد شکر کے عید قریب تھی۔ تحائف سے لدے ہوئے رمیز اور پرنیاں نے گھر آکر آنا کو منالیا۔ نجانے کیا کچھ وہ اس کے لیے اٹھا لایا تھا۔ پھر وہ آنا کو شاپنگ کے لیے ساتھ لے آیا۔ آنا نے بھی اس کے لیے ایک بے حد خوبصورت سوٹ خریدا تھا اور پرنیاں کے لیے کھلونے، گڑیاں اور چاکلیٹس۔ لیکن رمیز نے تو تحائف کی انتہا کردی تھی۔ مسکراہٹ سوتے میں بھی آنا کے لبوں سے جدا نہیں ہوتی تھی۔

عید سے اگلی رات جب دونوں نے باہر ٹہلنے کا پروگرام بنایا تو پرنیاں نے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ وہ ٹام اینڈ جیری میں محو تھی۔ چنانچہ دونوں اکیلے ہی باہر نکل آئے۔ یخ بستہ ہواؤں میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گھومتے ہوئے رمیز نے کچھ دلربا جملے آنا کی سماعتوں میں اتار دیے تھے۔ جن کی مہک سے وہ ساری کی ساری چٹک اٹھی تھی۔ مدماتی تھی کسی مشک بار ہرنی کی طرح جس کی خوشبو از خود زمانے بھر میں پھیلتی جاتی ہے بنا کسی جتن کے۔ وہ رمیز کا ہاتھ تھامے دھیرے دھیرے ہنستی جاتی تھی۔ رمیز بھی اس کی ہنسی میں برابر کا شریک تھا۔ نجانے کتنی دیر دونوں گھومتے رہے، یہاں تک کہ سوزی نے آنا کو کال کرکے ڈنر تیار ہوجانے کی اطلاع دی۔

رمیز اس رات ڈنر کے بعد بھی بہت دیر تک آنا کے کمرے میں بیٹھا رہا۔ دونوں نئی نئی دھنیں سنتے رہے۔ رمیز بے حد خوش دکھائی دیتا تھا اور آنا کی آسودگی اور سرمستی تو حد سے سوا تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب وہ کبھی بچھڑنے والے نہیں ہیں۔ باتیں کرتے کرتے کبھی وہ اپنا چھوٹا سا سفید ہاتھ بڑھا کر اس کے کاندھے پر رکھ دیتی اور ہنس دیتی۔ رمیز اس ہنسی کے زیر و بم میں کھو سا جاتا۔ گھڑی نے ایک بجائے تو وہ کھڑا ہوگیا اور اجازت چاہی۔ آنا کا چہرہ یکلخت اداس ہوگیا۔

''میں کل آؤں گا ڈیئر! کل رات میں ضرور آؤں گا۔ اب مجھے مسکرا کر۔ رخصت کردو۔'' اس نے محبت کو آنا کی پیشانی پر ثبت کرڈالا اور سوتی ہوئی پرنیاں کو احتیاط سے گاڑی میں لٹا کر رخصت ہوگیا۔

☆☆☆

آنا کی اور رمیز کی دوستی نئے نئے مراحل تیزی سے طے کررہی تھی۔ ملاقاتوں کے علاوہ واٹس ایپ پر میسجنگ بھی جاری رہتی۔ رمیز کئی بار آنا کو گھمانے بھی لے گیا۔ لیکن ابھی ان پرلطف دنوں کو زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ پرنیاں کو موسمی بخار نے بری طرح گھیر لیا۔ دوسری طرف ریسٹورنٹ میں دو ورکرز کی

لڑائی ہو گئی جو بڑھتے بڑھتے پولیس تک جا پہنچی۔
رمیز کو اس قضیے کو نپٹانے میں ہفتہ لگ گیا۔ وہ بخار میں مبتلا پرنیاں کو اپنی میڈ کے پاس چھوڑ چھوڑ کر کبھی ریسٹورنٹ جاتا کبھی پولیس اسٹیشن۔ واپسی پر بخار سے چڑچڑی پرنیاں ایک پل بھی اس کی گود سے نہ اترتی۔ ایسے میں رمیز ہفتہ بھر آنا کو فون نہ کر سکا۔ اور آنا ایک بار پھر ناراض ہو گئی۔

جس روز پرنیاں کی طبیعت بہتر ہوئی رمیز نے آنا کو فون کر لیا۔ لیکن شدت سے ناراض آنا نے کوئی بھی بات سننے سے انکار کر دیا۔ ریسٹورنٹ میں بھی کرسمس کی وجہ سے بے حد رش تھا۔ وہ آنا کو لے کر جگمگاتے شہر میں نکلنا چاہتا تھا مگر ریسٹورنٹ سے ایک پل کی بھی فرصت نہیں تھی۔ پرنیاں بھی ریسٹورنٹ کے کاؤنٹر کے ایک کونے پر اپنا ٹیبلٹ لیے کھیلنے میں مصروف رہتی۔

ایسی مصروفیت میں بھی رمیز کے کان موبائل، کی طرف لگے رہتے۔ اسے ہر پل آنا کے فون کا انتظار تھا۔ ایسے مصروف دنوں سے کچھ پل چپکے سے چرا کر ایک شام رمیز نے پرنیاں کے ساتھ آنا کے دروازے پر دستک دی۔ آنا نے اپنے دل کی خوشی چھپا کر بھرپور ناراضی کا اظہار کیا۔ لیکن رمیز نے اس کو منا لیا۔ اور پرنیاں کو اور اسے لیک پر گھمانے لے گیا۔ سردی سے لیک جمی ہوئی تھی۔ جھیل کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ جہاں جیالے اسکیٹنگ کر رہے تھے۔ رمیز بھی آنا کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھومنے لگا۔ آنا اس کی آنکھوں سے اس جگہ کی خوب صورتی دیکھ رہی تھی۔ وہاں گھومنے کا بعد ان تینوں نے مشہور مقامی ہوٹل میں پیزا کھایا۔ پرنیاں مسلسل اپنی معصومانہ باتوں سے انہیں ہنساتی رہی۔ رمیز نے اور پرنیاں نے کافی وقت اس کے ساتھ گزارا۔ اور ساتھ ہی رمیز نے مژدہ سنایا کہ ریسٹورنٹ کے لیے اسے ایک پارٹنر مل گیا ہے۔ دونوں نے کام کا وقت تقسیم کر لیا ہے۔ رمیز کی ڈیوٹی صبح سات سے شام پانچ بجے تک تھی۔ اور اس کے بعد وہ دونوں روز مل سکتے تھے۔ آنا نے پرجوش ہو کر اس کے ہاتھ دبائے۔ وہ خوش تھی بے حد خوش۔

پرنیاں کے اسکول میں چھٹیاں تھیں۔ اس مرتبہ اسے اپنی چھٹیاں ریسٹورنٹ میں بور ہوتے ہوئے گزارنا نہیں پڑیں۔ آنا کے پرزور اصرار پر رمیز روزانہ صبح اس کو آنا کی طرف چھوڑ جاتا۔ جہاں دونوں دنیا بھر کے مزے کرتیں۔ مختلف کھیل کھیلتیں۔ کہانیاں سناتیں اور سمندر کنارے ریت پر بھاگتیں۔ ان سارے کاموں میں نہ پرنیاں کی کم عمری حائل ہوتی نہ آنا کی بے نوری۔ ایک دوسرے کو مکمل طور پر سمجھ چکی تھیں۔ شام ہوتی تو رمیز آ جاتا اور تینوں گھومنے نکل جاتے۔ رمیز اپنی دن بھر کی روداد سناتا اور آنا اور پرنیاں اسے بتاتیں کہ آنا کس کتاب پر کام کر رہی ہے اور ان دونوں نے کون کون سے نئے کھیل ایجاد کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے پاس ہزاروں نہ ختم ہونے والی باتیں تھیں جن کا ذخیرہ ہر دن بڑھتا ہی جاتا تھا۔ تینوں بے حد مگن تھے۔ مسرور اور شاداں۔

☆☆☆

رمیز کو بار بار بخار ہو رہا تھا۔ کام کرتے کرتے کئی بار اس کو ضعف کا دورہ پڑ جاتا۔ جیسے تیسے کر کے وہ خود کو سنبھال لیتا۔ بار بار ڈاکٹروں کے پاس جانے سے اس کی طبیعت الجھتی تھی۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ طبیعت سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر اسمتھ سے رابطہ کیا۔ ساری صورت حال جاننے کے بعد ڈاکٹر اسمتھ نے اس کو مکمل چیک اپ کا مشورہ دیا۔ سارے ٹیسٹ کروانے کے بعد اب رپورٹس کا انتظار تھا۔ یہ درمیانی ہفتہ ڈاکٹر اسمتھ نے رمیز کو پرسکون رہنے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا کہ وہ ریسٹورنٹ سے ایک ہفتے کی چھٹی کر کے کہیں گھومے پھرے۔ رمیز نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر آنا کے ساتھ گھومنا چاہتا تھا لیکن طبیعت اجازت نہیں دیتی تھی۔ دو دن اس نے

گھر پر سارا دن سو کر گزارے۔ سوائے ایک میسج کے وہ آنا سے رابطہ نہ کر سکا۔ کئی بار اس نے موبائل اٹھایا لیکن شدید سر درد نے اسے کال نہیں کرنے دی۔

ادھر ان دو دنوں نے آنا کا بھی چین و قرار لوٹ لیا تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ رمیز کا حال پوچھے۔ لیکن رمیز کال نہیں اٹھاتا تھا۔ اس کو لگتا کہ رمیز جان بوجھ کر رابطہ نہیں کر رہا۔ حالانکہ ■ جانتی تھی کہ رمیز کی طبیعت خراب ہے۔

''آنا! رمیز کا دو دن سے فون نہیں آیا۔'' سوزی نے صبح آنا کے بال سنوارتے ہوئے پوچھ لیا۔

''ہاں......'' آنا دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''ارے میری بچی! روتی کیوں ہو؟'' سوزی نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''سوزی! رمیز کا فون آیا تھا مگر میں نے اس سے لڑائی کر لی۔ وہ کہتا تھا میں بیمار ہوں، ایسا بیمار ہے کہ ایک کال نہیں کر سکتا؟'' روتے روتے آنا کی آواز بیٹھ گئی۔

''آنا۔ بچے اس کی طبیعت خراب ہے اور تم نے اس سے لڑائی کر لی۔ بری بات۔ تم خود فون کر لو۔ محبت کرنے والوں سے ناراض نہیں ہوتے۔ ان کا بہت خیال کرتے ہیں۔'' سوزی نے اس کے بال سنوار کر باندھ دیے۔

محبت کرنے والوں سے...... محبت کرنے والوں سے...... محبت...... آنا کا دل و دماغ تو اسی جملے پر اٹک کر رہ گیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے خود ہی فون کر کے رمیز کو منا لیا۔ اسے یقین کامل تھا کہ رمیز اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ اس نے رمیز کے ساتھ لیک پر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ وہ آنا کی پسندیدہ ترین جگہ تھی جہاں وہ رمیز کے ساتھ پکنک منانا چاہتی تھی۔

آتی سردیوں کی اس سہ پہر کو دونوں ایک پلاسٹک میٹ پر بیٹھے تھے۔ رمیز نے اپنا کوٹ اتار کر اس کا تکیہ بنا لیا تھا اور مزے سے لیٹ گیا تھا۔ آنا اپنے نیلے اسکرٹ اور گرم پل اوور میں کسی پری کی طرح معلوم ہوتی تھی اس نے اپنے بالوں کو خاص زاویے سے سنوار کر گلاب کے پھول لگائے ہوئے تھے۔ گلابی رخساروں اور لبوں کے ساتھ وہ لیپ ٹاپ پر بجتے گیت کے ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھی۔ رمیز موبائل پر اس کی تصویریں اتار رہا تھا۔ آنا اسے بتا رہی تھی کہ کیسے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں ہر ویک اینڈ پر آتی تھی۔ وہ لوگ خوب ہلا گلا کرتے۔ میوزک بجاتے رقص کرتے اور جھیل میں موجود بوٹس کو پانی کی لہروں پر اڑاتے پھرتے۔ یہ سب بتاتے ہوئے آنا کے چہرے پر پھیلی ہوئی بے کراں خوشی اور جوش کو رمیز محبت سے دیکھ رہا تھا۔

''جارج، یاسر، سیموئیل، زارا، فواد، اور میں...... ہمارا گروپ کالج کا سب سے جوشیلا اور زندہ دل گروپ گردانا جاتا تھا۔ میں اور فواد تو کالج کی ہر ایکٹیوٹی میں حصہ لیتے تھے۔ ہر سرگرمی میں ہم دونوں سب سے آگے رہتے۔ خصوصاً گھڑ سواری اور سائکلنگ ہماری پہچان تھی۔ آخری گھڑ سواری کا مقابلے میں میں نے سیموئیل اور فواد کو باری باری ہرایا تھا۔ نیزہ بازی کا طلائی تمغہ جیتنے کا اعزاز بھی میرے حصے میں آیا۔ فواد نے تو اس ہار کو اپنے دل پر ہی لے لیا تھا جیسے۔ ہر جگہ مجھ پر طنز کے تیر برساتا۔ لیکن مجھے کوئی پروا نہیں تھی۔ البتہ سیموئیل میری جیت کو میرے ساتھ سیلیبریٹ کرتا رہا تھا۔ میں نے ساری کلاس کو گھر پر پارٹی دی تھی۔ پارٹی کے بعد ہم سب بوٹ اڑاتے رہے......'' پھر یکایک جیسے چمکتے سورج کو کسی بدلی نے سیاہ کر دیا آنا کا چہرہ بجھ گیا۔ لب پھڑپھڑائے۔ ''اور پھر اگلے ہی روز وہ حادثہ ہو گیا میں اندھی ہو گئی۔ ساری خوشیاں سارے جوش سارے ولولے خاموش ہو گئے۔ جامد ہو گئے اور آنا اپنے اندھیروں کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔ بالکل اکیلی۔''

رمیز نے آہستگی سے ان بے نور آنکھوں سے بہتا پانی اپنے رومال پر سمیٹ لیا اور ہاتھ بڑھا کر

اسے اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ دیر تک آنا کی سسکیاں اس کا دل برماتی رہیں اور وہ ضبط کیے بیٹھا اس کے دل ہلکا ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

☆☆☆

اگلے روز ہی رمیز نے آنا پرنیاں اور سوزی کے ساتھ مل کر نیاگرا فالز جانے کا پروگرام بنایا۔ آنا اور پرنیاں اس پکنک کے لیے بہت پرجوش تھیں۔ انہوں نے ڈھیروں پلان بنا لیے تھے۔ آنا نے اپنے فون کو نئے نئے گیتوں اور دھنوں سے بھر لیا تھا۔ سوزی نے لذیذ اسنیکس بنا بنا کر جمع کر لیے تھے۔ کہیں مچھلی تلی تھی تو کہیں آنا کی فیورٹ چاپیں۔ پرنیاں کے لیے اس کا پسندیدہ چاکلیٹ کیک۔ رمیز کے لیے بروسٹ سب کی خوشی دیدنی تھی۔

نیاگرا فالز ان کے گھر سے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ اسپاٹ پر پہنچ کر انہوں نے قدرے تنہا جگہ ڈھونڈھ کر اپنے میٹ بچھا کر اپنا سامان سیٹ کر دیا۔ اور چاروں فالز کی طرف چلے آئے۔ آنا نے مستقل رمیز کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ وہ نہ صرف فالز کے سرگم کو سن رہی تھی بلکہ وہ رمیز کی آنکھوں سے اس کے دلفریب نظارے کو تک رہی تھی۔ پرنیاں اور سوزی بھی ان کے قریب قریب گھومتے ہوئے فالز کے جھاگوں، اڑتے ہوئے پانی کو دیکھ رہی تھیں۔ ہر طرف پانی کا شور تھا۔ پانی کا سرگم...... پانی کے گیت...... پانی ہر طرف گا رہا تھا۔ چاروں دیر تک گھومتے رہے۔

گھومنے کے دوران ہی رمیز کو محسوس ہوا کہ اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے کہنے پر سب اپنے میٹس کی طرف آ گئے۔ رمیز نے آنا کی پسندیدہ دھنیں لگا دیں۔ اور خود وہ لیٹ گیا۔ سوزی اور پرنیاں لڈو کھیلنے لگیں۔ آنا رمیز کے سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگی۔ سورج کے ڈھلنے سے پہلے پہلے انہوں نے لنچ کر لیا۔ رمیز کی طبیعت کی وجہ سے وہ لوگ جلد واپس ہو گئے۔ ڈرائیونگ کے دوران بھی رمیز مضمحل ہی رہا۔ آنا کے گھر آنا اور سوزی کو اتارا تو آنا بصد اصرار اس کو اپنے ساتھ گھر لے آئی۔

گرم بستر کے ساتھ آنا کی دلربا صحبت میسر تھی۔ سوزی نے جلد ہی ڈنر سرو کر دیا تھا۔ ڈنر کے بعد پرنیاں اپنے ٹیب میں گم ہو گئی۔ آنا نے رمیز کے قریب ایزی چیئر ڈال لی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ رمیز کی آنکھیں لطف وانبساط سے بند ہو گئیں۔ کچھ دیر ہی میں وہ گہری نیند سو گیا۔ اس کے ہلکے ہلکے خراٹے اس کی گہری نیند کا پتا دے رہے تھے۔ آنا نے اس پر لحاف برابر کیا۔ اور خود سوزی کے ساتھ اس کے کمرے میں سونے کے لیے چلی آئی۔ مسکراہٹ نے اس کے من موہنے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

سردی کی اس شاندار صبح میں سی گلز نے کھڑکی پر چونچیں مار مار شور برپا کر دیا تھا۔ جیسے انہوں نے آنا کی سرخوشی کا راز پا لیا تھا اور وہ اس کی خوشی بڑھانے کے لیے آ موجود ہوئی تھیں۔ سوزی ناشتے پر ایک دعوت کا سا اہتمام کرنے میں مشغول تھی۔ پرنیاں کھڑکی کے شیشوں سے ناک چپکائے سی گلز کو دیکھ دیکھ کر تالیاں بجا رہی تھیں۔

"آنا! کتنی ساری سی گلز ہیں۔"

"ہاں ڈیئر! اور یہ ساری میری دوست ہیں۔" آنا نے پرنیاں کی طرف باہیں پھیلائی۔

"اوہ! کتنی پیاری ہیں سب، اور بڑی بڑی ہیں۔"

"ہاں۔ کیونکہ میں ان کو بہت سا دانا کھلاتی ہوں۔ ان کا فیورٹ دانا۔"

"اوہ تو سی گلز کو انجوائے کیا جا رہا ہے۔" رمیز کی آواز سن کر آنا اور پرنیاں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"کیسی طبیعت ہے رمیز؟" آنا نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔" رمیز نے پرنیاں کو لپٹاتے ہوئے کہا۔

"پاپا! آنا کہہ رہی ہے کہ ہم ناشتا سمندر کے

پاس کریں گے۔سی گلز کے ساتھ۔'' پرنیاں چہچہائی۔
''بالکل ٹھیک میری ننھی پری......''
تھوڑی دیر بعد چاروں سمندر کے قریب ریت پر میٹ بچھائے ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔ ناشتے کے بعد آنا کے ساتھ خوب صورت سی شام بتانے کا پروگرام بنا کر پرنیاں اور رمیز نے ان سے اجازت لی۔ آنا وہیں بیٹھ کر کانوں میں ہیڈ فون لگائے کتابوں پر کام کرنے لگی۔ جبکہ سوزی گروسری کے لیے مارکیٹ چلی گئی۔

☆☆☆

بیل کی آواز پر قدرے حیران ہوتے ہوئے رمیز نے دروازہ کھولا۔ بلو جینز پر وائٹ بند گلے کا سویٹر پہنے آنا کھڑی تھی ہاتھ میں کیک کا ڈبا اور پھول لیے ہوئے۔ حیرانی اور خوشی سے اس نے آنا کو ویلکم کیا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے بیڈ روم کے صوفے پر لا بٹھایا۔ پرنیاں اسکول میں تھی۔
''آنا ڈیئر اتنے خوب صورت سرپرائز کے لیے میں کیا کہوں۔ تم نے میری خاطر کیب پر آنے کی مشکل اٹھائی۔'' رمیز نے فکر مندی سے کہا
''کوئی مشکل نہیں ہوئی رمیز! سوزی مجھے تمہارے دروازے پر چھوڑ کر واپس گئی ہے۔'' آنا نے ہاتھ بڑھا کر رمیز کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''میں تمہارا برتھ ڈے منانے کے لیے آئی ہوں رمیز......'' مسکراہٹ سے آنا کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔
''تمھیں یاد تھا ڈیئر......'' رمیز نے پوچھا۔
''میں کیسے بھول سکتی تھی؟ میرے پاس یاد رکھنے کو بہت کم چیزیں ہیں رمیز......''
''اچھا چلو میں تمھیں زبردست کافی پلاتا ہوں خود بنا کر۔ میڈ تو آج اسٹور کی صفائی میں مصروف ہے۔''
رمیز نے آنا کو اداس ہونے سے بچایا اور اس کا ہاتھ تھام کر کچن میں لے آیا۔ دونوں کافی بناتے ہوئے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ کافی پی کر دونوں نے شہر کے مشہور پیزا ہٹ پر جانے کا فیصلہ کیا۔ آنا آج کے دن کو یادگار بنانا چاہتی تھی۔ جانے سے پہلے رمیز نے آنا کے اصرار پر آنا کے لائے ہوئے گفٹس کھول کر دیکھ لیے۔ سب ہی اس کو بہت پسند آئے۔ سویٹر تو اس نے اسی وقت پہن لیا اور پرفیوم بھی لگا لیا۔ لذیذ لنچ کے بعد دونوں لیک پر چلے آئے ڈھیر ساری باتیں کرنے کے لیے۔ رمیز نے اس کو بوٹ پر بھی گھمایا۔ آنا کو اس نے اتنا ہنسایا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آنا نے اس سے وعدہ لیا کہ ساری گرمیاں ہر ویک اینڈ پر وہ ایک شام بوٹ میں گزاریں گے۔ رمیز کو اس کی کسی بھی بات سے انکار کیسے ہو سکتا تھا۔
جب وہ آنا کو گھر چھوڑنے جا رہا تھا تو اس کی طبیعت پھر مضمحل محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آنا کو چھوڑ کر سیدھا ڈاکٹر اسمتھ کے پاس جانے کا پروگرام جہاں ایک دلخراش خبر اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

''رمیز! تم نے کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟'' اس نے ٹٹول کر رمیز کے ہاتھ تھامنے چاہے۔ لیکن رمیز نے ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے۔
''ہاں۔ وہ تو میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم میری سب سے پیاری دوست ہو اور میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن اس محبت کا مطلب شادی ہرگز ہرگز نہیں ہے آنا۔''
''کیوں نہیں۔ محبت ایسی یا ویسی نہیں ہوتی وہ تو بس ہوتی ہے۔ میں تو تمھارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ رمیز تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ یا مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔''
''آنا......! آنا! میں تمہیں وہاں کیسے لے جا سکتا ہوں۔ پاکستان کینیڈا نہیں ہے۔ وہاں ایسی دوستی قبول نہیں کی جاتی۔ وہاں بس شادی ہوتی ہے۔''
''تو رمیز! تم مجھ سے شادی کر لو۔ سادہ سی

بات ہے۔ پھر تو تمہارے پاکستان کو اعتراض نہیں ہوگا ناں۔" آنا نے فوری حل پیش کر دیا۔

"آنا۔ بات کو سمجھو ڈیئر! میری منگنی ہو چکی ہے۔ اب صرف رخصتی کی تقریب ہونی ہے۔ میں کیسے تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ میں یہاں صرف کمانے آیا تھا۔ مجھے واپس لوٹنا ہی ہوگا۔" رمیز نے قطعیت سے کہا۔

"رمیز تم نے زینیا سے بھی تو شادی کی تھی۔ پلیز رمیز...... مجھے مت چھوڑو......"

"زینیا سے شادی کر کے میں پہلے ہی اپنے والدین کو ایک مرتبہ ناراض کر چکا ہوں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے مجھے معاف کیا ہے۔ رباب سے شادی کر کے ہی میں ان کو منا سکتا ہوں اور میں یہ موقع کھونا نہیں چاہتا۔"

"رمیز تم تو ایک سے زائد شادیاں کر سکتے ہو۔ ہمارا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔ تم مجھ سے بھی شادی کر لینا۔"

"ایسا قطعی ممکن نہیں آنا! میں نے تم سے صرف دوستی کی ہے۔ یہاں تو ایسی دوستیوں کا رواج ہے۔ میری اور بھی کئی لڑکیوں سے دوستی ہے۔ کیا میں ان سب سے شادی کر لوں؟" رمیز کے الفاظ بھالے کی انی کی طرح چبھنے والے تھے۔

"تم نے مجھے ویلنٹائن پر سرخ گلاب دیے تھے رمیز!" آنا کرلائی۔

"وہ پیلے گلاب تھے۔ تم نے انہیں خود ہی سرخ تصور کر لیا تھا۔" رمیز سارے بندھن کاٹ رہا تھا۔

"تم نے اسی وقت میری خوش فہمی کیوں دور نہیں کی۔" آنا آنسو پونچھ کر غرائی۔ جیسے وہ یہ جنگ جیت ہی تو لے گی۔

"مجھے تم پر ترس آ گیا تھا آنا۔ تم ان گلابوں کو سرخ سمجھ کر بے تحاشا خوش تھیں۔ میں نے تمہاری وقتی خوشی کو پامال ہونے سے بچا لیا تھا۔"

"آہ! تم نے مجھ اندھی بے چاری لڑکی پر ترس کھایا تھا۔ یا پھر تم کو اپنا ویلنٹائن برباد نہیں کرنا تھا۔ اپنی خوشی کے لیے تم میرے دل میرے جذبات کے ساتھ کھیل گئے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو آنا۔ میں تمہارا مخلص دوست تھا اور رہنا چاہتا ہوں۔" رمیز نے اپنا موقف دہرایا۔

"رمیز چلے جاؤ۔ میں کسی رمیز کو نہیں جانتی۔ چلے جاؤ۔ کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لیے۔" آنا بات ختم کر کے لڑکھڑائی۔ لیکن اس نے سہارے کے لیے بڑھتے رمیز کے ہاتھوں کو جھٹک دیا۔ اور چلائی۔

"چلے جاؤ" اور بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس نے بستر اور میز پر موجود ہر چیز الٹا دی۔ جب سوزی نے اسے سمیٹا اس کے بال سہلائے اس کا ماتھا چوما تو وہ نڈھال ہو چکی تھی۔ اس کی کمر کا درد عود آیا تھا اور وہ کسی ننھی خوف زدہ بچی کی طرح لرز رہی تھی۔ سوزی نے اسے ممتا بھری آغوش میں سلا لیا۔

☆☆☆

"اس معاشرے میں تو ایسی دوستیاں زندگی کا حصہ ہیں۔ میں نے کبھی تم سے شادی کا وعدہ نہیں کیا۔ میرا رشتہ تو کینیڈا آنے سے پہلے ہی میری کزن رباب کے ساتھ ہو چکا تھا۔ جو کچھ تم نے سوچا سراسر یکطرفہ تھا۔ میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔" رمیز کے سنگلاخ الفاظ کی بازگشت تھی ہر طرف۔

"تم چاہو تو ہم آج بھی اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔" آنا نے اپنے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔ اسے کئی لوگ مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔

رمیز کو بچھڑے عرصہ ہو چکا تھا۔ آنا اپنے اندھیروں کے ساتھ اکیلی تھی۔ تنہا اور بے بس۔ رمیز کی یاد ہر پل اس کا کلیجہ نوچتی تھی۔ ہر روز اسے محسوس ہوتا کہ رمیز آج ہی اس سے بچھڑا ہے۔ وہ جدائی والے روز کی طرح روز ہی روتی تھی۔ اور

آج تو وہ لیک پر آئی تھی اپنے زخموں کو کریدنے۔
آج جب فہد نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو اسے بے طرح رمیز یاد آیا۔ اب وہ بہت دیر سے وہاں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ رمیز کے زہر خند الفاظ کی بازگشت آج تک اس کا پیچھا کرتی تھی۔ ہر پل یہ غم تازہ تھا اور بہت بڑا۔ سو آنا کو ہر دن رونا تھا اور وہ روتی رہی۔ اس نے گیت سننے اور پہیلیاں حل کرنی بند کر دیں۔ اب وہ صرف کتابوں پر کام کرتی اس تیزی سے سوزی کو اس کی انگلیوں کو ٹکور کرنا پڑتا۔ جدائی کے دن بھی گزرنے لگے ایک دو چار سات......
اس کو سمندر اب آوازیں نہیں دیتا تھا۔ سی گلز اس کی کھڑکی کے پاس آ کر اپنی چونچیں مارتیں تو وہ بددلی سے انہیں ڈانٹ دیتی۔ زندگی ایک جمود کا شکار تھی۔ ایسے میں ایک شام گھر کا سودا سلف لینے گئی ہوئی سوزی ایمبولینس پر واپس آئی۔
اس دنیا میں آنا اب بالکل اکیلی تھی بالکل اکیلی۔

☆☆☆

فہد کو قطعیت سے انکار کرنے کے بعد آنا عجیب بے کلی کا شکار تھی۔ سو اپنا دھیان بٹانے کے لیے مال چلی آئی۔ کچن کا کچھ سامان خریدنے والا تھا۔ مال میں گھوم پھر کر وہ گروسری کر رہی تھی۔
رمیز نے پورا کا پورا گھوم کر اس کی طرف دیکھا...... وہ آنا ہی تھی، لیکن نہ اس کے ہاتھ میں سفید چھڑی تھی نہ ہی وہ کسی سہارے سے چل رہی تھی۔ وہ سبزیاں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ رمیز دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر تیزی سے شاپ سے باہر نکلنے لگا، لیکن دوسری شاپ سے اندر آتے ہوئے پرنیاں نے آنا کو دیکھ لیا اور وہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔
''آنا۔ آنا......'' کچھ دیر آنا حیرانی سے اسے دیکھتی رہی پھر اسے لپٹا کر شدت سے رو پڑی۔
''آنا۔ تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو گئیں......؟''
پرنیاں حیرت اور خوشی سے چلائی۔ اور آنا کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے رمیز کی طرف آئی۔
''پاپا...... دیکھیے پاپا! آنا...... آنا کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں......''
رمیز کی طرف دیکھتے ہوئے آنا نے غیر محسوس طریقے سے پر خود کو پرنیاں کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور سائیڈ پر جانے لگی۔ لیکن پرنیاں نے اسے پھر پکڑ لیا۔
''آنا! اب تم ہمارے ساتھ چلو...... مجھے تم سے بہت باتیں کرنی ہیں۔''
''نہیں! میں تمھارے ساتھ نہیں جا سکتی مجھے کچھ ضروری کام ہے۔''
''تو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں......''
پرنیاں کو انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔
''ٹھیک ہے، تم میرے ساتھ چلو......''
''پاپا! میں آنا کے ساتھ جاؤں۔ پھر میں آنا کے ساتھ ہی ہوٹل واپس آ جاؤں گی۔''
''ٹھیک ہے! رمیز کو اجازت دینی ہی تھی۔
پرنیاں بھلا آنا کو چھوڑ سکتی تھی۔
''پاپا بہت زیادہ بیمار ہیں آنا...... ان کو برین ٹیومر ہے۔ ان کی دو سرجریاں ہو چکی ہیں۔ اب لاسٹ سرجری ہونے والی۔''
دونوں آنا کے ہوسٹل کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ پرنیاں کی آواز اداسی سے پر تھی۔
''اور تم لوگ پاکستان سے کب واپس آئے؟'' آنا نے ساری بات جان لینی چاہی۔
''ہم تو کبھی پاکستان گئے ہی نہیں آنا...... جب پاپا کی پچھلی سرجری ہوئی تو پاپا مجھے تمھارے پاس چھوڑنے کے لیے آئے تھے لیکن ہمیں پتا چلا کہ تم گھر چھوڑ کر جا چکی ہو۔
سوزی کے ایکسیڈنٹ کے بعد جب مجھے اس کی آنکھیں لگا دی گئیں تو میں کچھ عرصے بعد ہاسٹل شفٹ ہو گئی، تاکہ نابینا بچوں کے اسکول میں پڑھا سکوں۔'' آنا کی آواز جیسے کہیں دور سے

آئی۔
''پاپا مجھے سب سچ نہیں بتاتے۔ وہ مجھے ابھی بھی بہت چھوٹا سمجھتے ہیں۔ لیکن مجھے پتا ہے آنا! ڈاکٹرز زیادہ ہوپ فل نہیں ہیں۔'' پرنیاں نے سسکی لی۔ آنا نے روتے ہوئے اسے لپٹا لیا۔
''تمہارے پاپا بالکل ٹھیک ہو جائیں گے پرنیاں! خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ بہت مہربان ہے۔''

☆☆☆

''رمیز! تم نے مجھے اس قابل بھی نہیں جانا۔ اس قابل بھی نہیں کہ میں تمہارا دکھ بانٹ سکتی۔ تم مجھ پر بھروسا تو کرتے، ایک بار بتاتے تو سہی......'' آنا جب سے رمیز کے پاس آئی تھی مسلسل رو رہی تھی۔ ''تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے تم ذرہ برابر بھی فکر نہ کرو۔'' روتے روتے آنا نے رمیز سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ رمیز لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔
''تم میرے بعد پرنیاں کا بہت دھیان رکھنا۔ آنا۔'' رمیز نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ جب کہ آنا نے تڑپ کر اس کے ہاتھ تھامے۔
''تم اور میں مل کر پرنیاں کا بہت دھیان رکھیں گے رمیز۔'' آنا پھر سے رو پڑی تھی۔
''میری بچی بہت معصوم ہے، وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ماں تو اسے پہلے ہی چھوڑ کر جا چکی ہے۔ آنا تم وعدہ کرو تم میری پرنیاں کا بہت دھیان رکھو گی...... وعدہ کرو آنا۔'' رمیز نے ایکدم سر میز پر رکھ دیا۔ اس کی سانس بہت مدھم ہو گئی تھی، اور چہرہ بالکل پیلا پڑ گیا تھا۔
''رمیز! کیا ہوا، تمھاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔'' آنا نے خود کو سنبھالتے ہوئے رمیز کے ہاتھ سہلائے جو سرد پڑ رہے تھے۔
''چلو۔ میں تمھیں ہسپتال لے چلوں۔'' آنا نے بھاگ کر گاڑی نکالی۔ پھر پرنیاں کے ساتھ سہارا دے کر رمیز کو گاڑی تک لائی اور پچھلی سیٹ پر لٹا دیا اور ہسپتال کی طرف گاڑی بھگا دی۔

ہسپتال پہنچتے ہی رمیز کو آئی سی یو میں لے جایا گیا۔ کچھ دیر میں ہی ڈاکٹرز نے بتا دیا کہ صبح اس کی فائنل سرجری ہو گی۔ آنا کے اصرار پر صرف ایک نظر رمیز کو دیکھنے کی اجازت ملی۔ وہ ادویات کے زیر اثر سو رہا تھا۔ اس کا چہرہ بے انتہا زرد اور کمزور لگ رہا تھا۔ آنا اپنے آنسو چھپا کر پرنیاں کو لے کر گھر آ گئی۔ جہاں ایک کرب ناک رات اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

صبح آپریشن سے قبل آنا اور پرنیاں کی رمیز سے ملاقات ہوئی۔ وہ بمشکل بول پا رہا تھا۔
''آنا! پرنیاں میری امانت......'' اس کو آپریشن تھیٹر لے جایا گیا۔
چار گھنٹوں کی طویل سرجری کے بعد بھی اس کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ آنا اور پرنیاں ہسپتال کے برآمدے میں دعاؤں اور مناجات میں لگی ہوئی تھیں۔ رمیز کو ریکوری روم میں رکھا گیا تھا جہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ آنا پرنیاں کے لیے بے حد فکر مند تھی۔ وہ رو رو کر نڈھال ہو چکی تھی۔ آنا چاہتی تھی کہ وہ گھر چلی جائے۔ زارا اپنے میاں کے ساتھ شہر سے باہر تھی۔ آنا نے کافی سوچنے کے بعد فہد کو کال کر لی جو کہ فوراً ہی چلا آیا۔ اور پرنیاں کو اپنی ممی کے پاس چھوڑ کر واپس آنا کے پاس آ گیا۔ آنا کو اس کے آنے سے بہت حوصلہ ہوا۔
''رمیز بالکل ٹھیک ہو جائے گا آنا۔'' فہد نے آنا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''خدا کرے......'' آنا نے آنکھیں بند کر کے دیوار سے سر ٹیک دیا۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
''آپ کے مریض کو ہوش نہیں آیا۔ اگلے سات گھنٹے بہت اہم ہیں، مریض کو ہوش آ جانا چاہیے۔'' ڈاکٹر نے پیشہ وارانہ ہمدردی سے کہا۔
''اب کیا ہو گا فہد۔'' آنا نے فہد کا بازو زور سے بھینچا۔

"خدا پر بھروسا رکھو آنا۔" فہد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اور پلیز۔ یہ کھالو اور کافی پی لو۔" اس نے زبردستی اس کے ہاتھ میں سینڈوچ تھمایا۔

"اگر تم کچھ نہیں کھاؤ گی تو رمیز کو کیسے سنبھالو گی۔ پرنیاں کا دھیان کیسے رکھ پاؤ گی۔" فہد نے نرمی سے سمجھایا۔

آنا نے سینڈوچ کھانا شروع کر دیا اور کافی بھی پی لی۔ وقت تھا کہ گزر کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ ہسپتال کے اس طویل برآمدے میں وقت جیسے رک گیا تھا۔ آنا کا حوصلہ ٹوٹ رہا تھا۔ صبر بکھرنے کو تھا جب رمیز کو ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اس نے آنکھیں کھولی ہیں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ اطمینان سا اطمینان تھا۔ آنا بے اختیار سجدۂ شکر بجالائی۔

☆☆☆

محبت تو بس محبت ہے، کسی قسم کا جبر اسے گوارا نہیں۔ کسی طرح کی زبردستی اسے زیر نہیں کر سکتی۔ محبت تو وہ طلب ہے جو بس محبت کے دیدار سے سیر ہوتی ہے۔ اس کے بے خبر محبت کا قرب اس کی زیست کا حاصل ہے۔

رمیز ہسپتال سے گھر آ چکا تھا اور کافی بہتر تھا۔ آنا اس کے ساتھ اس کے گھر ہی چلی آئی تھی تاکہ اچھی طرح اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ اس نے اسکول سے چھٹی لے لی تھی۔ اب وہ دن رات رمیز کی خدمت میں جتی ہوئی تھی۔ دن بھر وہ اس کے ساتھ ساتھ رہتی۔ اس کے لیے نرم اور زود ہضم کھانے بنواتی۔ اس کو ٹہلاتی...... اس سے باتیں کرتی...... پرنیاں کو اس نے باقاعدگی سے اسکول بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ اچھی دیکھ بھال سے رمیز تیزی سے رو بصحت تھا۔ اب اسے مزید نرسنگ کی ضرورت نہیں تھی۔ میڈ گھر اور کچن کی ذمہ داری اچھی طرح سنبھال رہی تھی۔ آنا واپس ہاسٹل چلی گئی جہاں سے وہ روز کال کر کے رمیز کی خیریت دریافت کر لیتی تھی۔

اپنی صحت کی بحالی کی خوشی میں رمیز سرخ گلابوں کے بڑے سے بوکے اور کیک کے ساتھ ہاسٹل پہنچ گیا۔ لیکن آنا وہاں نہیں تھی۔ وارڈن نے بتایا کہ وہ کل رات ہی ہاسٹل چھوڑ گئی۔ رمیز نے فوراً ہی اپنی گاڑی کا رخ اس کے گھر کی طرف موڑ دیا۔ جبکہ اتنی لمبی ڈرائیو اس کے لیے ممکن نہیں تھی۔ لیکن وہ جیسے تیسے اس کے گھر جا پہنچا۔ لیکن آنا وہاں بھی نہیں تھی۔ اس نے نجانے کتنی مرتبہ آنا کو کال کی۔ لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ سن ہوتے سر اور کانپتے ہاتھوں سے بمشکل ڈرائیو کرتا ہوا وہ گھر پہنچا جہاں پہنچتے ہی اسے شدید بخار نے آ گھیرا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے پرنیاں نے ایمبولینس کو کال کر لی۔ رمیز کو فوراً ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ رمیز کو کئی دن ہسپتال میں گزارنے پڑے۔

پرنیاں بھی آنا کو کال کر کر کے تھک چکی تھی۔ جبکہ اس کو رمیز نے منع کر دیا تھا کہ وہ آنا سے رابطے کی کوشش نہ کرے نہ اس کو اس کی طبیعت خرابی کا بتائے۔ لیکن پرنیاں نے گھبرا کر آنا کو رمیز کی بیماری سے متعلق واٹس ایپ پر میسج کر دیا۔ جسے پڑھتے ہی آنا بے قرار ہو گئی۔ یوں بھی زارا اور فہد نے سمجھا سمجھا کر اس کو تھکا یارا تھا۔ وہ پہلے ہی احساس ندامت سے چور ہو چکی تھی۔ اب جو اس نے یہ پڑھا کہ رمیز کی اس کو ڈھونڈتے ہوئے یہ حالت ہوئی تو اس سے رہا نہیں گیا۔ وہ پھولوں سے لدی پھندی ہسپتال چلی آئی۔ رمیز بستر پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ آنا نے سارے پھول سائڈ ٹیبل پر رکھے اور رمیز کے سینے پر سر رکھ دیا...... آنسوؤں نے اس کا سینہ بھگو ڈالا......

"رمیز۔ میں تمہارے بنا نہیں جی سکتی۔" اس نے روتے روتے کہا۔

"اور میں بھی......" رمیز نے اس کی آنسوؤں سے بھری ہیزل گرین آنکھوں کو چوم لیا۔ ہر طرف محبت بکھیر دی۔

☆☆

شعاع عمیر



القرآن

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ ان (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں ان (مذاق اڑانے والی) عورتوں سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے۔ اور جس نے توبہ نہیں کی وہی لوگ ظالم ہیں۔ (سورۃ الحجرات، 11)

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ اس لیے کہ بدگمانی بدترین جھوٹی بات ہے اور کسی کا حال یا کوئی خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، جاسوسی نہ کرو اور کسی کے سودے کو نہ بگاڑو (یعنی چیز کے لینے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ کسی کے سودے پر سودا کرنے لگو) آپس میں حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو آپس میں غیبت نہ کرو اور خدا کے سارے (مسلمان) بندے بھائی بن کر رہیں اور روایت میں یہ الفاظ ہیں یہ آپس میں حرص نہ کرو۔ (متفق علیہ)

چار باتیں

جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی عنہ کو زخمی کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ بستر موت پر لیٹ گئے تو ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے میرے بیٹے! مجھ سے چار پھر مزید چار باتیں یاد رکھو۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابا جان! پہلی چار باتیں کون سی ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سب سے بڑی دولت عقل کی دولت ہے، سب سے بڑا فقر حماقت ہے، سب سے بڑی وحشت خود پسندی ہے اور سب سے اچھی صفت خوش اخلاقی ہے۔

حضرت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دوسری چار باتیں کون سی ہیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''احمق آدمی کی صحبت سے بچتے رہنا، کیونکہ وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا مگر نقصان پہنچا دے گا۔ اور جھوٹے شخص سے کبھی دوستی نہ کرنا، کیونکہ وہ دور کو تیرے قریب اور قریب کو دور کر دے گا۔ اور بخیل آدمی سے بچنا کیونکہ تو اس کا اتنا حاجت مند نہیں ہوگا جتنا تیرا حاجت مند ہوگا اور وہ تجھے چھوڑ کر بیٹھ جائے گا۔ اور برے آدمی کی صحبت بھی اختیار نہ کرنا کیونکہ وہ تجھے چند پیسوں میں بیچ دے گا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۹۲)

زرینہ خانم لغاری۔ مظفر گڑھ

حرکت

1۔ ہر منزل میں کوئی نہ کوئی کانٹا ضرور ہوتا ہے۔
2۔ ہر کانٹا اپنے اندر کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ رکھتا ہے۔
3۔ ہر حرکت میں جستجو کروٹ لیتی ہے۔
4۔ حرکت تجربے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔
5۔ ہر حرکت میں سبق پوشیدہ ہوتے ہیں جو کام کی ابتداء کا موجب ہوتا ہے۔
6۔ حرکت صلاح دیتی ہے کہ کچھ سیکھنا چاہیے تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

گڑیا راجپوت...... جاتری شریف

عدل وانصاف

☆ سلطان محمد بن تغلق ہفتے میں ایک روز دربار عام منعقد کر کے مظلوموں کی فریاد رسی کرتے۔ دربار میں چار مفتی مقرر تھے۔ جو اسلامی شریعت کی روشنی میں احکام سناتے اور سلطان اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ حتیٰ کے سلطان نے ان مفتیوں کو متنبہ کر رکھا تھا کہ اگر کوئی بے قصور ان کے فیصلوں کے سبب تہ تیغ کو پہنچا تو اس کا خون ناحق ان ہی کی گردن پر ہوگا۔

☆ ہندوستان کے مشہور مسلم فرمانروا شیر شاہ سوری نے اعلان کیا تھا:

''اگر کسی نے بھی میری رعایا کے کسی فرد پر ظلم کیا تو میں اس پر بجلی بن کر گروں گا اور اس کو مٹا کر ہی دم لوں گا۔''

☆ مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر نے اپنی کتاب ''تزک بابری'' میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فوج ''بھیرہ'' سے گزر رہی تھی تو سپاہیوں نے ''بھیرہ'' والوں کو ستایا، حکام نے فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرائی۔

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران...... گجرات

خامی

جگر مراد آبادی کے ایک شعر کی تعریف کرتے ہوئے ایک زندہ دل نے ان سے کہا۔

''حضرت آپ کی غزل کے ایک شعر کو لڑکیوں کی ایک محفل میں پڑھنے کے بعد میں بڑی مشکل سے پٹنے سے بچا ہوں۔''

جگر صاحب ہنس کر بولے۔

''عزیزم! میرا خیال ہے کہ شعر میں کوئی خامی رہ گئی ہوگی، ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ آپ کو مارا پیٹا نہ جاتا۔''

مسکان نور۔ لاڑکانہ

علامہ اقبال نے فرمایا

1۔ علم کی جستجو جس رنگ میں بھی کی جائے عبادت کی ایک شکل ہے۔

2۔ ایک سوچنے والے زندہ انسان کے خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ نہیں بدلتا تو پتھر نہیں بدلتا۔

3۔ انسان کی روح کی اصل کیفیت غم ہے، خوشی ایک عارضی شے ہے۔

4۔ تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔

5۔ زندگی کا راز یہی ہے کہ جہاں رہو، جس حالت میں رہو، خوش رہو اور مطمئن رہو۔

عابدہ غوری۔ کوٹ چھٹہ

بس میرا کمال دیکھو

ایک زمیندار نے مقدمے میں وکیل کیا، تاریخ پر گیا تو عدالت کے باہر وکیل صاحب زمیندار کو ایک کونے میں لے گئے اور پوچھا: میں نے کہا تھا مخالف پارٹی کے گواہ توڑنے ہیں کیا بنا؟

زمیندار: ان سے طے ہوگیا ہے کہ وہ گواہی نہیں دیں گے۔

وکیل: تفتیشی کو بھی کچھ لگایا کہ نہیں؟

زمیندار: جی کل اسی تھانے میں خدمت کر کے ضمنیاں اپنے حق میں لکھوالی تھیں۔

وکیل: مخالف پارٹی کے وکیل اور سرکاری وکیل کا بھی کچھ کیا یا نہیں؟

زمیندار: فکر نہ کریں وکیل صاحب، وہ ایک لفظ نہیں بولیں گے عدالت میں۔

وکیل: اور جج صاحب سے رابطہ نکالنا تھا، اس کا کیا ہوا؟

زمیندار: جی ان کے سالے کے گھر ان سے ملاقات ہوگئی تھی، انہوں نے یقین دہانی کروائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

وکیل: شاباش! ویری گڈ...... بس تم اب میرا کمال دیکھنا۔

اقصی شہزاد۔ ڈھوک اعوان، سکھر

غور طلب

ایک انگریز سے ملنے اس کے کچھ دوست آئے وہ اپنے دوستوں کے لیے کافی لے کر آیا۔ کافی کپ ایک جیسے نہ تھے بلکہ کوئی کرسٹل کا، کوئی پلاسٹک کا تو کوئی ماربل کا تھا۔ اس انگریز کا کہنا ہے کہ میں نے بغیر سوچے سمجھے کپ سب کو تھما دیا اور مجھے نہیں پتا کہ کسی کے حصے میں کون سا کپ آیا۔ لیکن میں کچھ دیر بعد یہ غور کیا کہ سب لوگ کافی کو انجوائے کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے کپ کو حسرت سے دیکھ رہے ہیں۔ جبکہ اصل چیز جس کو انجوائے کرنا تھا وہ کافی تھی اور وہ سب کپ اندر ایک جیسی تھی۔

یہی حال زندگی کا ہے جو کہ سب کو ایک جیسی ملی دکھ اور سکھ کے ساتھ لیکن ہم دوسروں کی زندگی کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے رہتے ہیں اور اپنی زندگی انجوائے نہیں کر پاتے۔

ماریہ نذیر۔ بھاگٹانوالہ

کھٹی میٹھی باتیں

☆ میں رب سے ڈرتا ہوں اور رب کے بعد اس شخص سے ڈرتا ہوں جو رب سے نہیں ڈرتا۔ (شیخ سعدی)

☆ زندگی ہنسائے تب سمجھنا اچھے کام کا پھل مل رہا ہے اور جب زندگی رلائے تب سمجھ لینا کہ اب اچھے کام کرنے کا وقت ہے۔ (ابوالقاسم)

☆ دنیا کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ احمق اور بے وقوف ہمیشہ خود کا یقین رکھتے ہیں اور سمجھ دار لوگ شکوک و شبہات سے بھرے رہتے ہیں۔ (جارج برنارڈ شاہ)

☆ جس دن بچے کی جیب سے فضول چیزوں کے بجائے پیسے برآمد ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اسے بے فکری کی نیند کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ (مشتاق احمد یوسفی)

☆ کبھی بھی بے وقوف کو اپنا رہنما نہ مانو خواہ دنیا میں عقل مند نہ رہیں کیونکہ خوبیاں کبھی خامیاں نہیں بن سکتیں اور نہ اچھی چیز کی عدم موجودگی میں کوئی بری چیز بہتر اور اچھی ہو سکتی ہے۔ (شیخ سعدی)

یقین اور بھروسا

ایک آدمی دو بہت اونچی عمارتوں کے درمیان تنی ہوئی رسی پر چل رہا تھا۔ وہ بہت آرام سے اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک ڈنڈا پکڑے ہو سنبھل رہا تھا۔ اس کے کاندھے پر اس کا بیٹا بیٹھا تھا زمین پر کھڑے تمام لوگ دم سادھے کھڑے یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ آرام سے دوسری عمارت تک پہنچ گیا تو لوگوں نے تالیوں کی بھرمار کر دی اور اس کی خوب تعریف کی اس نے لوگوں کو مسکرا کر دیکھا اور بولا۔

"کیا آپ کو یقین ہے میں واپس اسی رسی پر چلتا ہوا دوسری طرف پہنچ جاؤں گا؟"

لوگ چلا کر بولے: "ہاں ہاں، تم کر سکتے ہو۔"

اس نے کہا: "ٹھیک، لیکن کیا آپ میں سے کوئی میرے بیٹے کی جگہ میرے کاندھے پر بیٹھے گا؟ میں اسے باحفاظت دوسری طرف لے جاؤں گا۔"

اس کی بات سن کر سب کو سکتہ سا ہو گیا۔ سب خاموش ہو گئے۔

یقین الگ چیز ہے اور بھروسا الگ چیز۔ آج ہم اللہ تعالیٰ پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن بھروسا نہیں کر پاتے۔

سحر وقاص...... لاہور

نظم

بہت دنوں بعد
میں نے سوچا تو یاد آیا
کہ میرے اندر کی راکھ کے ڈھیر پر ابھی تک
تر زمانے لکھے ہوئے ہیں
سبھی فسانے لکھے ہوئے ہیں

(محسن نقوی)

☆☆

فوزیہ ثمر، ہانیہ عمران، کی ڈائری میں تحریر
قمر جلالوی کی غزل

مجھے بھول صبر کر لیں مجھے باغباں بھلا دے
کہ قفس میں تنگ آ کر مرے اڈ رہے ہیں ارادے

مرا منہ کفن سے کھولا مجھے دیکھ کر وہ بولے
یہ نیا لباس کیوں ہے یہ کہاں کے ہیں ارادے

مجھے پھول سے زیادہ ہے قفس میں یاد شبنم
جو چمن میں چار آنسو مرے نام پر بہا دے

نہیں ہم ہی جب چمن میں تو چمن سے پھر غرض کیا
کوئی پھول توڑ ڈالے کوئی آشیاں جلا دے

وہ ہر اک سے پوچھتے ہیں کہ فدا ہے کیوں زمانہ
انہیں حسن کی خبر کیا کوئی آئینہ دکھا دے

تجھے خود خبر ہے ظالم کہ جہان رنگ و بو میں
ترے حسن کے ہیں چرچے مرے عشق کو دعا دے

شب ہجر بات جب ہے کہ قمر کو وہ نہ لائے
کوئی توڑ دے ستارے کوئی آسماں ہلا دے

ادیبہ ظفر، کی ڈائری میں تحریر
قتیل شفائی کی غزل

کبھی نہ ختم ہوئیں گو شکایتیں اپنی
اس عروج پہ اب بھی ہیں چاہتیں اپنی

وہ دن گئے کہ تنک مزاج رکھتے تھے
تم ہی نہیں تو کہاں کی عداوتیں اپنی

مٹے جو تم پہ انہیں لا زوال کر ڈالا
دکھائیں عشق نے کیا کیا کرامتیں اپنی

بشریٰ محمود



ہمیں تو فکر ہے اس دل کی اور محبت میں
شہنشہوں نے لٹا دیں حکومتیں اپنی

بہت بری تو نہ تھی شہر دل کی آب و ہوا
خراب کر گئیں صحت کو عادتیں اپنی

یہاں سے دور نہیں حافظے کا گورستان
چلو تلاش کریں ہم بھی تربتیں اپنی

تم اپنے حصے کی پیتے تو جام کیوں بجھتا
قتیل سامنے آتی ہیں نیتیں اپنی

مسکان نور، کی ڈائری میں تحریر
جون ایلیا کی غزل

بے قراری سی بے قراری ہے
وصل ہے اور فراق طاری ہے

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

بن تمہارے کبھی نہیں آئی
کیا مری نیند بھی تمہاری ہے

آپ میں کیسے آؤں میں تجھ بن
سانس جو چل رہی ہے آری ہے

اس سے کہیو کہ دل کی گلیوں میں
رات دن تیری انتظاری ہے

عادتوں کا حساب ہے اپنا
ورنہ ہر آن سب کی یاری ہے

خوش رہے تو کہ زندگی اپنی
عمر بھر کی امیدواری ہے

ماریہ نذیر، کی ڈائری میں تحریر

رحمان فارس کی غزل

بیٹھے ہیں چین سے کہیں جانا تو ہے نہیں
ہم بے گھروں کا کوئی ٹھکانہ تو ہے نہیں

تم بھی بیتے وقت کے مانند ہو بہو
تم نے بھی یاد آنا ہے آنا تو ہے نہیں

عہد وفا سے کس لیے خائف ہو میری جاں
کر لو کہ تم نے عہد نبھانا تو ہے نہیں

یہ جو ہمیں عزیز ہے کیسا ہے، کیوں ہے؟
کیوں پوچھتے ہو ہم نے بتانا تو ہے نہیں

دنیا ہم اہل عشق پہ کیوں پھینکتی ہے جال
ہم نے ترے فریب میں آنا تو ہے نہیں

وہ عشق تو کرے گا مگر دیکھ بھال کے
فارس وہ میرے جیسا دیوانہ تو ہے نہیں

ثمرہ، اقراء، کی ڈائری میں تحریر

اختر امان کی غزل

لگا ہے زخم جو کاری بہت ہے
یہاں جینے کی دشواری بہت ہے

ہر اک چاہت کا ہے اک سا نتیجہ
یہ بازی جیت کر ہاری بہت ہے

بہت اس شہر میں محتاط رہنا
یہاں پہ دل کی بیماری بہت ہے

نجانے لوگ کتنے درمیاں میں ہوں
اسے ملنے میں دشواری بہت ہے

محبت کا عجب انداز ہے یہ
ہے عزت کم، مگر خواری بہت ہے

چلو اختر کہیں اب اور جائیں
یہاں رسم دل آزاری بہت ہے

گڑیا راجپوت، کی ڈائری میں تحریر

کلیم عاجز کی غزل

مری لے سے لے وہ ملائیں گے کیا
جو روٹھے نہیں ہیں وہ گائیں گے کیا

خزاں میں نہ آیا تڑپنا جنہیں
بہاروں میں وہ مسکرائیں گے کیا

جنہوں نے اجاڑا نہیں اپنا گھر
وہ اوروں کی بستی بسائیں گے کیا

جنہیں چوٹ دل کی لگی ہی نہیں
مرا درد دل آزمائیں گے کیا

ہم اہل وفا ہیں وہ اہل ستم
وہ ہم سے نگاہیں ملائیں گے کیا

محبت ہی جب درمیاں میں نہیں
وہ روٹھیں گے کیا ہم منائیں گے کیا

اگر ہم نہ دیں، اپنا خون جگر
وہ ہاتھوں میں مہندی لگائیں گے کیا

کچھ موتی چنے ہیں...... ادارہ

خوب صورتی

ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں انسانوں میں ان کی دولت اور ان کی خوب صورتی کی بنیاد پر ان میں فرق کیا جاتا ہے۔
یہاں صرف وہ لڑکی سنڈریلا بننے کا حق رکھتی ہے جو بہت حسین ہو، جس کا رنگ دودھ جیسا سفید نہ بھی ہو لیکن گورا ضرور ہو۔ سانولی اور عام سی شکل وصورت والی لڑکیوں کی زندگی میں کبھی کوئی شہزادہ نہیں آتا۔
(بچپن کے دکھ اور محبت...... بشریٰ ماہا)
ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ

نیت

جو لوگ ساتھ دینے والے ہوتے ہیں، وہ کبھی کسی حال میں بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ وہ آپ کا ہاتھ تب بھی تھامے رکھتے ہیں جب قسمت آپ کو الگ کرنے کے منصوبے بنا چکی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے اپنی قسمت خود بناتے ہیں اور جہاں لگن سچی ہو، وہاں جدائی ایک پل کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ یہ سارا کھیل ہی نیت کا ہے۔
(مصباح مشتاق...... دل رازداں)
ادیبہ ظفر...... فیصل آباد

دل

اصل بات تو یہ ہے کہ ہمارے دل کی یہ عادت ہے کہ جدھر سے اسے روکیں، منع کریں یہ ادھر ہی رخ کرتا ہے۔ بلکہ اور بھی زیادہ زور کے ساتھ ادھر ہی بھاگتا ہے اور دل کو درمیانی حالت میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے کسی بھی حرف سے اس حد تک روکا نہ جائے۔
(امرتا پریتم)
صدف سمیع...... کراچی

سنت

زندگی بھر میں یہی سنتا رہا ہوں کہ ڈاڑھی رکھو، سنت ہے۔ میں نے کبھی کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ وعدہ کرو تو نبھاؤ، سنت ہے۔ کسی سے بدسلوکی نہ کرو، سنت ہے۔ خلق خدا کی خدمت کرو، سنت ہے۔
(ممتاز مفتی)
حریم سلمان...... کراچی

تین برائیاں

بے بے جی میرے سر میں تیل لگا رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "بے بے جی۔ کوئی ذرا والی گل دس۔"
کہنے لگیں۔ "پتر۔ غرور نے سالوں کی عبادت رد کرادی تھی۔ لالچ نے جنت سے نکلوا دیا تھا۔ ہوس نے قتل کروایا تھا۔ پتر۔ ان تین بڑے واقعات میں غور کرکے پھر اندر جو ہے اس کو چج وچ پاکے چھنڈ۔ پتا لگا کہ اندر ان میں سے کوئی برائی تو نہیں ہے۔ اگر نظر آئے تو نکال کر باہر کرے۔
"بے بے جی۔ یہ برائیاں خود اپنے اندر سے تلاش کرکے بندہ ختم کرسکتا ہے؟"
کہنے لگیں۔ "دیکھ پتر۔ جس طرح تو خود کتاب پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ انجینئر نہیں بن سکتا۔ اس طرح بغیر استاد کے یہ منازل بھی طے نہیں کرسکتا۔ یہ منازل بھی انسان کسی روحانی استاد کی نگرانی میں طے کرسکتا ہے۔"
(بے بے...... اشفاق احمد)
گڑیا راجپوت...... جاتری شریف

وقت

وقت دو طرح سے بدل جاتا ہے۔ ایک قسمت سے۔ ایک ہاتھ سے۔ قسمت سے نہ بدلے تو ہاتھ سے بدلنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ قسمت ہار جاتی ہے۔ ہاتھ نہیں ہارتے۔ دنیا میں جتنی بھی انسانی ترقی ہوئی ہے، اسے ہاتھ سے ہی ممکن کیا گیا ہے۔ ورنہ ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہنے والے لوگوں کے زمین میں دبے ڈھانچے بھی نہیں ملتے اور مل جائیں تو کارآمد نہیں ہوتے۔
(سمیرا حمید...... محبت من محرم)
بشریٰ یامین ملک...... بھکر

مدیرہ کرن



فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران، آمنہ رئیس، حریم فاطمہ......

گجرات

ٹائٹل سو سو رہا، ماڈل کی ڈارک لپ اسٹک اور لینز کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ پہلی اک نظر سرسری سارے سلسلوں پر اداریہ پڑھا محمود بابر صاحب کے لیے بخشش مغفرت کی دعا کی اللہ تعالیٰ سب مومن مومنات کی بخشش مغفرت فرمائے (آمین)

زباب رانا سے ملاقات بنا کہے کروادی جو کہ اچھی رہی۔ ''میری بھی سنیے'' حسب روایت تھا۔ ''مقابل ہے آئینہ'' اقصیٰ بڑی جولی ٹائپ لگی اور زیادہ اچھی بات ان کی یہ تھی کہ ہر بات پر ہاہاہا مینشن کیا ہوا تھا، تو جناب ہم نے بھی اگنور نہیں کیا ایک بار تو ان مینشن پر ہاہاہا کیا اور پھر جہاں ہماری سمجھ داری نے وارن کیا وہاں ہاہاہا کیا۔ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ارسلہ کو کیوں تپ چڑھ رہی ہیں سکندر سے اگر اریبہ کی شادی ہو جاتی ہے۔ نہیں اس کا حسد تو نہیں۔ ''کنار خواب جو'' اس بار تو قسط خاصی مزے دار تھی۔ لو جی کنعان اور سوار کا اظہار محبت دل کو شاد کر گیا۔ لو جی ہماری دعائیں اس کپل کے ساتھ ہیں۔ ثمامہ بی بی اپنے لیے کوئی اور ہیرو تلاش کرو۔ شازمہ کی عافیت اسی میں ہے کہ وقاص اب جیسا بھی ہے اسے قبول کرلے۔ ''دلیس میں نکلا ہوگا چاند'' اف کیا شاندار تحریر تھی بہت مزا آیا پڑھ کر۔ ماں بیٹی کی نوک جھوک، مشکل حالات میں بھی دونوں کی فرینڈلی لائف، غزالہ جیسے بہت لائیو دیکھے ہیں۔ نئی نئی دولت کے نشئی جو اپنی اصل بھی بھول جاتے ہیں۔ ''کانچ سے سائباں'' یہ قسط اچھی تھی۔ ''سوز عشق'' بنت آدم کے عشق نے رلا دیا۔ جہاں تک اس تحریر کی مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ کہ ماریہ نے دھوکا دیا ایلس کو۔ اس نے اپنے شوہر کو تاشیر احمد بنا کر ایلس کی شادی کروائی۔ کیا میرا گیس ٹھیک ہے۔ اگر ہے تو کیا پلاننگ سے ماریا نے عشق کروایا ہے۔ ناولٹ ''ہوئے جو ہم مہربان'' ہائے یہ اشعر جیسے ہیرو کیا اس کائنات میں ملتے ہیں۔ اب افسانوں کی بات ہو جائے اکٹھے آٹھ تھے۔ ایمل رضا ''مغرب کے بعد'' اچھا تھا۔ ''ماں جی'' ہوتا تو ایسا ہی ہے ناں گھر کا ایک فرد کماتا ہے۔ اور سب بیٹھ کے کھاتے ہیں اور جب مشکل وقت آیا تھا۔ تب سب کے خون سفید نیلے پیلے ہو جاتے ہیں۔ ماں جی کی سمجھ داری سب اولادوں کا بھلا کر دیا۔ ''رضیہ ہٹ'' سپر ہٹ لگا۔ اب تو دور ایسا آگیا ہے کہ یہ توڑ جوڑ تو بالکل ہی نافٹ ہیں۔ بہویں بے چاری تو پھر بھی رضیہ ہٹ کے شکنجے میں ہی رہیں۔ ''جس تن لاگے'' مکافات عمل تحریر تھی۔ ضروری تو نہیں ایسا ہی ہوتا ہو۔ ''کرن کتاب'' کی بات ہو جائے چاول کا پانی یہ ٹپ گرمیوں میں سوٹ ایبل ہو سکتی ہے کیوں کہ چاول کا پانی اسکن کو ٹائٹ کرتا ہے اور سردیوں میں ویسے ہی ہمارے ہاں اسکن سکڑ جاتی ہیں۔ ''میرا ہیئر اسٹائل'' آج کل تو نیٹ پر اتنے ہیئر اسٹائل ہیں کہ حیرت ہوتی ہیں۔ پہلے زمانے میں تو بس دو تین اسٹائل تھے۔ ''روزانہ ایک ناشپاتی'' اس کے لیے اپنا باغ ہونا چاہیے جہاں جب دل کیا توڑی ناشپاتی اور کھالی، ہاہاہا۔ ''دل جیتیں اور خود کو فاتح ثابت کریں'' بس افسانوی باتیں ہیں لوگ جیسے ہیں ویسا ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں بس ہم درست ہیں باقی سب کے قبلہ درست نہیں۔ پہلی لائن سے لاسٹ لائن تک اس کو پڑھا ہے، دل پکارا ہم نہیں سدھریں گے جی۔ ہم نہیں سدھریں گے۔ ''کچن اور آپ'' امن علی اتنا میٹھا نقصان دہ ہوتا ہے۔ مٹھاس لہجوں، باتوں میں زیادہ اچھی لگتی ہے خود کو بھی اور دوسرے کو بھی۔ کرن کے مستقل سلسلہ زیادہ سے زیادہ اسلامی قصے اور اقوال زریں شائع کیا کریں۔ اچھے لگتے ہیں۔ ''یادوں کے دریچے'' ہر دریچے میں جھانکی ماری۔ فائزہ بھٹی اور ادیبہ ظفر کا دریچہ پسند آیا۔ ماریہ نذیر قسمت کا موتی دل بے مول لے گیا۔

اقراء سرور اور ادیبہ ظفر کا موتی پسند آیا۔

ساری قاری سسٹرز نے دل کھلا کر کے تحریروں کی تعریف کی۔ جو کہ حق بجانب تھیں۔ کرن کی تحریریں تو ہوتی ہی لاجواب ہیں۔ مگر پڑھنے والیاں بڑی بھی سلیقہ شعار سمجھ دار ہو گئی ہیں۔ اک میرے سوا۔ اقراء ممتاز، ثنا شہزاد بہت سارا شکریہ اور پیشگی معذرت جو میں آپ کو وش نہ کر سکی آپ کی برتھ ڈے پر۔

☆ فوزیہ جی! تاثیر احمد کو محبت تو ہوگئی تھی ایلس سے لیکن اس نے بچے کی خواہش میں ماریا سے شادی کی تھی۔ فوزیہ آپ مایوس نہ ہوں، امید پر دنیا قائم ہے۔ کوئی سدھرے نہ سدھرے ہمیں خود اچھا ہونا چاہیے۔ اللہ نیکی کا اجر دیتا ہے۔

عاصمہ یامین ملک...... دریا خان ضلع بھکر

ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ سب سے پہلے ''کنار خواب جو'' پڑھا۔ کنعان کا خواب کب کنارے لگے گا ثمامہ کب دفع ہوگی اس کی زندگی سے۔ ٹیکسی میں بیٹھا سوار اپنے والے نائس سوار سے یکسر مختلف لگا۔ میں پہلے ہی جانتی تھی کہ تم جو نظر آتے ہو وہ ہو نہیں ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' ارسلہ اور کتنا گروگی یاد رکھنا جتنا شدت سے گروگی اتنی چوٹ کھاؤ گی باز آجاؤ۔ ''ماں جی'' افسانہ رونے پر مجبور کر گیا ایمل رضا کیا لکھ ڈالا یار (جو تم نے پڑھا ہے) ''کانچ سے سائبان'' الجھی الجھی سی ہے۔ ''دلیں میں نکلا ہوگا'' چاند عینی نام ہی کافی ''مقابل ہے آئینہ'' اقصیٰ آپ کے پرس سے کچھ بھی کیوں نہیں نکلے گا۔ ''کچھ موتی چنے ہیں'' ماریہ نذیر دل چاہتا ہے آپ کے موتیوں کی مالا بنالوں۔ ''گڑیا راجپوت کی دلیل نے بہت متاثر کیا۔ ''ڈرامہ دیکھ کر ہی جاؤں گا'' ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا۔ ویری نائس۔

☆ عاصمہ یامین۔ کانچ سے سائبان میں ماضی اور حال ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اس لیے آپ کو الجھی الجھی لگ رہی ہے۔ آپ یہ ذہن میں رکھ کر پڑھیں تو سمجھ میں آنے لگی گی۔

بشریٰ یامین ملک...... دریا خان ضلع بھکر

کرن کا ٹائٹل قابل داد۔ زباب رانا سے ملاقات بیسٹ رہی۔ عالیہ علی کا انٹرویو پسند آیا۔ خاص طور پر نیکلس جو وہ پکڑ کر دکھا رہی تھیں۔ اقصیٰ شہزاد (مقابل ہے آئینہ) بھئی آپ کا پرس خالی کیوں ہوتا ہے پرس ہی نہیں لیتیں یا پھر خالی پرس لیے گھومتی ہیں۔ ویسے اچھا ہے مس پینی اور چورنیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے تیزی سے۔ ہاہاہا۔ جواب پسند آئے۔ ''کچن اور آپ'' امن علی، آپ کے پہلے سوال کا جواب پڑھا دل سے دعا نکلی کہ اللہ آپ کو مٹھلوائی (حلوائی کا چھوٹا بھائی عطا کرے) لیکن آگے پڑھا تو معلوم ہوا کہ آپ کو ل چلے ہیں فعلوائی یا حلوائی؟ ناشپاتی کے فوائد پڑھے دل چاہا کہیں سے اڑتی ہوئی ایک ناشپاتی آئے اور سیدھی میرے منہ میں ہاہاہا۔ ایشیائی خواتین کا سیکرٹ پڑھا ان شاء اللہ پچاس یا چالیس سال بعد آزماؤں گی کیونکہ ''ابھی تو میں جوان ہوں''۔ طوبیٰ ممتاز آپ کو داڑھی والے لوگ پسند ہیں افسوس کہ میری داڑھی نہیں۔ کیا میں آپ کی پسند نہیں، ہاہاہا۔ خط سب کے اچھے تھے، مجھ سمیت عاصمہ تو بار بار پڑھ رہی ہے۔ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' سکندر نے ارسلہ کو خوب بھگو بھگو کر ماری ہیں۔ واہ واہ سکندر اعظم، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ''کنار خواب جو'' اس بار بھی بہت پسند آیا۔ سوار میں تم سے ایگری کرتی، تم واقعی وہ نہیں ہو جو دکھائی دیتے ہو۔

''کانچ سے سائباں'' بہت اعلا۔ ہمیشہ لکھتی رہیں اور میرے لیے دعا کرتی رہیں کہ میں جلد ہی رائٹر بن جاؤں گی۔ سبحان اللہ۔ ایمل رضا، فرحت جبیں اور سمعیہ خالد کے بہترین افسانے تھے۔ ''کسک'' مزمل سلیم بھائی صاحب میرا مطلب ہے رائٹر صاحبہ۔ نام آپ کا بھائیوں والا ضرور ہے لیکن لکھا بہت مزیدار ہے، بہت اچھے۔ ''کچھ موتی چنے ہیں'' صباء اور ادیبہ کا موتی بہت پسند آیا۔ ہانیہ عمران...... ازدواجیات، آپ کون ہیں، ہاہاہا۔ بہت عمدہ۔ ''دل جیتیں اور خود کو فاتح ثابت کریں گے'' میں نے جیت بھی لیا، بھئی آپ کا اچھا مضمون ہے۔ ''کرن کا دستر خوان'' دال ارد کی، دال مونگ کا حلوہ۔ بس دال دال لاسٹ پیج پر کسوٹی والا مرد۔ میرے منہ پر بارہ بجے دیکھ کر ہنس رہا تھا، چلو خیر ہے۔ ''کرن کرن خوشبو'' شروع سے اینڈ تک مہکاتا رہا۔ ہم نے پانچ ماہ سے (لاک ڈاؤن کے بعد) پڑھنا شروع کیا ہے باقاعدگی سے۔ بہت اچھا ماہنامہ ہے۔ ہر قسم کی معلومات ہوتی ہیں۔ میری فرینڈ ثوبیہ، منور، اس کی سسٹرز لبنیٰ اور سعدیہ بھی کرن پڑھتی ہیں، دعا کیجیے گا کہ لبنیٰ اور سعدیہ کو پیارے پیارے سے ہیرو مل جائیں ہاہاہا۔ ناراض مت ہوں آپیوں، میں مذاق کر رہی ہوں۔

☆ بشریٰ یامین۔ کرن کو آپ کو پسند آیا اس کے لیے ہم شکر گزار ہیں، آپ قارئین کی پسندیدگی ہی ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ اللہ آپ سب بچیوں کو پیارے پیارے نیک ہیرو ملوائے، آمین۔

صفیہ مہر......ضلع رحیم یار خان

خط لکھنے کی خاص وجہ قارئین بہنوں کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنہوں نے میرے تعارف (مقابل ہے آئینہ) کو پسند کیا۔ پڑھ کر خوشی سے آنکھیں نم ہو گئیں کہ کیسے دنیا کے ہر کونے میں بہنوں نے اپنائیت دی اور میرے لفظوں سے کرن کی خوب صورت مالا۔ (ساری قارئین بہنوں سے جڑی مالا) میں مجھے پرو دیا، بہن علیزے راجپوت (تھینک یو) فضہ نور (خوشی ہوئی آپ کے جواب سے)۔ سیدہ تبسم بشیر حسین (آپ کا کمنٹس دل کو بھایا آپ ویسے بھی مجھے اپنی اپنی لگتی ہیں)۔ ساجدہ جاوید (آپ نے میرے تعارف کو پسند کیا شکریہ جی)۔ حمیرا گل (آپ کے لفظوں نے مجھے ہمت اور حوصلہ دیا کہ چھوٹا کوئی نہیں ہوتا اور بڑا ہر کوئی بن سکتا ہے)۔ ستمبر کے کرن میں، کرن کی ہر دل عزیز، بہن فائزہ بھٹی نے بھی یاد رکھا تو جی خوش ہو گئے ہم شکریہ فائزہ جی۔

اس بار کرن میں صرف سلسلے وار ناول ہی پڑھ پائی ہوں ان پر تبصرہ حاضر ہے آسیہ مرزا کی (میرے ہم نفس میرے نوا) ارسلہ اپنا بنا بنایا گھر خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کر رہی ہے۔ نگہت عبداللہ کا ناول (ہوائیں رخ بدل گئی) اینڈ میں حمزہ پھر شہرینہ کو ملنے والا ہے۔ اچھا ناول تھا ویسے (نامے میرے نام) میں، بہن اقرا سرور آپ کا خط پڑھ کر شاک لگا آپ واقعی والدین کی اس کھینچا تانی میں دکھی لگتی ہیں مگر والدین کی بھی کوئی مجبوری ہوگی' چپکے سے اللہ کی عدالت میں اپنی خواہش رکھ کر التجا کرتی رہیں۔ اللہ آپ کو ان شاء اللہ ضرور سکون اور اطمینان سے پر خوشیاں دے گا۔ (آمین)

☆ صفیہ مہر! باری باری سب کا بہنوں کو ہی ہم کچن اور آپ میں شرکت کا موقع دیتے ہیں۔ آپ کو بھی جلد شامل کریں گے۔

حمیرا عثمانی......جھاوریاں

سب سے پہلے تو ذکر کروں گی ''کانچ سے سائبان'' کا۔ بھئی مان گئے مصباح علی سید کو، ان کی کہانی ہو اور رسالے میں چھا نہ جائے یہ ممکن نہیں۔ ایک ایک لائن نے مجھے جکڑ دیا۔ کتنے سادہ انداز میں ردابہ کی کہانی سنائی جا رہی ہے۔ جس میں لگتا ہے کہ کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔ اتنا محبت کرنے والا شوہر بھلا کیسے الگ ہو سکتا ہے۔ جس نے شادی ہونے پر سو نفل بھی پڑھے ہوں۔ یہ سوچ کر ابھی جا رہی ہوں لیکن لگتا ایسے ہی ہے ہائم یا تو مر جائے گا یا کہیں گم ہو جائے گا۔

آسیہ مرزا۔ واؤ ''میرے ہم سفر میرے ہم نوا'' میری بات سن، میرے پاس آ، یہ ہم نوا آخر قابو میں آتے کیوں نہیں۔ کوئی تو الہ دین کا ایسا چراغ ہو جس کے ذریعے اپنے ہم سفر کو بوتل میں ہمیشہ کے لیے قید کر لیں اور ارسلہ، گالیاں نکلتی ہیں اس لالچی کے لیے۔

اور ہاں افسانہ ایک ہی پڑھا۔ سمیعہ خالد کوئی نئی لکھنے والی ہیں مگر احوال ایسا اچھا لکھا پڑھ کر۔ طبیعت بشاش ہو گئی۔

اور جناب مستقل سلسلوں میں آپ کا کوئی ثانی نہیں اپنے کرن کے دستر خوان سے میں نے ڈھیروں چیزیں بنانا سیکھیں اور داد وصول کی۔ ایک ٹوٹکہ پوچھنا تھا اگر الماری کو دیمک لگ جائے تو کیا حل گھر میں نکال سکتے ہیں۔

ج: حمیرا جی۔ جلد ہی دیمک کے لیے ٹوٹکے آپ کو بتائیں گے۔

زرتاشیہ نعمان......ملتان

بہت مصروفیت رہی......یقین جانیں خط لکھنے کے لیے خود کی منت سماجت کرنا پڑی مجھے کہ بہن لکھ لے خط (ہاہاہاہا) اور میں نے خود پہ احسان کرتے ہوئے گویا...... حاتم طائی کی قبر کو لات مارتے ہوئے (معذرت کے ساتھ)۔ کاغذ قلم سنبھال لیا۔ افسانے سبھی اچھے تھے۔ ''قرۃ العین خرم ہاشمی'' کا مکمل ناول ''دیس میں نکلا ہوگا چاند'' بہت اچھا لگا۔ ہلکی پھلکی سی لو اسٹوری مگر ایک ٹھوس پیغام لیے ہوئے کہ کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا۔ ''کچن اور آپ'' میں ''امن علی'' کے جوابات پڑھے۔ اچھے مزے کے جواب تھے۔ میں بھی بیکنگ کرتی ہوں۔ آپ کے سارے کیک کی ریسپی ضرور ٹرائی کروں گی اور آخر میں بشریٰ یامین ملک (دریا خان ضلع بھکر) میرے جوابات پسند کرنے کا شکریہ اور بریانی بنا تو دوں آپ تک پہنچے گی کیسے؟ اب سب کو اللہ حافظ۔ دعاؤں

میں یادر کھیے گا۔

☆ زرتاشیہ جی۔ کرن کو پسند کرنے کا شکریہ۔ امید ہے کہ آپ سستی کو خیر باد کہہ کر کرن کی تمام کہانیوں پر اپنی رائے کا اظہار کریں گی۔

زرینہ خانم لغاری......مظفر گڑھ

ستمبر کا کرن ملا۔ سرورق پر سمپل سی لڑکی بیٹھی تھی۔ نہ کوئی بندہ، نہ بالی۔ اتنا ظلم نہ کریں۔ ہمیں سجی بنی دلہنیں دیکھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' لالچی ارسلہ کو لگام ڈالیں، وہ تو بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اریبہ کو سکندر کا بنا دیں۔ ''قبول ہے'' عجیب کہانی تھی۔ اپنا محبوب کسی کو بخش دینا۔ ''ہجر اثاثہ رہ جاتا ہے'' بہترین کہانی تھی۔ ایک کہانی میں ہی دو کہانیاں تھیں۔ ''دو اور دو پانچ'' واقعی بعض مردوں کو عزت راس نہیں آتی۔ ''بالٹی'' تین سو کی چیز پر تین انسان تباہ ہو گئے۔ ثریا بے چاری بے موت ماری گئی۔ المناک کہانی تھی۔ ''بیسن کی روٹی'' میاں بیوی کی بہترین انڈرا سٹینڈنگ کی کہانی تھی۔ شوہر بیوی کو ایسے ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے تب ہی گھر بستے ہیں۔ ''جاہل'' بہت پیاری کہانی تھی۔ ایک شوہر پڑھا لکھا جاہل تھا۔ دوسرا تھوڑا پڑھا ہوا، اعلا تعلیم یافتہ سے ہزار درجے بہتر تھا۔ ''الٹی ہو گئیں سب تدبیریں'' ویری گڈ کہانی تھی۔ مدتوں یاد رکھنے کے قابل۔ بچھڑے ہوئے مل گئے، روبی کو رمیز مل گیا۔ سدرہ کو منہ کی کھانی پڑی۔ ''غیر ضروری سچ'' جب اپنے دل پر چوٹ پڑی تو لگ پتا گیا سب کی شادیوں پر کھانے پر اعتراض کرنے والی کو خوب سبق ملا۔

☆ زرینہ جی۔ کچھ موتی چنے میں ہم مشہور ناولز کے اقتباس لگاتے ہیں۔ رائٹر اور ناول کا نام ضرور ہونا چاہیے یا کم از کم رائٹر کا نام ضروری ہے۔ آپ نے کزن کا نام نہیں لکھا تو کیا بتائیں۔

اقصیٰ شہزاد......ڈھوک اعوان سکھر

جہاں اپنا نام ''مقابل ہے آئینہ'' میں دیکھ کر خوشی ہوئی وہیں اپنا خط نہ پا کر دکھ بھی ہوا۔ اللہ سے دعا ہے کہ محمود بابر فیصل کو جنت میں اعلا مقام ملے۔ آمین۔ زباب رانا سے ملاقات کی۔ واقعی ''باربی ڈول'' لگ رہی تھیں۔ ''عالیہ علی'' کی پہلے بھی سن چکے ہیں لیکن پھر بھی سن لی۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں اقصیٰ سے مل کر بہت بہت اچھا لگا (ہاہاہاہا) مکمل تینوں ناول چھوڑ دیے کہ پھر پڑھوں گی۔ خط لکھنے کے چکر میں سارا رسالہ پڑھ لیتی ہوں اور پھر پورا مہینہ بین بجاتی ہوں ہاہاہا۔ ''مغرب کے بعد'' (ایمل رضا) کا افسانہ اچھا تھا۔ ''سوز عشق'' (کوثر ناز) نام نیا تھا۔ معذرت کے ساتھ پسند نہیں آئی کہانی ''کسک'' (مزمل سلیم) میں تھوڑا مزاح بھی شامل تھا۔ ''انکار'' (حرا احمد) لوگ دولت اور اسٹیٹس کے نشے میں گم ہیں۔ اور اپنے سے کم لوگوں کو تو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ ''ماں جی'' (فرحت جبین) ماں جی نے بہت اچھا فیصلہ کیا تو اپنے لاڈلے کو خود سے دور کرنا اتنا آسان نہیں تھا لیکن ماں جی نے دوسرے بیٹوں کا بھی بھلا چاہا۔

''دلیس میں نکلا ہو گا چاند'' (قرۃ العین) کا مکمل ناول بھی اچھا۔ صبر کا صلہ اچھا ہی ملتا ہے۔ ''رضیہ ہٹ'' (سمیعہ خالد) ہاہاہا بچاری رضیہ کی بہویں۔ ''ہو نہ ہو تم مہربان'' اور جس تن لاگے کا موضوع ایک ہی تھا۔ کہانی تھوڑی مختلف تھی۔ ''کرن کرن خوشبو'' بہترین سلسلہ ہے۔ ''یادوں کے دریچے سے'' فائزہ بھٹی اور اریبہ ظفر کی شاعری دل کو لگی۔ کچھ موتی چنے ہیں۔ سارے موتی ہی چن لیے۔ ''نامے میرے نام'' اس بار خط تھوڑے تھے۔ اقراء سرور اللہ آپ کے حق میں بہتر فیصلہ کرے گا۔ ان شاء اللہ۔ ماریہ نذیر فاول ہے میں نے آپ کو یاد رکھا اور آپ نے اپنے خط میں ایک بار بھی میرا ذکر نہیں کیا۔ فائزہ بھٹی، تبسم بشیر کہاں غائب ہو۔ کرن کتاب بیسٹ تھی۔ ہیئر اسٹائل اچھے تھے۔ امن علی کے جواب اچھے تھے۔ میں نے سوچا تھا ہر مہینے کرن میں خط لکھ کے اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کروں گی لیکن بھلا ہو ڈاک والوں کا۔ خیر اس بار پھر لکھ رہی ہوں اگر پہنچ گیا تو ضرور شامل کیجیے گا۔ سلسلے پڑھے، اچھے تھے۔

☆ اقصیٰ جی: ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ اگر آپ کا خط لیٹ موصول ہو گا تو اگلے ماہ لگا دیا جائے گا۔ آپ کا خط ہمیں ملا ہی نہیں۔

مسکان نور......لاڑکانہ

ٹائٹل پسند آیا۔ ''مقابل ہے آئینہ'' اقصیٰ شہزاد۔ تم آئینے کی بات مان کیوں نہیں لیتیں۔ پیاری لڑکی ہمیشہ خوش رہو۔ افسانے سارے کمال کے تھے۔ سب سے

پہلے اپنی فیورٹ رائٹر ایمل رضا کو پڑھا۔ واہ کیا الفاظ تھے۔ کیا کہانی تھی، زبردست۔ ''میرے ہم نفس'' ارسلہ جیسی لڑکیاں نہ خود خوش رہتی ہیں اور نہ ہی دوسروں کو رہنے دیتی ہیں۔ پاگل نہ ہو تو...... ہی ہی ہی۔ کوثر ناز! بہت خوب صورت ناولٹ لکھا تم نے۔ ''کسک'' شروعات ہنسی دلا گئی تھی۔ مزمل سلیم، آپ مزاح اچھا لکھ لیتی ہیں تو پھر جلدی سے قلم پکڑیے اور مزاح سے بھرپور ناول لکھ ڈالیے۔ ''کانچ سے سائبان'' بہت پیاری کہانی۔ مگر پلیز طویل مت کریے گا مصباح آپی۔ ''ماں جی'' پیارا افسانہ تھا۔ ''دیس میں نکلا چاند'' بہت انجوائے کیا۔ رافعہ کا کردار بہت پیارا لگا۔ ''رضیہ ہٹ'' اچھا تھا۔ ''دائرہ وفا'' زبردست لگی۔ ''ملکہ دل'' تو کمال کی لگی۔ ''کرن کرن خوشبو'' ہر بار لاجواب ہوتا ہے۔ ''کرن کتاب'' ہر ماہ ہمیں اچھی معلومات ملتی ہیں۔ ''کچن اور آپ'' امن علی، اغوا والی بات ہنسی دلا گئی تھی، بہت انجوائے کیا۔ ''کچھ موتی چنے ہیں'' سب دوستوں کے موتی خوب صورت تھے، کس کس کی تعریف کروں۔ اقراء سرور، طوبیٰ ممتاز، آپ کی طرح آپ کے خط بھی پیارے لگے۔ ماریہ نذیر، تمہاری اکیس نومبر کو سالگرہ ہیں ناں، بہت مبارک ہو۔ دیکھو تم مجھے بالکل بھی یاد نہیں کرتیں لیکن میں تو آپ کو یاد کرتی ہوں نا۔ خوش رہو۔

☆ مسکان جی! آپ کا خط دیر سے موصول ہوا تھا۔ اس ماہ جلد مل گیا، اس لیے یہ خط لگا رہے ہیں۔ ''کرن'' کے تمام ارکان کی طرف سے آپ کو سالگرہ مبارک۔ ''مقابل ہے آئینہ'' ان شاء اللہ جلد لگا دیا جائے گا۔ کہانیوں کے بارے میں کرن کے آفس فون کر کے معلوم کیجیے۔

ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ

ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ سادہ سی شلوار قمیص اور دوپٹے کے ساتھ کوئی ٹائٹل دیجیے گا۔ شاہین آپی آپ کو اک بات بتاؤں میرا سب سے زیادہ پسندیدہ سوال ایجوکیشن والا ہے۔ سب کی تعلیم کا میں پہلے پڑھتی ہوں۔ کسی بہت زیادہ پڑھے لکھے انسان کا انٹرویو کیجیے گا، پلیز۔ ''مقابل ہے آئینہ'' اقصیٰ شہزاد سے ملاقات اچھی لگی۔ ہمیشہ خوش رہو اقصیٰ۔ اللہ آپ سب سے راضی ہو۔ اب بڑھتے ہیں تبصرے کی طرف۔ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' ہائے آسیہ مرزا۔ پلیز ذرا ارسلہ کی زبان کو تھوڑا لگام دیا کریں۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ وہ ساری زندگی تمہاری یاد میں بیٹھا رہے۔ بتانا ضرور، اگلے ماہ پلیز ارسلہ جانو، ہاہاہا۔ آسیہ مرزا آپ کا ناول بہت زیادہ تعریف کے قابل ہے اور مجھے لگتا ہے یہ ارسلہ کے انجام کی وجہ سے ساری عمر یاد رہے گا سب کو۔ اور ویسے بھی سبق آموز ناول یاد ہی رہتے ہیں۔ بشرطیکہ اگر کوئی سبق حاصل کرنا چاہے تو، ویل ڈن آسیہ جی۔ ''مغرب کے بعد'' ایمل رضا کا افسانہ بہت اچھا لگا۔ رشتوں سے شرمندگی ظاہر کرنا بے وقوفی ہے۔ گناہ برا ہوتا ہے رشتے نہیں ہوتے۔ ''سوز عشق'' کوثر ناز کا ناولٹ بھی اچھا تھا۔ مقدس جذبہ ہے محبت اور اگر مل جائے تو کرامت۔ کوئی کوئی محبت کے معاملے میں حد درجہ شدت پسند ہوتے لیکن اعتدال ضروری ہے۔ ویسے گلال آدم نام کچھ یونیک اور عجیب سا لگا۔ لڑکے کا ہوتا تو اچھا لگتا تھا۔ بہرحال ناولٹ بہت مزے کا تھا۔ ''کسک'' مزمل سلیم کا افسانہ سبق آموز تھا بعض اوقات جیسا ہمیں نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں۔ ہر انسان اندر سے بہت مختلف ہے۔ کوئی مکمل نہیں، سب ادھورا ہے۔ مکمل ہے تو بس اللہ کی ذات۔ ''کنار خواب جو'' فرح بخاری کیا بتاؤں یار۔ آپ کے ناول کے لیے پورا مہینہ صبر کرنا پڑتا ہے۔ بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ۔ اب پلیز کنعان اور سوار کے بیچ ثمامہ کو مت آنے دیجیے گا اور اب سوار کے ماضی کو بھی لے آئیں جلدی سے۔ بہرحال قسط ہمیشہ کی طرح شان دار رہی خاص کر پکنک کا منظر۔ نائس۔ ''انکار'' حرا احمد کا افسانہ اچھا تھا لیکن موضوع پرانا۔ ''کانچ سے سائبان'' مصباح علی سید آپ کے تو ہاتھ چومنے کو دل کرتا ہے، سچی۔ تین قسطیں بہت اچھی لگیں۔ ماضی کی گتھیاں سلجھیں گی تو حال واضح ہوگا۔ ویل ڈن مصباح، اتنا اچھا ناول لکھنے کے لیے۔ ''ماں جی'' واہ واہ فرحت جبیں آپ کے افسانہ کو اگر افسانہ آف دی منتھ کا ٹائٹل دیا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ ماں تو ماں ہی ہوتی ہے، اولاد میں فرق نہ کرنے والی۔ آخری سین نے بے ساختہ رلا دیا۔ بہت بہت اچھا لکھا آپ نے، قابل تعریف۔ ''دیس میں نکلا ہوگا چاند'' قرۃ العین ہاشمی کا ناول اچھا تھا۔ لیکن موضوع پرانا۔ جٹھانی اور دیورانی کی لڑائیاں۔ لیکن اچھا لگا۔ عارفہ کا کردار مجھے اچھا

لگا۔ سادہ پرخلوص اور محنتی عورت۔ سمیعہ خالد کا ''رضیہ بٹ'' ثمینہ، زیبا اور پلوشہ تو تم لوگ تنگ تھیں یار۔ تم لوگوں کو تو شکر ادا کرنا چاہیے، بیٹھے بٹھا کے سب مل رہا تھا۔ آج کل کی نسل تو آرام پسند واقع ہوئی ہے، ہاہاہا۔ تم تینوں عجیب تھیں۔ ویسے تم لوگوں کا پلان تو ہو گیا ناکام، میں بتاؤں کچھ؟ آخر مجھے بھی بڑے پلان آتے ہیں، کامیاب بھی ہوتے ہیں، ہاہاہا۔ ''ہوئے جو تم مہربان'' محبت میں ثابت قدمی ہو تو اپنا آپ منوا ہی لیتی ہے، جیسے اشعر نے ایمان کو منالیا۔ بظاہر تو سب مشکل ہوتا ہے لیکن کہانیوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے بھئی۔ ''دائرہ وفا'' تانیہ چوہدری کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ صائم نے قربانی دی۔ صائم بہت اعلا ظرف ہو آپ۔ ''محبت ہار جاتی ہے'' رشتہ دار جیت جاتے ہیں۔ جیسے محبت ہار جاتی ہے، گورنمنٹ جاب والا جیت جاتا ہے، ہاہاہا۔ ''جس تن لاگے'' عمارہ خان کا افسانہ سبق آموز تھا۔ دنیا مکافات عمل کا نام ہے۔ جس کے ساتھ جو کرو گے ویسا ہی بھرو گے اور دنیا میں ہی بھرو گے۔ ''ملکہ دل'' فوزیہ سرور کا افسانہ بھی سبق آموز تھا۔ عورت کی پہچان ہوتی ہی چولہے سے ہے۔ عورت جتنی مرضی اونچی پوسٹ پر لگ جائے تب تک مرد کے دل میں جگہ نہیں بنا سکے گی جب تک وہ مرد کے سارے کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرے گی۔ فوزیہ سرور ویری گڈ۔ مبارک باد قبول کیجیے گا اینڈ نائس۔ ''کرن کرن خوشبو'' سب کی نگارشات اعلا تھی مجھ سمیت، ہاہاہا۔ گزارش ہے کہ حضرت علیؓ کے اقوال زیادہ دیا کریں، مجھے بہت پسند ہیں۔ ''یادوں کے دریچے'' سب کی غزلیں نظمیں شاندار رہیں۔ میں شامل نہیں تھی، وجہ؟ وجہ یہ ہے کہ میں نے بھیجی ہی نہیں تھی، غزل تو شامل کیسے ہوتی، ہاہاہا۔ اس مرتبہ بھیج رہی ہوں، امید ہے آپ کو پسند آئیں گی۔ ''کچھ موتی چنے ہیں'' بے دردی بالما نے بہت ہنسایا۔ باقی موتی حسب حال چمک دار تھے۔ ''نامے میرے نام'' سب کے تبصرے بہت اچھے لگے۔ تبسم بشیر، فائزہ بھٹی اور ارم کمال آپ کدھر غائب ہیں۔ ننھی ماہا بشیر آپ کدھر ہو یار؟ جلدی سے آؤ، سب لوگ یاد کر رہے ہیں آپ کو۔ اقصیٰ شہزاد اگست کے شمارے میں آپ نے لکھا کہ میں بہت اچھا لکھتی ہوں اور آپ سب سے پہلے میرا خط پڑھتی ہیں تو پیاری بہنا! یہ آپ کا حسن نظر ہے ورنہ میں کہاں اتنی خاص۔ ہمیشہ خوش رہو، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ فائزہ میں حاضر اور آپ غائب؟ ساجدہ جاوید میں حاضر ہوں، اکتوبر کے شمارے میں۔ اقراء ممتاز اچھا تو میں لکھتی رہوں گی مگر آپ کہاں غائب ہو رہی ہیں؟ ادیبہ ظفر پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ جو نیو لوگ آئے ہیں ان کو ویلکم کرتے ہیں۔ ثناء وقاص آپی! آپ تو خوش ہوئی ہیں نام دیکھ کر، مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا آپ کو اتنی خوشی ہو گی، سچی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور وقاص بھائی کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے، آمین۔ عروہ کو پیار کیجیے گا۔ میرے لیے دعا بھی۔ ''کرن کتاب'' ہمیشہ کی طرح لاجواب۔ خط بہت زیادہ لمبا ہو گیا۔ امن علی کا کچن بہت مزے دار لگا' سچی اور ہنسی بھی آئی۔

☆ ماریہ جی! ''کرن'' کے تمام ارکان کی طرف سے سالگرہ مبارک۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا اور کھلکھلاتا رکھے، آمین۔

عاصمہ یامین ملک...... دریا خان ضلع بھکر

شالو کے جوابات اچھے لگے۔ آسیہ مرزا! ارسلہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور آبص سے ہمدردی۔ ''قبول ہے'' اور ''ہجر اثاثہ'' بہت اچھی لگیں۔ مریم شہزاد نے بھی اچھا لکھا۔ ''کانچ سے سائبان'' مصباح زبردست کاوش ہے آپ کی۔ اس کے بعد خواتین میں لکھیے گا۔ ''بالٹی''، ''جاہل'' اور ''بیسن کی روٹی'' بھی عمدہ تحاریر تھیں۔ فوزیہ اور اقصیٰ نے بھی اچھی کوششیں کیں جو بار آور ثابت ہوئیں اور نگہت عبداللہ یہ شہرینہ کیا کر رہی ہے آخر؟ افف نگو نے تو ہنسا ہنسا کر مارنے کا پروگرام بنایا تھا شاید آخر میں ہو جائے۔ ''کنار خواب جو'' واہ واہ مائی فیورٹ ناول بٹ کنعان از سو فولش گرل۔ بہت غصہ آیا کنعان ایسا بھی کوئی کرتا ہے کیا۔ خیر، رونا تو تم نے خود بھی ہے بعد میں۔ فائزہ بھٹی آپ کا تبصرہ بہت دل سے پڑھتی ہوں، ہر جگہ پر اور تبسم اور ماہا بشیر کو بہت مس کیا۔ دعا اور سندس آپ دونوں بہت اچھی لگتی ہیں مجھے۔ ''جون ایلیا'' کا شعر تڑپا گیا۔ حریم سلمان ''نفسیات کہتی ہے'' بہت پسند آیا، حقیقت پر مبنی تھا۔ ''کرن کتاب'' بہت زبردست اور خاص طور سے افغان جیولری مائی کریز از دس۔ زرتاشیہ نعمان کا

کچن اچھا لگا۔ دسترخوان تو سجا دیا مگر دعوت دینا بھول گئیں آپ مجھے، ہاہاہا۔ میرے بہنوئی گلزار بھائی کہتے ہیں میرا ذکر ہی نہیں کیا۔ تم ہی بتاؤ انہیں کیا کہوں؟ ہاں تبسم جس محفل میں آپ شریک ہوں، سمجھیں وہ محفل خود پر رشک کرتی ہے۔ ماہا ہر کوئی آپ بہنوں جیسا بہادر نہیں ہوتا۔ ساجدہ جاوید آپ کے شعر نے میرے زخم ہرے کردیے۔ اب کی بار شعر کیوں نہیں تھے؟ بہت کمی محسوس ہوئی۔ ویسے کرن دی موسٹلی گریٹ۔ ''میرا کچن'' اور ''مقابل ہے آئینہ'' باری آنے پر شائع تو ہوگا ناں؟

☆ عاصمہ جی! مقابل ہے آئینہ اور کچن اور آپ ضرور شائع ہوگا۔ ''مجھے یہ شعر پسند ہیں'' صفحات کی کمی کی وجہ سے یہ سلسلہ ختم کردیا گیا ہے۔

گڑیا راجپوت...... جاتری شریف

''میرے ہم نفس، میرے ہم نوا'' آسیہ مرزا! آبص بے چارے کو تکلیف سے نکالنے کے بجائے مزید دھکیل دیا۔ اس کی محبت چھن گئی۔ ٹانگ کٹ گئی اور پھر ارسلہ جیسی بیوی...... آسیہ جی آبص نے آپ کچھ بگاڑا ہے کیا؟ سکندر راز گریٹ۔ نگہت عبداللہ نے ہواؤں کے ایسے ایسے رخ پھیرے، ہمیں ہی گھما کر رکھ دیا، چلیں خیر...... آپ کے قلم نے اینڈ ہماری مرضی کا کردیا۔ ''بالوشے'' پڑھ کر روح کانپ گئی۔ اتنا رونا آیا۔ یہ ناول چودہ اگست کو پڑھا، کتنی قربانیوں کا نتیجہ پاکستان ہے اور ہم کیا کررہے ہیں۔ کسی ایک قربانی کو مان جائیں۔ فرح بخاری ''کنارِ خواب جو'' مزے کی ہے۔ سوار کی کنعان سے محبت...... اظہار کے بغیر بھی اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے اور سوار کے محبت جتانے کے انداز...... واہ...... کیا کہنے۔ یہ ثمامہ سوار سے دور ہی رہے نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اور فرح جی شازمہ کے ساتھ برا مت کرنا۔ اندازا جو ہونے والا ہے (لکھ لو)۔ ''کانچ سے سائبان'' مصباح علی سمجھ میں تو سارا آگیا لیکن آگے کیا ہونے والا ہے، کچھ پتا نہیں۔ ویسے ذیاج نام اچھا ہے۔ مطلب کیا ہوا اس کا؟ ''تیری راہ میری منزل'' آہ...... ہا۔ مزے کا تھا۔ ماسکو کی سیر ہوگئی۔ ٹالسٹائی جس نے اردو میں بہت ستایا۔ پر قبر میں لیٹے دیکھ کر سکون آیا۔ (اچھن)

کہ چلو خیر ہے اب یہ حضرت دوبارہ کچھ لکھنے کے قابل نہیں رہے۔ ورنہ کیا خبر ایک اور چیپ اینڈ وار لکھ مارتے۔ افسانوں کی لسٹ میں ٹاپ آف دا لسٹ۔ ''ڈگڈگی کا بندر'' سیکنڈ ''تیری دید میری عید'' غلط فہمی بہت بری چیز ہے۔ ''چابی کی گڑیا'' اللہ ہر کسی کی بیٹی پر مجھ سمیت رحم کرے، آمین۔ باقی کچھ خاص نہیں لگے۔ احساس کمتری۔ میں خود احساس کمتری کی ماری ہو، اصل میں ساری خواہشات کا گلا گھونٹ جائے تو یہی ہوتا ہے۔ ''کچن اور آپ'' ہاہاہا ہی لگا۔ باقی سارا کرن بھی اچھا تھا۔ مینو پاز کا مسئلہ میری پیاری امی جان کو رہا ہے۔ دسمبر اور جنوری کی تڑکے کی سردی، امی گرمی گرمی کرتی ہیں اور جون جولائی اور اگست میں تو امی ادھ موئی ہوئی رہتی ہیں۔ زبان خشک اور ہونٹ پپڑی زدہ۔ فل ٹائم اے سی۔ اللہ ہر کسی کی ماں کو سلامت رکھے، آمین۔ میری دو فرمائشیں شاہین رشید تک پہنچ جانی چاہئیں۔ طارق جمیل کا انٹرویو اور ان کا خود کا انٹرویو۔ میں صحافی تو نہیں پر کیا میں سوال لکھ کر بھیجوں (انٹرویو کے مطابق) تو کیا شاہین رشید کو مناسب لگے گا، ضرور بتائیں۔

☆ گڑیا جی! اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ کم از کم ہماری طرف سے تو بالکل بھی نہیں۔ آپ کا خط ملے گا تو ضرور شائع ہوگا۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچا دی گئی، دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔

سحر وقاص راجپوت...... لاہور

اگست کے دونوں شمارے 7 اگست کو مل گئے لیکن عزیز از جان خالہ زاد بیٹی کی وفات کی وجہ سے پڑھ نہ سکی۔ 23 سالہ فریحہ کی موت صدمے سے کم نہ تھی کہ اپنے پہلے بچے کی پیدائش کے وقت ڈاکٹرز کی غفلت کی وجہ سے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ تمام قارئین سے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست ہے، اللہ اسے جنت میں اعلا مقام عطا کرے، آمین۔ پچھلے ماہ مصباح علی سید کو یاد کررہی تھی اور پچھلے ہی ماہ ان کا ناولٹ شائع ہوا، کہانی اچھی ہے۔ عرفان گھوسٹ سے ملاقات اچھی رہی۔ ماہ نور خان کی بھی سنی کافی سنجیدہ مزاج لگتی ہیں اور میچور بھی۔ اس بار آئینہ شکیل سہیل حسن کے مقابل تھا، اچھا لگا۔ پھر سیدھا ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' پر پہنچے کہ اس بار آخری قسط تھی پر

نہیں جی۔ اس بار اکتیسویں قسط شائع ہوئی۔ اب حمزہ اور شہرینہ کو بھی ملا دیں۔ بہانداد ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ پھر "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" پر پہنچے۔ ارسلہ کیسی بے حس ہو تم۔ کسی کے جذبات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ آبص اچھا انسان ہے سکندر تم اریبہ سے شادی کرلو، اچھی جوڑی ہے۔ "کنار خواب جو" شاندار، اعلا، شاہکار۔ فرح جی کیا خوب صورت منظر نگاری کرتی ہیں کہ بندہ خود کو ہیرو ہیروئن کے ساتھ ساتھ سمجھتا ہے۔ سوار بھی پہلے دن سے کنعان کی محبت میں گرفتار ہے، کتنا خوب صورت انکشاف ہے کہ محبت یک طرفہ نہیں، دونوں ہی اس کشتی میں سوار ہیں۔ اب اللہ ثمامہ میڈم کو بیچ سے نکال کر دونوں کو ملا دے۔ اس بار دونوں مکمل ناول کمال تھے۔

"ہجر اثاثہ رہ جاتا ہے" قرۃ العین سکندر کیا خوب صورت تحریر لکھی۔ آپ اپنی ہر تحریر میں ہیروئن کو بہت مضبوط دکھاتی ہیں۔ کردار کی مضبوطی ہر انسان کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ "الٹی ہوگئیں سب تدبیریں" رائٹر شاید نئی ہیں پر لکھنے کا انداز اچھا تھا۔ ثانیہ کا اپنے والد کے مخالف جا کے آذر سے شادی کرنا اچھا فیصلہ نہیں تھا۔ ماں باپ کی دعاؤں تلے ہی رخصت ہوتی تو اتنی ظالم ساس نہ برداشت کرنی پڑتی۔ اس بار "نامے میرے نام" میں انیس خط تھے، شاید کچھ سلسلے بھی اسی لیے ختم کیے تاکہ زیادہ قارئین کے خط شائع ہوسکیں۔ فوزیہ ثمر بٹ، خوشی یہ دونوں بہنیں تو واپس محفل میں آگئیں جو رہ گئی ہیں وہ بھی حاضر ہوں فائزہ تمہیں "بیٹی کے نام" افسانے پر مبارک باد۔

☆ سحر وقاص جی! اللہ تعالیٰ آپ کی کزن کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا کہ کچھ سلسلے صفحات کی کمی کی وجہ سے ختم کیے گئے ہیں۔

فائزہ بھٹی......پتوکی

اکتوبر کا کرن اس بار کچھ جلدی مل گیا۔ ٹائٹل دیکھا بھالا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" اقصیٰ شہزاد اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" ارسلہ میڈم سر چاہے اٹھا کر چلو مگر نظر ہمیشہ نیچی رکھو۔ ورنہ ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ انسان منہ کے بل گرتا ہے، اس پر افسوس کہ کوئی اٹھانے والا بھی نہیں ہوتا۔ نادیہ شاہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہم خود کو دوسروں کے سامنے عیاں کر کے ارزاں کرلیں۔ کچھ چیزوں پر اگر وقت پردہ رکھتا ہے تو اسے رکھنا چاہیے۔ نہیں تو نقصان ہمارا ہی ہوتا ہے کیونکہ ہر کوئی صاحب ظرف نہیں ہوتا۔ "کنار خواب جو" سوار حسین ڈرو مت، اپنے دکھوں میں، اپنے ماضی کے افسردہ لمحوں میں ہمیں بھی شریک کرلو۔ ہمیں ہمیشہ اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گے۔ کنعان میں تمہاری خوشیوں کے لیے دعا گو ہوں کیونکہ جانتی ہوں نا۔ محبت زادوں کو دعاؤں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ شازمہ تم نے مجھے مایوس کیا۔ ثمامہ خوش فہم ہونا اتنی بھی اچھی عادت نہیں ہے جو تم مسلسل اسے اپنائے ہوئے ہو۔ "کانچ سے سائبان" ہائم بیوی کو تم اپنے دکھوں میں، اپنی خوشیوں میں شریک کرتے تو اچھے لگتے ہو۔ بے اعتنائی تم پر جچتی نہیں ہے۔ تانیہ مبارک ہو۔ میری طرح تم بھی پاک آرمی کے جوان سے منسوب ہوگئی ہو۔ (اب مجھے بھی مبارک دو) آپ لوگ حیران ہوگئے ہوں گے، جی ہاں۔ 20 اگست کی شام میں منسوب ہوگئی۔ آرمی جوان نے لمبا ہاتھ مارا، ہم دونوں ایک دوسرے سے تصویروں کی حد تک واقف ہیں۔ بس آپ لوگوں نے میرے لیے دعا کرنی ہے اور کون کون شادی میں آنا چاہتا ہے۔ "مغرب کے بعد" سارا ماؤں کے آگے کھڑے ہونے والوں کو پچھتاوے ہی ملتے ہیں۔ "نامے میرے نام" اقراء سرور یہ کیا بات ہوئی ہے۔ گم ہونے والی بات کیوں لکھی تم نے۔ بس واپس آؤ جلدی سے۔ اقراء ممتاز مجھے تمہاری آخری خط والی بات کہنا بھی اچھا نہیں لگا۔ دوستوں کو ایسی بات کرکے ڈراتے نہیں ہیں۔ ماریہ نذیر بالکل نہیں بھولے آپ کو، دل میں رہنے والے ہمیشہ حیات رہتے ہیں۔ بشریٰ یامین ڈیئر، یہ مرد لوگ کہیں غصہ نہ کرلیں۔ فوزیہ ثمر بٹ۔ تمہیں میرا طرز بیاں مرزا غالب کی طرح لگتا ہے۔ اس سے اچھی بات کیا ہوگی اور میں نے آپ کی بات کا بالکل برا نہیں مانا۔ آپ کھلے دل سے میری تحریر پر تبصرہ کیا کریں۔ اور ویسے بھی دوستوں میں ناراضی نہیں چلتی۔ خوش و آباد رہیں۔ ثنا شہزاد خوش رہو۔

☆ فائزہ جی! "کرن" کے تمام ارکان کی طرف سے بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشیاں عطا فرمائے، آمین۔

ثناء شہزاد...... کراچی

"مقابل ہے آئینہ" میں اقصیٰ شہزاد کے جواب اچھے لگے۔ آسیہ مرزا کا "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ارسلہ کو بہت زیادہ بے حس دکھایا گیا ہے۔ نادیہ شاہ کے دکھ پر بہت دل دکھا مگر اس کی لائف میں حمزہ کا آنا اچھا لگا۔ "مغرب کے بعد" ایمل رضا کا چھوٹا سا افسانہ بہت اچھا لگا۔ کوثر ناز کا "سوز عشق" گو کہ بہت اچھا تھا مگر اینڈ میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ تاثیر کی بے وفائی کا کیسے پتا چلا، اس کہانی میں کچھ کمی سی محسوس ہوئی۔ "کسک" مزمل سلیم کا افسانہ پسند آیا۔ حرا احمد کا "انکار" بھی اچھا لگا۔ فرحت جبیں کا افسانہ "ماں جی" زبردست لکھا۔ ماں جی نے اپنے چھوٹے بیٹوں کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے اپنے بڑے بیٹے کو خود سے دور کر کے اچھا فیصلہ کیا۔ "دیس میں نکلا ہوگا چاند" قرۃ العین خرم ہاشمی نے اتنا خوب صورت ناول لکھ کر دل جیت لیا۔ اتنے خوب صورت لفظوں کا چناؤ کیا، کہانی میں کہیں کوئی کمی یا جھول محسوس نہیں ہوا۔ کنول اور عمیر کی نوک جھوک اچھی لگی۔ "رضیہ ہٹ" سمیعہ خالد نے کیا کمال کا لکھا۔ "ہوئے جو تم مہرباں" بینش مجید کی تحریر بہت اچھی لگی۔ اشعر نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ "دائرہ وفا" تانیہ چوہدری کا افسانہ اچھا لگا۔ "جس تن لاگے" عمارہ خان نے بہت اچھا لکھا۔ آج کل تو اللہ پاک اسی دنیا میں دکھا دیتا ہے۔ کسی کے ساتھ برا نہ کریں۔ فوزیہ سرور نے "ملکہ دل" بہت اچھی لکھی۔ "کرن کرن خوشبو" میں سب کا انتخاب لاجواب تھا۔ "یادوں کے دریچے" میرا پسندیدہ ہے۔ میں ہر مہینے اپنی ڈائری میں لکھتی ہوں۔ "نامے میرے نام" میں سب کے تبصرے اچھے لگتے ہیں۔ ماریہ نذیر آپ کو میں نہیں بھول سکتی، پیاری دوست۔ اقراء سرور کیا ہوا پیاری آپ خط کیوں نہیں لکھیں گی۔ آپ کے لیے ہم دل سے دعا کریں گے جو آپ کے حق میں بہتر ہو اللہ پاک وہی کرے۔ "کرن کتاب" سے بہت کچھ معلومات ہمیں ہر ماہ ملتی ہیں۔ کرن کتاب کا بہت شکریہ۔ کرن میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں وہ ہمیں اچھی لگیں۔ بس ایک بات کہنا چاہوں گی آپ ہر مہینے کسی نہ کسی رائٹر کا انٹرویو ضرور شامل کیا کریں۔

☆ ثناء شہزاد جی! تاثیر بے وفا نہیں تھا۔ ماریہ کی بے وفائی کا صدمہ اسے ہوا تھا۔ رائٹرز کے انٹرویو کی بہت فرمائش آرہی ہے۔ ان شاء اللہ قاری بہنوں کی جلد ہی یہ فرمائش پوری ہوگی۔

ثمینہ اکرم...... بہار کالونی، لیاری، کراچی

ایک طویل عرصے کی دوری کے بعد آپ سب سے ملنا ناقابل بیان خوشی سے ہمکنار کر رہا ہے۔ یہ میرا دہ فیورٹ سلسلہ ہے جس میں سب قارئین موتی کی مالا کی طرح باہم ساتھ جڑے رہتے ہیں۔ خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کو یاد رکھتے ہیں اور غیر حاضری پر تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی قارئین بہن میری بابت پوچھے اور مجھے یاد کرے تو خوشی کا ایک انمول احساس رگ و پے میں دوڑ جاتا ہے۔ 2020ء کا نیا سورج میرے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر طلوع ہوا۔ جنوری 2020ء میں میں اپنے شوہر اور نندوں کے ہمراہ عمرہ کے مقدس سفر پر روانہ ہوئی۔ ہمارے پاکستان واپس آنے کے آٹھ دن بعد میری بیٹی غنویٰ اپنے شوہر اور سب سسرال والوں کے ہمراہ فروری میں ادائیگی عمرہ کے مقدس سفر پر روانہ ہوئی۔ اللہ کے فضل سے جولائی میں غنویٰ کے قدموں تلے جنت آئی اور وہ ایک پیارے سے بیٹے عکرمہ کی ماں بنی۔ اس سال کچھ میری مصروفیات پھر کچھ میری بیماری (گردے میں پتھری اور میگرین) کی وجہ سے میں خط لکھنے سے قاصر رہی۔ مگر دل میں ہمیشہ آپ سب کی یاد تازہ رہی۔ (اس ماہ کرن 6 اکتوبر کو ہی مل گیا تھا ماشاء اللہ)۔ اس تمام عرصے میں ہم اگر بات کریں کرن ڈائجسٹ کی تو 2020ء میں اس کا معیار بہتر سے بہترین ہوا ہے۔ نئی رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ کچھ نئے نام مستقبل میں ادب کی سیڑھی پر بہت اونچا کھڑے نظر آرہے ہیں اور بہت سی نئی رائٹرز نے ہماری پرانی رائٹرز کی جگہ کو بہت خوب صورتی سے کور کیا ہے۔ انہوں نے اپنے قلم کا لوہا منوایا۔ اللہ کرن کو یوں ہی ہمیشہ روشن اور تابناک بنائے رکھے، آمین۔ منعم ملک بہت اچھا اضافہ "بالوشے" ایک ناقابل فراموش تحریر۔ پاکستان کی تاریخ پر لکھی جانے والی یہ کہانی مدتوں یاد رکھی جائے گی۔ ویل ڈن منعم۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" ارسلہ ایک لالچی فطرت کی عورت ہے جسے رشتوں سے زیادہ پیسہ عزیز ہے۔ بات کرتے

ہیں اب ”نامے میرے نام“ بشریٰ یامین ملک، دریا خان، بھکر سے آپ کا خط بہت دلچسپ تھا مگر خط میں ثمینہ اکرم...... کو مخاطب کرکے آپ نے کیا کہا، میں سمجھ نہ پائی۔ آپ وضاحت کردیں پلیز۔ ماریہ نذیر کا خط بھی بہترین تھا۔ تبصرہ لاجواب۔ تہ دل سے آپ کے روشن مستقبل کے لیے دعائیں۔ کوثر خالد اور ریحانہ چوہدری جی؟ آپ لوگ کہاں ہیں آج کل...... سب خیریت ہے نا؟ فوزیہ ثمر بٹ، ثنا شہزاد، ماریہ نذیر اور اقراء سرور آپ سب کے خطوط سے محفل کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

”دیس میں نکلا ہوگا چاند“ قرۃ العین خرم ہاشمی کا مکمل ناول بہت عمدہ تحریر اور لاجواب اسٹوری۔ دوسرا ناول ”کنار خواب جو“ فرح بخاری کا یہ ناول شروع سے ہی میری توجہ خاص کا مرکز بنا ہوا ہے اس میں سوار کا کردار دل میں جگہ بنا گیا ہے جبکہ کنعان کا کریز بھی اچھا لگتا ہے۔ مصباح علی سید کا نام تو جس کہانی کے ساتھ جڑا ہو، وہ تو ویسے ہی سپرہٹ ہوجاتی ہے۔ مگر ”کانچ سے سائبان“ واقعی میں بہت زبردست ناولٹ ہے۔ میں اس کو پڑھ نہ سکی تھی، اب اکٹھی تین اقساط ایک ساتھ پڑھ ڈالیں میں نے۔ ہاتم اور رداسہ میں اتنی محبت کے باوجود ایسا کیا ہوا جو دونوں کی علیحدگی کا سبب بنا۔ ابھی یہ راز جاننا باقی ہے مگر یہ ایک بہترین تحریر ہے۔ جس کی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے مجھے۔ بینش مجید ملک کا ناولٹ ”ہوئے جو تم مہرباں“ یہ بھی اچھا تھا۔ اشعر کی ایمان کے لیے خالص محبت نے حیران کیا۔ ناولٹ کے بعد اگر بات کی جائے افسانوں کی تو اس ماہ فہرست میں آٹھ افسانے شامل نظر آئے۔ ”ماں جی“ افسانہ فرحت جبیں نے لکھا اس میں ایک ماں کا اپنی اولاد سے پیار دکھایا۔ ایمل رضا کا افسانہ ”مغرب کے بعد“ پڑھ کر دل افسردہ ہوگیا۔ افسانہ ”دائرہ وفا“ تانیہ چوہدری۔ صائم نے وفا نبھائی اور اپنے دوست اور کزن احسن کے لیے اپنی بچپن کی محبت انعم کی قربانی دے دی۔

”ملکہ دل“ فوزیہ سرور۔ مصباح اور سونیا کی کہانی۔ مصباح ایک اطاعت گزار گھر گرہستی والی عورت جبکہ سونیا پھوہڑ عورت۔ شکر ہے جو مصباح نے سونیا کی باتوں میں آکر اپنے گھر کا سکون برباد نہیں کیا۔ ”رضیہ ہٹ“ سمعیہ خالد بہت مزے دار اور دلچسپ افسانہ۔ اتنی سگھڑ ساس بھی آج کل کی بہوؤں سے ہضم کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اتنی ہرفن مولا ساس تو خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔ ”کرن کتاب“ میں سب کچھ تھا مگر اشعار کا صفحہ ندارد۔ کیا یہ سلسلہ اب ختم کردیا گیا ہے؟ ”کچن اور آپ“ اس سلسلے میں مجھے بھی لکھنا ہے۔ ”ڈلیکوریا“ کے خاتمے کے لیے بہترین ٹپس بتائی گئیں جو کہ کارآمد بھی لگی۔ ”اس ماہ کا پھل“ اس سلسلے میں پھلوں کے وہ فوائد پتا چلتے ہیں جو ہماری صحت کے لیے مفید ہیں۔ اچھا سلسلہ ہے۔ کاسٹر آئل کے فوائد بھی ”کرن کتاب“ میں بتائیں۔ سردیاں آگئی ہیں۔ ”کرن کا دسترخوان“ دالوں سے مختلف پکوان کی تراکیب پیش کی گئیں دالوں کی اہمیت اور افادیت سے تو انکار نہیں۔ مگر بدقسمتی سے اس دور حکومت میں غریب کی پہنچ سے دالیں بھی بہت دور ہوگئی ہیں۔

☆ثمینہ جی! اللہ تعالیٰ معیز بیٹے کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ خوش قسمتی ہے کہ آپ کو مقدس جگہ جانا نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

آپ نانی بن گئیں بہت خوشی ہوئی کرن کے تمام ارکان کی طرف دلی مبارک کباد۔

شکیلہ سہیل حسن...... ملکوال

کرن کا شمارہ ہاتھ آتا ہے تو وقت کو پر لگ جاتے ہیں جب نہیں آتا تو وقت ایک جگہ ٹھہرا رہتا ہے۔ وقت کی اس آنکھ مچولی میں 12 سال کیسے گزر گئے پتا ہی نہیں لگا۔ کرن کے ساتھ میں ٹین ایج تک پھر میچور ایج سے شادی کی عمر تک آگئی، خبر ہی نہیں ہوسکی۔ ان شاء اللہ جب تک سلامت ہوں، کرن کا اور میرا ساتھ ایسا ہی رہے گا۔ نہ رہی تو یہ شوق ہر لگن، ہر دیوانگی، اپنی پچھلی اگلی نسل تک منتقل کرجاؤں گی۔ نومبر کا شمارہ جب تک میرے ہاتھ میں آئے گا، میں مایوں بیٹھ چکی ہوں گی (ان شاء اللہ)۔ ستمبر کے شمارے میں میرا انٹرویو ”مقابل ہے آئینہ“ میں شائع کرکے آپ نے مجھے بے مول خرید لیا۔ دل کی گہرائیوں سے شکریہ، جو میرا مان رکھا۔ نئی زندگی کے پرمسرت موقع پر مجھے آپ کی، کرن اسٹاف کی، قاری اور لکھاری بہنوں کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کی ضرورت ہے۔ دل سے شکر گزار ہوں گی۔ اب بات ہوجائے اکتوبر کے شمارے کی۔ فسٹ آف آل ثنا شہزاد، بشریٰ یامین پسندیدگی کے

لیے تہ دل سے شکریہ۔ اینڈ فوزی ڈیئر! یہ میرے ہو چکے شوہر نامدار ہیں اور باخدا یہ کھلا کھلا رومینس نہیں تھا، آپ کو ایسا کیوں لگا؟؟ اگر یہ رومینس ہوتا تو کرن والے کبھی شائع نہیں کرتے، ہاں کھلے لفظوں میں تعریف ضرور تھی اپنے شوہر نامدار کی۔ بہر کیف املی جیسی کھٹی میٹھی تنقید کا شکریہ، مگر سچ کہوں جہاں سب کی پسندیدگی نے انرجی ٹانک کا کام کیا، وہاں آپ کے کمنٹس نے اداس بھی کیا۔ ''نامے میرے نام'' میں سب قاری فرینڈز کے تبصرے شاندار تھے۔ ماریہ نذیر، اقراء سرور، فوزیہ ثمر اس بار شامل تھیں۔ مل کر آدھی ملاقات کر کے مزا آیا۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں اس بار اقصیٰ شہزاد سے ملاقات کی، اچھا لگا۔ (نائس ٹو میٹ یو اقصیٰ)۔ ''کرن کرن خوشبو'' میں ماریہ نذیر، فوزیہ ثمر اور ثریا کا انتخاب پسند آیا۔ ''یادوں کے دریچے'' سے فائزہ بھٹی کا جو اس بار نام ہے میرے نام میں غائب تھی۔ ''کچھ موتی چنے ہیں'' میں سب کے موتی انمول اور سچے تھے۔ ''کرن کتاب'' ہر بار کی طرح معلومات سے بھرا ہوا تھا۔ ''کچن اور آپ'' میں امن علی کا کچن زبردست لگا۔ کیا کمال انداز بیان تھا امن آپ کا، نائس۔ میں بھی میٹھے کی بے حد شوقین ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں میٹھا نہ کھاؤں تو میرا شوگر لیول کم ہو جاتا ہے (میرا اندازہ ہے بس)۔ باقی سلسلے لاجواب تھے۔ اب کچھ بات ہو جائے ناولز کی۔ فرحت بخاری جی! ابھی تک تو میں کلثوم کہسار کے سحر سے ہی نہیں نکلی۔ ایک اور سحر نے ''کنار خواب جو'' کی صورت میں جکڑا ہوا ہے۔ کلثوم کہسار کے بعد ملکہ کہسار مری کے ''کنار خواب جو'' ایک زبردست ناول ہے۔ اتنے خوب صورت انداز میں منظر نگاری کی ہے کہ دل اش اش کر اٹھتا ہے۔ سوار اور کنعان کا کپل ہی بننا چاہیے۔ جیسے سوار نے کنعان کی حقیقت یعنی ماضی پر یقین کر لیا ہے، بس کنعان بھی سوار کے ماضی پر یقین کر کے اسے اندیشوں سے نکالے اور دونوں اپنی نئی زندگی کی شروعات کریں۔ شازمہ کو دیکھ کر ایسا لگتا تو نہیں تھا کہ ایسے شادی ہو گی ہے۔ اتنے لوگوں کا دل دکھانے کی کچھ تو سزا ملنا تھی، نہ فرح جی ہیپی اینڈنگ ہونی چاہیے (کیری اون)۔

آسیہ مرزا جی کا ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' زبردست جا رہا ہے۔ ارسلہ میڈم خود اتنا آگے بڑھ گئی ہیں، اب سکندر کا آگے بڑھنا تکلیف دے رہا ہے۔ محترمہ کا دل ہے کہ سکندر ساری زندگی اس کے فراق میں ہی آہیں بھرتا رہے۔ ویل ڈن آسیہ جی۔ مصباح جی کا مکمل ناول ''کانچ سے سائبان'' زبردست ناول ہے۔ یونیک ناموں اور نرم گرم رویوں اور لو اسٹوری کے ساتھ۔ ہر لفظ اپنی مثال آپ ہے، بولتا ہوا، دل میں اترتا ہوا۔ کوثر ناز صاحبہ کا مکمل ناول ''سوز عشق'' کے کیا ہی کہنے۔ کمال داستان تھی عشق کی ایلیسا کا اتنا ظرف کہ اپنا سب کچھ ہی وار دیا۔ محبت واقعی صرف دینا جانتی ہے، لینا نہیں۔ مگر یہ اینڈ کچھ خاص سمجھ میں نہیں آیا۔ آستین کا سانپ کیا ماریا کی طرف اشارہ تھا؟ خیر جو بھی تھا، عشق کی لازوال داستان تھی۔ ویل ڈن کوثر جی۔ فرحت جی کا ''ماں جی'' زبردست تھا۔ بے شک ایک ماں ہی اتنی ہمت والی ہو سکتی ہے جو اپنی ایک اولاد کے لیے دوسری اولاد سے لاتعلقی اختیار کرے، نائس فرحت جی۔ قرۃ العین کا ''دیس میں نکلا ہوگا چاند'' لاجواب ناول تھا۔ کنول کے کردار کی مضبوطی دل کو لگی۔ ثمینہ مجید کا ''ہوئے تم مہربان'' بھی زبردست تھا۔ تانیہ چوہدری جی کا ''دائرہ وفا'' لاجواب تھا۔ محبت واقعی قربانی کا دوسرا نام ہے۔ حاتم ہی جلا کر دل کو چھو گئی۔ عمارہ خان ''جس تن لاگے'' سبق آموز تھا۔ شعر کی ثابت قدمی اچھی لگی۔ ویل ڈن عمارہ خان جی! فوزیہ سرور کا ملکہ... باقی افسانے ناول سبق آموز اور زبردست تھے۔ تمام رائٹرز کا شکریہ، جو ہر بار اپنی اسٹوریز کے لیے ہماری زندگی اور دل و دماغ پر پوزیٹو تاثر چھوڑ جاتی ہیں۔ ''شاہ پاس بیٹھی بار بار فہد مصطفیٰ کے انٹرویو کی فرمائش کر رہی ہے اور میری فرمائش ہمایوں سعید۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے (اللہ کی امان میں)۔

☆ شکیلہ جی: کرن اور آپ کا تعلق ہمیشہ رہے گا ان شاء اللہ۔ اللہ آپ کو نئی زندگی میں خوشیاں عطا فرمائے آمین۔ کرن کے تمام ارکان کی طرف سے دلی مبارک باد اور دعائیں۔ آپ کی تمام فرمائشیں جلد ہی پوری کی جائیں گی۔

☆☆



دلہن کی پریشانی | آنکھوں کے حلقے

شادی کا دن ہر لڑکی کے لیے اہم ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس دن خوب صورت دکھائی دے۔ ذہنی دباؤ اور نیند کی کمی کی وجہ سے آنکھوں کے گرد گہرے حلقے بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر دلہن بننے والی لڑکیاں پریشان ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس لیے وہ کوشش کرتی ہیں کہ کوئی ایسے طریقے یا ٹوٹکے انہیں پتا چل جائیں جسے وہ آزما کر ان حلقوں سے چھٹکارا پالیں۔ کئی ایسی چیزیں ہیں جنہیں کچھ دنوں تک باقاعدگی سے آزما لیا جائے تو ان حلقوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

ویسے تو شادی کسی مہینے بھی ہوسکتی ہے لیکن پاکستان میں میک اپ سے بھی حلقوں کو چھپانا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے زیادہ تر نومبر سے لے کر مارچ تک شادیاں بہت ہوتی ہیں۔ جن لڑکیوں کی آنکھوں میں حلقے ہیں، وہ دلہن بننے سے پہلے یہ ٹوٹکے ضرور آزمالیں۔

☆ کھیرے کے اوپر سے چھوٹا ٹکڑا کاٹ کر اسے کھیرے پر رگڑ کر جھاگ نکالیں۔ پھر آلو کا پیسٹ بنا کر جتنا آپ کے پاس جھاگ ہے اتنا ہی پیسٹ ملالیں۔ پھر اس آمیزے میں ایک وٹامن ای کا کیپسول ملالیں اور اس آمیزے سے اپنے آنکھوں کے حلقوں کا مساج کریں۔ تین دن میں حلقے ختم ہوجائیں گے۔

☆ ایک چمچہ دہی میں ایک چمچہ ٹماٹر کا رس ملائیں اور پھر چند قطرے بادام کا تیل ڈال کر اچھی طرح ملالیں اور تھوڑی روئی پر لگا کر آنکھوں کے گرد بیس منٹ تک لگائیں پھر منہ دھولیں۔ کچھ ہی دن میں حلقے ختم ہوجائیں گے۔

☆ ایک دھاتی چمچہ لیں، اسے رات کو سونے سے قبل فریزر یا فریج میں رکھیں اور صبح اٹھنے کے بعد اپنی



آنکھوں پر دو سے تین منٹ تک کے لیے رکھیں۔

☆ انڈے کی سفیدی کو نرم برش سے آنکھوں کے



نیچے احتیاط سے لگائیں۔ اس کے بعد پانچ سے دس منٹ انتظار کرکے چہرے کو گرم پانی سے دھولیں۔

☆ دو ٹی بیگز کو گرم پانی میں ڈالیں پھر انہیں نکال کر ٹھنڈا کرلیں اور پندرہ منٹ کے لیے آنکھوں پر رکھیں۔

☆ جو لڑکیاں عنقریب دلہن بننے والی ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ رات کے وقت دو بڑی کاٹن بالز میں عرق گلاب کو بھگودیں، پھر اسے ہلکا سا نچوڑلیں۔ ان بالز کو پانچ منٹ کے لیے آنکھوں پر رکھیں۔ اس طرح روزانہ دو سے تین ہفتوں تک کریں اور اپنی آنکھوں کی جلد کو تروتازہ اور حلقوں سے پاک ہوتا ہوا دیکھیں۔

☆ ہلدی کا پیسٹ بنا کر آنکھوں کے نیچے لگائیں، ورم کش ہونے کی وجہ سے ہلدی آنکھوں کے حلقے اور سوجن کو دور کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

☆ ایک چائے کا چمچہ بادام کے تیل میں ایک چائے کا چمچہ شہد ملائیں۔ اس مکسچر کو سونے سے قبل آنکھوں کے نیچے لگائیں اور صبح اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

☆ روئی کو لیموں کے تازہ عرق میں ڈبوئیں اور سیاہ حلقوں پر لگادیں۔ اسے بارہ منٹ کے لیے لگا رہنے دیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

☆ ایک چمچہ ٹماٹر کا رس اور ایک چمچہ لیموں کا رس اچھی طرح ملائیں اور آنکھوں کے نیچے لگالیں اور اسے دس منٹ تک لگا رہنے دیں۔ بعد میں پانی سے صاف کرلیں، ایسا دن میں دو مرتبہ کریں۔

ان تمام ٹوٹکوں کو باقاعدگی سے دو تین ہفتوں تک استعمال کریں۔

حنا کا گہرا رنگ ہی من کو بھائے

شادی بیاہ کے موقع پر ہاتھ پیروں کو مہندی کے گل بوٹوں سے سجانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مہندی کی تقریب پر صرف دلہن ہی نہیں بلکہ گھر بھر کی لڑکیاں اور یہاں تک کہ بڑی بوڑھیاں بھی ہاتھ پر مہندی سے طرح طرح کے ڈیزائن بناتی ہیں اور ایک دوسرے کو دکھا کر داد وصول کرتی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مہندی سے بنائے گئے خوب صورت نقش ونگار، آپ کی ہتھیلیوں کو سجا دیتے ہیں لیکن چند رز کے بعد جب یہی مہندی پھیکی پڑنے لگتی ہے تو انتہائی بدنما دکھائی دیتی ہے اور آپ چاہتی ہیں کہ یہ جلد از جلد ہاتھوں سے اتر جائے۔ یہاں آپ کے لیے کچھ ایسی تجاویز پیش ہیں جن کی مدد سے مہندی کو آسانی کے ساتھ ہاتھوں سے اتار جاسکتا ہے۔



لیموں: مہندی اتارنے کے لیے ایک لیموں کے دو ٹکڑے کریں، اسے نچوڑ کر اس کا رس براہ راست ہاتھوں پر لگائیں اس کے بعد لیموں کو چھلکے سمیت چند منٹ تک ہاتھوں پر رگڑیں اور پھر نیم گرم پانی سے دھولیں۔

ٹوتھ پیسٹ: مہندی اتارنے کے لیے ٹوتھ پیسٹ کی ہلکی سی تہ لگائیں اور اسے خشک ہونے دیں۔ خشک ہونے پر آہستہ سے رگڑ کر اسے اتار دیں اور ہاتھ کو گیلے کپڑے سے صاف کرلیں۔ اس کے بعد کوئی موئسچرائزنگ لوشن ہاتھ پر لگالیں۔

بیکنگ سوڈا: بیکنگ سوڈا میں برابر کی مقدار میں لیموں کا رس ملا کر پیسٹ بنالیں۔ اب اس پیسٹ کو ہاتھوں پر لگائیں۔ پانچ منٹ تک لگا رہنے دیں، اس کے ہاتھ دھولیں۔ خیال رہے کہ اس سے آپ کے ہاتھ خشک اور کھردرے ہوسکتے ہیں لہٰذا ہاتھوں پر کوئی اچھا سا موئسچرائزنگ لوشن یا کریم ضرور لگائیں۔

ہاتھ دھولیں: بار بار ہاتھ دھونے سے مہندی کا رنگ جلد اتر جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے دن میں آٹھ سے دس بار، کسی اینٹی بیکٹیریل سوپ یا ہینڈ واش سے ہاتھ دھوئیں۔ زیادہ ہاتھ دھونے سے آپ کے ہاتھوں کی جلد خشک ہوسکتی ہے، اس لیے ہاتھ دھونے کے بعد ہینڈ لوشن لگانا نہ بھولیں۔

نمک کا پانی: آدھا ٹب نیم گرم پانی میں ایک کپ عام نمک ملائیں اور بیس منٹ کے لیے اس میں ہاتھ بھگو کر بیٹھ جائیں۔ ایک دن چھوڑ کر اس ترکیب کو آزمائیں لیکن ہر بار ہاتھ صاف کرنے کے بعد ان پر موئسچرائزنگ لوشن ضرور لگائیں تاکہ یہ نرم وملائم رہیں۔

زیتون کا تیل: مہندی کے مدھم پڑتے رنگوں کو اتارنے کے لیے زیتون کے تیل میں روئی ڈبوئیں اور اسے مہندی کے اوپر رگڑیں۔ بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے زیتون کے تیل میں تھوڑا سا نمک ملالیں۔ اب تیل اور نمک کے اس آمیزے کو ہاتھوں پر کم از دس منٹ کے لیے لگا رہنے دیں تاکہ یہ جلد میں سرائیت کر جائے۔ اس عمل کو آپ چند گھنٹوں کے وقفے سے دہرا سکتی ہیں تاکہ مہندی کا رنگ جلد اتر جائے۔ اس طریقے پر عمل کرنے کا یہ فائدہ بھی ہے کہ زیتون کے تیل سے جلد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ آپ کی جلد کو موئسچرائز کرتا ہے۔

چکوترے کے 25 فوائد



یہ لیموں کی قسم کا ایک پھل ہوتا ہے، اس کا ذائقہ چاشنی دار ہوتا ہے۔ اس کا مزاج سرد تر درجہ دوم ہوتا ہے۔ اس کی مقدار دو دانے ہے۔ اس کے حسب ذیل فوائد ہیں۔

- چکوترہ مقوی و مفرح قلب ہے۔
- یہ مسکن صفرا ہے۔
- بھوک بڑھاتا ہے۔
- معدہ کو مضبوط کرتا ہے۔
- اس کا چھلکا چہرے پر ملنے سے رنگ نکھرتا ہے اور داغ دھبے اور جھائیاں دور ہوتی ہیں۔
- بلغمی مزاج والوں کے لیے نقصان دہ ہے۔
- متلی اور قے کو دور کرتا ہے۔
- سر درد کی صورت میں اس کا لیپ پیشانی پر کرنا مفید ہوتا ہے۔
- اس کا چھلکا پیٹ کے کیڑے نکالتا ہے اور انہیں مارتا بھی ہے۔
- اس کی ترشی کھانسی کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتی۔ اس لیے کھانسی میں بھی کھایا جا سکتا ہے۔
- اس کے پھولوں کو سونگھنا دماغ کو طاقت دیتا ہے۔
- گرمی کے زکام میں بے حد مفید ہے۔
- پیاس اور تھکان کو دور کرتا ہے۔
- حیض کے زیادہ کھل کر آنے میں اس کا چند روز استعمال انتہائی مفید ہے۔
- یہ سینہ صاف کرتا ہے اور مقوی دماغ ہے۔
- اس میں وٹامن سی کی وافر مقدار ہوتی ہے۔
- اس کا چھلکا غشی میں سونگھانا مفید ہوتا ہے۔
- یہ مقوی جگر اور ہاضم طعام ہوتا ہے۔
- اگر صبح نہار منہ چکوترہ کھایا جائے تو یقیناً گیس کا خاتمہ کرتا ہے۔
- اس کے ایک پاؤ رس میں ایک روٹی کے برابر طاقت ہوتی ہے۔
- چکوترا جلد میں اضافی تیل کو ختم کر کے کیل مہاسوں کا خاتمہ کرتا ہے۔
- چکوترے کھانے کی عادت خون کی گردش کو بہتر کرنے میں مدد دیتی ہے۔
- چکوترے کا پانی ایک پاؤ تین ہفتے مسلسل روزانہ استعمال کرنا پتے کی پتھری کو گلاتا ہے اور پتے کو طاقت دیتا ہے۔
- چکوترے میں کافی مقدار میں اینٹی آکسیڈنٹس موجود ہوتے ہیں جو جلد کو بحال کرنے کے ساتھ ساتھ جھریوں کے خلاف مزاحمت بھی کرتے ہیں۔ اس پھل میں ایک جز سپیرمیڈن بھی پایا جاتا ہے۔ ایک طبی تحقیق کے مطابق یہ جز خلیات کے عمر بڑھنے کے عمل کو سست کرتا ہے۔



اُف......! یہ غصہ کیوں؟

غصہ ایک عام انسانی جذبہ ہے۔ اگر آپ کو کوئی دھوکا دے، آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے یا آپ کو بنا کسی وجہ کے تنقید کا نشانہ بنائے تو آپ کو غصہ آنے لگتا ہے۔



غصہ آنا کوئی مسئلے کی بات نہیں، البتہ اس کا منفی انداز میں اظہار بعض اوقات پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔ خاص طور پر تب جب اس سے کسی کو نقصان پہنچنے یا کسی کے جذبات مجروح ہونے کا خطرہ ہو۔ غصے کے وقت صحیح فیصلہ لینا یا سوچنا سمجھنا اس لیے بھی مشکل ہو جاتا ہے چونکہ غصہ بن بلائے آتا ہے اور ذہن کو کچھ دیر کے لیے سن کر دیتا ہے۔ مزاج میں اچانک آنے والی اس تبدیلی کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ آپ کو کسی بات پر غصہ آتا ہے، آپ اس کا اظہار کرتے ہیں اور آگے نکل جاتے ہیں۔ یہ آپ کی صحت اور آپ کے رشتوں پر اثر انداز تب ہوتا ہے جب آپ اس کا اظہار نہ کریں یا نامناسب انداز میں کریں۔ اگر غصے کا صحیح وقت پر اظہار نہ کیا جائے تو اس سے انسان کے اندر جذباتی تناؤ اور غصہ جمع ہونے لگتا ہے۔ ایسے لوگ بات کرتے کرتے اچانک جذباتی ہو جاتے ہیں اور بات کو سمجھنے کے بجائے غصے اور چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

کامیاب زندگی گزارنے کا راز یہ ہے کہ آپ اپنے جذبات کے تابع نہیں بلکہ جذبات آپ کے تابع ہوں۔ غصے کو اپنا تابع بنانے سے پہلے اسے اور اس کے پیچھے چھپی وجہ سمجھنا ضروری ہے۔ غصہ اکثر کسی گہری چوٹ کی وجہ سے آتا ہے۔ ماضی میں ہم نے جو تکالیف برداشت کی ہوتی ہیں وہ آگے چل کر ہمارے غصے کی وجہ بن جاتی ہیں۔ ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر ہمیں غصہ آرہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کوئی تکلیف یا کوئی پریشانی ضرور ہے۔ اگر ہم اپنی تکلیف کو پہچاننے اور اس کے تسلیم کرنے لگیں گے تو ایسی صورت حال میں ہمارے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا اور ان کا صحیح انداز میں اظہار کرنا آسان ہو جائے گا۔

غصے کے وقت خود سے پوچھیں ''کیا میں اتنے غصے میں ہوں کہ خود پر قابو نہیں رکھ سکتا؟'' اگر جواب ہاں ہو تو خود کو اس جگہ سے ہٹالیں۔ کھلی فضا میں جائیں، لمبی لمبی سانس لیں۔ غرض یہ کہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کریں۔ غصے کا مثبت انداز میں اظہار ضروری ہے۔ اگر آپ کا خود پر قابو نہیں ہوگا تو آپ اپنی بات صحیح طرح دوسرے تک پہنچا نہیں پائیں گے اور آپ کا غصہ مزید بڑھ جائے گا۔ جس بات پر آپ کو غصہ ہے، کھل کر اس بارے میں بات کریں۔ دوسروں کی آراء کا احترام کرتے ہوئے اپنے خیالات اور اعتراضات کا اظہار کریں۔ اگر آپ دوسروں کی سوچ کا احترام کریں گے تو لوگ آپ کے موقف کو بھی سننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

زیادہ غصہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں لگنے لگتا ہے کہ اگر ہم نے غصے کا اظہار نہ کیا تو لوگ ہمیں دبا دیں گے یا ہماری بات کو اہمیت نہیں دیں گے۔ سب سے پہلے یہ خوف دل سے نکال دیں، اپنا بچاؤ کرنے میں ہم اپنی رائے کا اظہار نہیں کر پاتے۔ جب کسی مباحثے کے دوران آپ کو غصہ آنے لگے تو پہلے لمبی لمبی سانس لیں اور پھر اپنے غصے کو دبانے اور چھپانے کے بجائے خود اعتمادی سے اس کا اظہار کریں اور اس کی وجہ بتائیں۔ اپنے جذبات کو جواب دیں۔ جس دن آپ کو اپنے جذبات کا بامعنی اور مثبت الفاظ کی شکل دینا آجائے گا اس دن آپ کا غصہ آپ کا دشمن نہیں بلکہ دوست بن جائے گا۔

فاطمہ ناز واجد علی

س: "آپ کیا سمجھتی ہیں کہ کھانے کے لیے جیا جاتا ہے یا جینے کے لیے کھایا جاتا ؟"

ج: "ہمارے لیے صرف اور صرف جینے کے لیے کھایا جاتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہوئی کہ کھانا کے لیے جیا جائے۔ زندگی میں اور بھی چیزیں ہیں جینے کے لیے۔"

س: "گھر کا کام کاج خصوصاً کچن میں آپ کی دلچسپی کس حد تک ہے یا پڑھنے لکھنے کا شوق آپ کو ان بکھیڑوں سے دور رکھتا ہے؟"

ج: "کام کاج سے دلچسپی یہی سمجھ لیں کہ مجبوری کی حد تک ہے، وہ بھی صرف گھر کی صفائی وغیرہ۔ باقی کام کبھی کبھار اور کچن کی بھی کوئی خاص ذمہ داری نہیں۔ کبھی کھانا بنانا پڑ جائے تو لگی بندھی روٹین سے بنا ہی لیتی ہوں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد پڑھنے لکھنے میں تو آپ کے پیارے اور ہمارے راج دلارے "کرن" اور باقی کے رسائل ہی شامل ہیں، ہاہاہا۔"

س: "ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ کھانا مزے کا ہی ہو، کبھی کبھی نتائج برعکس بھی ہوتے ہیں۔ ایسے میں کھانے والے کے کیا تبصرے ہوتے ہیں؟"

ج: "جی بالکل۔ کبھی بھی نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ ذائقہ تو ہمارے ہاتھوں کو چھو کر بھی نہیں گزرا۔ جب بھی کھانا بناؤ تو بس گزارے لائق ہی بنتا ہے۔ اگر اچھا نہ بنے تو ابو جان پوچھتے ہیں کہ آج کھانا کس نے بنایا۔ لیکن کوئی جواب نہ پا کر بڑبڑاتے ہوئے کھا لیتے ہیں اور جب بھی بھائی گھر آتا ہے تو اسے میرے ہاتھ کا بنا کھانا تو کیا کسی کا بنا بھی پسند نہیں آتا۔ ہر وقت کھانے کے دوران پٹھانوں کے کھانوں کی تعریف کرتا رہتا ہے (کھا پی کر حرام کرنے والا)۔"

س: "کوئی سی رائٹر کو پڑھتے وقت کھانا دھواں ہوا، اس کے متعلق کوئی یادگار واقعہ؟"

ج: "لو جی۔ کرن پڑھتے ہوئے ویسے ہی اتنی باتیں سننی پڑتی ہیں سب کی تو پھر آپ سوچیں ہم کھانے بناتے ہوئے کیسے پڑھ سکتے ہیں۔ کون سی رائٹر، کیسا دھواں اور کہاں کا یادگار واقعہ۔ البتہ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو پھر کھانے بناتے ہوئے کیوں بخشیں کرن کو۔ اگر ایسا ہو بھی جائے تو ابو فوراً پوچھ لیتے ہیں کہ ضرور رجسٹر (رسالہ) پڑھ رہی ہوگی۔"

س: "عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "ان" کے دل کا راستہ معدہ سے ہو کر جاتا ہے، آپ اس خیال سے کہاں تک اتفاق کرتی ہیں؟"

ج: "ابھی تک تو "ان" سے پالا نہیں پڑا، جب پڑے گا تو دیکھا جائے گا۔ "دل کا راستہ معدہ سے ہو کر" ویسے ہم تو دس فیصد بھی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔"

س: "لوگ آپ سے زیادہ تر کس ڈش کی فرمائش کرتے ہیں؟ ہمیں اس ڈش کی ترکیب بتائیں؟"

ج: "جناب! یہ کیسا سوال پوچھ لیا آپ نے۔ ویسے خود کی ایجاد کی "چکن بوم" جو بالکل بھی نہیں بتانے والے۔ شاید آپ کو اس کی ترکیب پسند نہ آئے اور چکن تکہ بریانی تو آپ سب کو ہی بنانی آتی ہوگی۔"

س: "پہلی ڈش کون سی بنائی تھی اور اس پر گھر والوں کے کیا تبصرے تھے؟"

ج: "پہلی ڈش چکن تکہ بریانی بنائی تھی جو سب گھر والوں کو خاص کر بھائی کو بہت پسند آئی تھی۔ بھائی نے وہ سب سے پہلی اور آخری تعریف کی تھی۔"

س: "کون سی ڈش دیکھ کر آپ کے والد، بھائی یا شوہر کو غصہ آتا ہے اور پھر ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟"

ج: "کوئی خاص ڈش نہیں۔ کچن کے معاملے میں نو لفٹ کا بورڈ سجا لیتی ہوں۔ جب بھی کچھ بنا لوں تو سب ہی غصہ کرتے ہوئے، بڑبڑاتے ہوئے کھا لیتے ہیں۔ ویسے اگر پسند نہ آئے تو نہ کھایا کریں نا۔"

س: "گھر والوں کی پسند کی کوئی ایسی ڈش جو آپ کو بنانا ناگوار گزرتی ہو؟"

ج: "امی کی پسند کا ساگ اور ابو کی پسند کی گوشت کی کوئی بھی ڈش۔"

س: "آپ کے شوہر کے ایسے دوست یا رشتہ دار ہیں جن کی خاطر تواضع کے لیے کچن میں جانا آپ کو ناگوار گزرتا ہے؟"

ج: "شوہر کا تو کوئی نام و نشان نہیں البتہ جب بھی کوئی رشتہ دار آئے تو تمام ہڈحرامی، بے زاری اور کام چوری کو بائے بائے کر کے مہمان نوازی کے لیے کچن میں گھس جاتے ہیں اور جی جان سے کھانا بناتے ہیں۔"

س: "سسرال میں پہلی چیز کیا بنائی؟"

ج: "وہ تب بتائیں گے جب سسرال میں انٹری ہوگی۔ ویسے جو بھی بنایا تو آپ کو ضرور بتائیں گے۔ اس کے لیے آپ کو ربیع الاول کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

کرن کا دستر خوان

جے پوری بریانی ◆ آلو کے چپلی کباب

جے پوری بریانی

اشیاء:۔

مٹن یا بیف	آدھا کلو
چاول	آدھا کلو
پیاز	دو عدد (کتر لیں)
بادام	دس عدد
لہسن ادرک	دو کھانے کے چمچے
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سبز الائچی	چار عدد (کوٹ لیں)
لونگ	دس عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
دہی	آدھا پاؤ
بالائی	آدھا کپ
زعفران (تھوڑے سے دودھ میں گھول لیں)	چند ریشے
کیوڑہ ایسنس	چند قطرے
آئل یا گھی	ڈیڑھ پیالی

ترکیب:۔

چاول صاف کر کے آدھے گھنٹے کے لیے بھگو دیں، پھر ابال لیں۔ پیاز سنہری کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں گھی گرم کر کے اس میں پسے ہوئے بادام، گوشت، لہسن اور ادرک پیسٹ، پسی لال مرچ، نمک، دار چینی اور دہی شامل کر دیں۔ اب اس میں دو گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ گوشت گلنے پر اسے چند منٹ تک بھون لیں اور پھر آدھا مسالا الگ نکال لیں اور اس میں بالائی ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب ایک بھاری پیندے کی پتیلی میں چاولوں کی تہ لگا دیں۔ زعفران اور کیوڑہ چاولوں پر چھڑک کر اوپر سے فرائی کی ہوئی بالائی مکس کریں، آخر میں مسالا ملی ہوئی بالائی مکس کر لیں۔ مزے دار جے پوری بریانی تیار ہے۔ جے پور کی اس روایتی بریانی کو اگر آپ چاہیں تو چکن کے ہمراہ بھی بنا سکتی ہیں۔

آلو کے چپلی کباب

اجزاء:۔

آلو (درمیانے سائز کے)	چار عدد
بھنا کٹا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
بھنا کٹا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کٹی پیاز (چوکور)	ایک کھانے کا چمچہ
کٹا ہوا ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر (سلائس)	دو عدد
انار دانہ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
نمک	حسب ضرورت
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
میدہ	آدھا کپ
کارن فلور	دو کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس	ایک عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

آلو کو چھیل کر کدوکش کر لیں اور ان کا پانی اچھی طرح نچوڑ لیں اور پھر ان میں تیل اور ٹماٹر کے علاوہ سارے اجزا اچھی طرح ملا لیں اور پھر کباب بنا کر ایک سلائس کباب کے ایک طرف چپکا کر پین میں شیلو فرائی کر لیں۔



بیسنی پراٹھا



اجزاء:۔

بیسن (چھنا ہوا)	آدھا کپ
میدہ (چھنا ہوا)	پانچ کھانے کے چمچے
انڈے	دو عدد
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
گاجر (باریک کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی ہری مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	آدھا چمچہ
کٹا ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
کٹے ٹماٹر	ایک عدد
بھنا کٹا دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
بھنا کٹا زیرہ	آدھا کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک پیالے میں تمام اجزاء کو ڈالیں اور پانی ملا کر پتلا سا پیسٹ بنالیں۔ پھر ایک فرائی پین پر تھوڑا سا تیل اچھی طرح لگالیں اور یہ پیسٹ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں، جب خشک سا ہوجائے تو اس کو پلٹ کر دوسری طرف سے سینک لیں۔ چٹنی اور اچار کے ساتھ پیش کریں۔

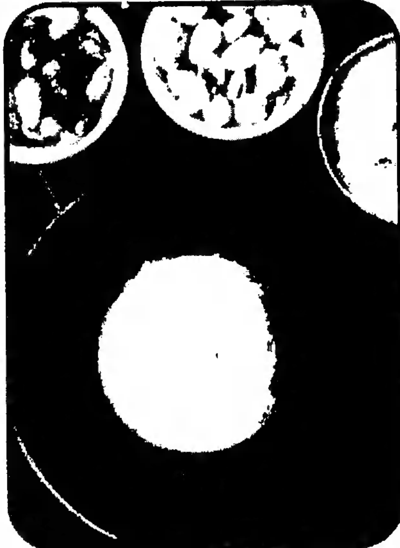
بھپا دہی

اجزاء:۔

دہی	ایک کپ
دودھ	دو کپ
چینی	آدھا کپ
بیکنگ سوڈا	ایک چٹکی
بادام، پستہ	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:۔

دہی کو چھلنی میں ڈال کر اس کا پانی نکال دیں۔ پھر دودھ کو ابال لیں۔ اس میں چینی ڈالیں اور درمیانی آنچ پر اتنا پکائیں کہ تقریباً آدھا رہ جائے۔ پکانے کے دوران چمچہ چلاتے رہیں۔ جب کریمی سا ہوجائے تو بیکنگ سوڈا ڈال کر چولہے سے اتار لیں۔ دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اس میں پکا ہوا دودھ ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ پھر ایک پیالے کو ہلکا سا گھی لگائیں اور آمیزے کو اس میں ڈال لیں۔ ایک بڑے برتن میں دو کپ پانی بوائل کر کے اس میں ایک اسٹینڈ رکھ دیں اور آمیزے والا پیالہ اس اسٹینڈ پر رکھ کر برتن کو ڈھانپ دیں۔ بیس، پچیس منٹ تک درمیانی آنچ پر پکائیں۔ پھر چولہا بند کر کے دہی کو ایک پلیٹ میں نکال کر بادام، پستہ سے سجا کر ٹھنڈا ٹھنڈا پیش کریں۔



نزلہ، زکام دور رکھنا آسان



موسم سرما کی آمد آمد ہے، جس کے ساتھ ہی شامیں خوش گوار اور صبح کی خنکی دل میں خوشی دوڑا دیتی ہے، دنوں کا دورانیہ بھی مختصر ہونے لگا ہے اور اگر آپ سروے کریں تو سو میں سے لگ بھگ ساٹھ سے ستر افراد موسم سرما کو کھلے دل سے خوش آمدید کہتے نظر آئیں گے مگر اس خوشی کے ساتھ دل کو ایک خوف بھی گھیر لیتا ہے۔ کیا آپ کو بھی وہ خوف لاحق ہے؟

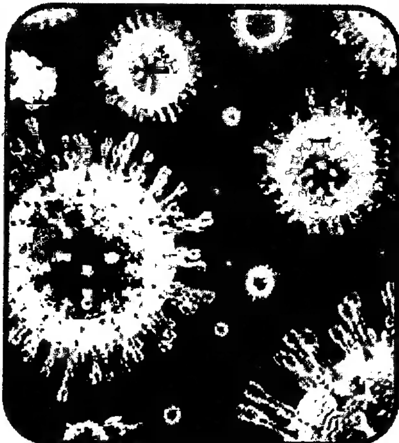
موسم سرما کا آغاز ہوتے ہی بخار، کھانسی، نزلہ زکام، گلے کی سوزش وغیرہ کی شکایت عام ہو جاتی ہے۔ چھینکوں کے شروع ہوتے ہی ناک بہنے لگتی ہے، گلے میں خراش، ورم اور پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے بچے اور ضعیف افراد فوراً بیمار ہو جاتے ہیں

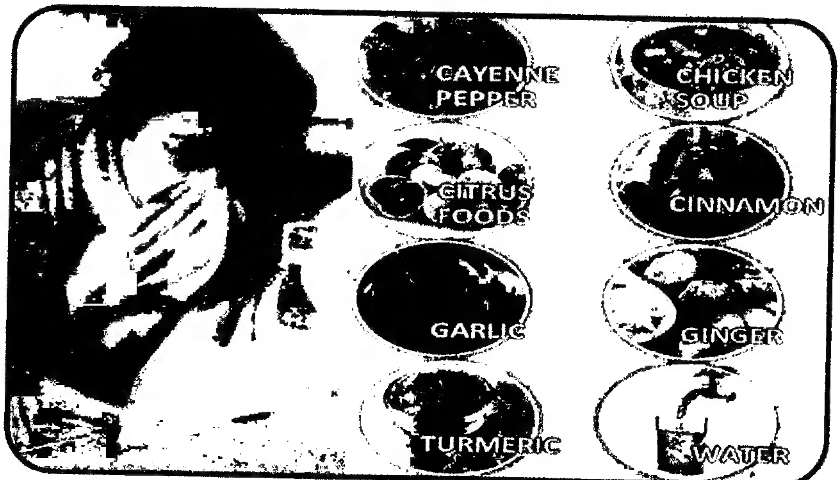
موسم سرما میں مختلف اقسام کے بارہ سو سے زائد وائرس پیدا ہوتے جو متاثرہ شخص کی کھانسی یا چھینک سے پھیلتے ہیں۔ اس لیے اپنے ہاتھ دھوئیں، نزلہ زکام کے مریض سے کم سے کم پانچ گز کے فاصلے پر رہیں ورنہ آپ متاثر بھی ہو سکتے ہیں۔

ورزش: جسمانی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے خون کو جوش دلانا خون میں سفید خلیات کے وائرس کو نشانہ بنانے والی سرگرمیوں کو بڑھا دیتا ہے۔ دن بھر میں ایک گھنٹے کی ورزش چاہے وقفوں میں ہی کی جائے، بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ بھاری وزن کے ساتھ ورزش کریں، صرف دفتر میں چہل قدمی، سیڑھیاں اترنا چڑھنا بھی سردیوں میں ہر ایک کو لاحق ہو جانے والے نزلے سے زبردست تحفظ فراہم کرتا ہے۔

زنک (جست): درست مقدار میں صحت بخش غذا اور منرلز خوراک کا لازمی حصہ ہونے چاہئیں، اس سے جسم کو فلو وائرس کے خلاف جنگ کے لیے بھرپور طاقت مل جاتی ہے۔ چربی والی غذاؤں اور زیادہ مٹھاس سے گریز کرکے سبزیوں، پھلوں اور کم پروٹین والے کھانوں کا استعمال کیا جانا چاہیے اور ان صحت بخش غذائی اجزاء میں سے ایک زنک ہے جو خاص طور پر فلو سیزن کے لیے بہترین ثابت ہوتا ہے۔

پانی اور بھاپ کا استعمال: نزلہ زکام ہونے کی صورت میں سب سے زیادہ ناک اور اس کی اندرونی جھلیاں متاثر ہوتی ہے۔ نزلے کے وائرس سے نجات حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جھلیوں سے خارج ہونے والی رطوبت انہیں بہا کر لے جائے اس کے لیے پانی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس عمل میں وضو کا عمل بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔ اگر پانی نیم گرم اور نمکین ہو تو اسے اندر چڑھا کر بند ناک آسانی سے کھولی جا سکتی ہے۔ اس سے ناک کا ورم دور ہوتا ہے، بھاپ میں سانس لینے سے ناک سے حلق تک کا اندرونی حصہ نزلے





کی رطوبت سے صاف ہو جاتا ہے۔ پانی میں سفیدے کے درخت کے پتے یا بام کی ایک دو بوند بھی شامل کر لیے جائیں تو وائرس نکلنے کا عمل اور مؤثر ہو جاتا ہے۔

منقہ شہد: منقہ شہد کا ایک چائے کا چمچہ روزانہ نہار منہ استعمال جسم میں اینٹی باڈیز کی مقدار کو بڑھاتا ہے جس سے جسم کو الرجی اور انفیکشن وغیرہ سے قدرتی طور پر لڑنے میں مدد ملتی ہے۔

ہلدی: سونے سے قبل گرم دودھ کے گلاس میں ایک چائے کا چمچہ ہلدی اور سیاہ مرچوں کا سفوف شامل کر کے استعمال کرنے سے چھینکوں اور نزلہ زکام سے آرام ملتا ہے۔

سیب کا سرکہ: سانس کی نالیوں میں بلغم کی مقداریں کمی کے لیے سیب کے عرق سے تیار کردہ سرکہ بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے کیونکہ مٹی، پولن اور دیگر الرجی پیدا ہونے والی چیزوں کو نتھنے کے اندر ہی محدود کر دیتا ہے اس سرکہ کا ایک چمچہ نیم گرم پانی کے ایک گلاس میں روزانہ دوبارہ استعمال کریں۔

شہد اور لیموں: جو لوگ چائے پیتے ہیں انہیں نزلے کے دوران بغیر دودھ کی چائے میں شکر کی جگہ شہد اور لیموں کا رس شامل کر کے پینا چاہیے۔

دار چینی: اس کا سفوف چائے کے ایک چمچہ کے برابر کھولتے پانی میں پندرہ منٹ تک ڈھک کر دم دینے کے بعد اس میں شہد بقدرے ذائقہ ملا کر پینا چاہیے۔

لہسن: نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے لہسن کو پیس کر شہد میں ملا کر کھائیں۔

اس کے علاوہ روزانہ ایک ہزار ملی گرام وٹامن سی استعمال کرنے سے بھی نزلہ زکام میں افاقہ ملتا ہے۔ پیاز کاٹ کر تلوؤں پر رگڑنے سے نزلہ زکام میں فائدہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں بخار کو باہر نکال پھینکنے کی صلاحیت ہے۔

سبز چائے کا استعمال اور مرغی کا شوربا بھی نزلہ زکام میں مفید ہوتا ہے۔

سردی کے موسم میں نزلہ زکام کی شکایات ہو تو چکن سوپ کا استعمال تین دن لازمی ہے۔ پودینے کے تیل کی مالش سینے کے انفیکشن کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے جبکہ بچوں کی نیند بہتر ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص پرانی الرجی اور الرجی کے دمے میں مبتلا ہے یا پرانے نزلے، ناک کا مستقل بند ہونا جیسی بیماریوں میں مبتلا ہے تو چند قطرے روغن زیتون ناک کے دونوں نتھنوں میں ڈالیں اور سانس ذرا اوپر کی طرف کھینچے۔ اطریفل اسطخدوس ایک چمچہ چائے کا ایک کپ گرم پانی میں گھول لیں اور تھوڑا تھوڑا کر کے پئیں۔

پودینہ، خشک اجوائن دیسی دونوں ہم وزن کوٹ کر سفوف تیار کریں اور آدھا چمچہ دن میں تین بار پانی یا چائے کے ساتھ استعمال کریں۔

یہ مضمون عام معلومات کے لیے ہے۔ طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کریں۔